# دل پھولوں کی بستی

3

ایک میمونہ بھابھی تھیں جن کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا اماں جی اور ابا جی کے ناشتے سے فارغ ہو کر چھالیہ کاٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔

"بھابھی اچھیاں آئیں گی تو کر لیں گی سب۔ آپ کیوں خود کو تھکاتی ہیں؟" اس نے اماں جی کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بچیوں کے کرنے کو اور بہت سے کام رکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا یہ تھوڑا بہت میں کرلوں۔ ویسے تمہیں پتا ہے، مجھے فارغ بیٹھنے سے وحشت ہوتی ہے۔"

"سب پتا ہے۔" آسیہ مسکرا کر اماں جی کے پاندان پر جھک گئی اور چھالیہ نکال کر سر اونچا کیا تو اماں جی جانے کن نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔

"کیا بات ہے اماں جی۔ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"رات تمہارے سب بھائی کہہ رہے تھے کہ بیٹی کی منگنی کر کے تم کچھ چپ چپ سی تھیں۔ میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں کیا خدشہ ہے؟" اماں جی نے صاف گوئی سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"خدشہ کوئی نہیں ہے اماں جی! بس خیال آ رہا تھا کہ بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو گئیں پھر سب کچھ اچانک طے پا گیا۔ اس لیے بھی شاید میں بوکھلا گئی تھی۔"

"ویسے اس رشتے سے خوش تو ہو ناں؟" اماں جی جانے کیوں کھوج رہی تھیں۔

"جی۔ آپ سب خوش ہیں تو میں کیوں نہیں خوش ہوں گی۔ بس یہ ہے کہ شادی جلدی نہیں کروں گی۔ مدحو بی اے کرے گی تو اسے بعد سوچوں گی، اور اس سے پہلے دعا کریں نبیل کی جاب ہو جائے تاکہ پہلے اس کی دلہن لے آئیں۔" اس نے کہا تو اماں جی ہاتھ پھیلا کر بولیں۔

"میں تو ہر وقت دعا کرتی ہوں۔ اللہ اسے روزگار دے پھر اس کا گھر بسے۔ اس کے سر پہ سہرا دیکھنے کی بڑی آرزو ہے میری۔"

"اللہ آپ کی آرزو جلد پوری کرے گا۔ انشاء اللہ۔" اس نے صدق دل سے کہا اور سیڑھیاں اترتے نبیل کو دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"مدحو! کہیں جانے کے لیے تم ہمیشہ سب سے پہلے تیار ہوتی ہو۔ آج تمہیں کیا ہوا ہے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے۔ وہاں نیچے سب تیار کھڑے ہیں۔"

صباحت جس حالت میں اسے بیٹھا چھوڑ گئی تھی اسی حالت میں دیکھ کر جھنجلا گئی۔ "اگر نہیں جانا تو صاف کہو تاکہ دوسروں کا پروگرام تو نہ خراب ہو۔"

"ارے واہ۔ میں کیوں نہیں جاؤں گی؟" مدحیہ چونک کر بولی تھی۔

"تو پھر تیار کیوں نہیں ہو رہیں؟ اٹھو جلدی کرو۔" صباحت نے اس کے کپڑے اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھمائے تو وہ الجھتی ہوئی بولی۔

"میں کیا کروں صبا! مجھے احمر بھائی کے سامنے جاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔"

"ارے!" صباحت بے ساختہ ہنسی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے تمہاری منگنی ہوتی تو تمہیں شرم نہ آتی۔" مدحیہ بسورتی ہوئی ہمیشہ سے



بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"ایک دو دن کی بات ہے پھر پہلے کی طرح احمر بھائی کے ساتھ لڑتی جھگڑتی نظر آؤ گی۔" صباحت نے اسے واش روم کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔

"سنو۔ خبردار جو کسی سے کچھ کہا تو، میرا مطلب ہے یہ شرم والی بات۔"

"نہیں۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی۔" صباحت نے بمشکل اپنی ہنسی ہونٹوں میں چھپائی تھی۔ "تم پلیز جلدی کرو۔"

پھر جیسے ہی مدحیہ تیار ہوئی، عمر شور مچاتا ہوا آ گیا۔

"اب کیا تم دونوں کے لیے باقاعدہ پالکی لائی جائے گی۔ اگر پہلے سے کہا ہوتا تو میں انتظام کر سکتا تھا اب کہاں سے لاؤں؟ میرے بازوؤں میں بھی اتنی طاقت نہیں ہے ورنہ اٹھا کر لے جاتا۔ احمر بھائی کو بلاؤں۔" عمر نے شرارت سے مدحیہ کو دیکھا تو وہ جو پہلے ہی احمر کے سامنے جانے سے گھبرا رہی تھی مزید سرخ پڑ گئی اور صباحت کے پیچھے چھپتی ہوئی سرگوشی میں بولی۔

"منع کرو اسے ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔"

"عمر! اب تم زیادہ مت بولو۔ چلو ہم چلتے ہیں۔"

صباحت اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی نیچے لے آئی جہاں سب انتظار میں کھڑے تھے اور ان دونوں کو دیکھتے ہی مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے چلو چلو کہتے ہوئے سب چل پڑے۔

نبیل اپنے ڈیڈی سے گاڑی لے آئے تھے اور احمر نے عدیل چاچا سے لی تھی اس لیے کوئی پرابلم نہیں ہوئی دو گاڑیوں میں سب آرام سے سما گئے تھے۔

ساحل پر اترتے ہی نبیل نے سب سے پہلے مدحیہ کو تنبیہ کی کہ اسے پانی میں دور تک نہیں جانا اور خلاف توقع اس کے احتجاج نہ کرنے پر بے حد حیران ہوئے اور ٹوکے بغیر رہ بھی نہیں سکے۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔"

"طبیعت اس کی بالکل ٹھیک ہے نبیل بھائی! بس ذرا....!" صباحت نے شرارت سے مدحیہ کو دیکھتے ہوئے اس کی شرم والی بات بتانی چاہی، لیکن اس کے گھورنے پر خاموش بھی ہو گئی تھی۔

"کیا ذرا۔ مدحو! تم بتاؤ کیا ہوا ہے؟" ثوبیہ نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"چلو بتاتی ہوں۔" مدحیہ نے ثوبیہ کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں اتر کر لہروں کے تعاقب میں چلی گئی تو باقی سب بھی پیچھے بے قرار کھڑے تھے فوراً ان دونوں کی تقلید کی پیچھے نبیل پکار کر کہتے رہے کہ زیادہ دور نہیں جانا لیکن اب ان کی کون سنتا؟

سمندر کی سطح پر سورج کی براہ راست کرنیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں اور پہلے جب بھی مدحیہ یہاں آئی تھی تو اس دلکش منظر کو دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتی تھی اور "میں سیپیاں چنوں گی" کہتی ہوئی بھاگتی جاتی تھی اسی لیے اس بات سے سب واقف تھے جب ہی تو آسیہ نے خاص طور سے اس کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس وقت دور بیٹھے نبیل کی نظریں مسلسل اس پر تھیں اور وہ مزید حیران ہو رہے تھے کہ موتی چننے کے جنون میں سب سے آگے بھاگنے والی سب سے پیچھے رہ گئی تھی اور بے حد سست رفتاری سے چل بھی یوں رہی تھی جیسے ہر قدم سوچ کر اٹھا رہی ہو۔ ایک دو بار اس نے پلٹ کر دیکھا پھر اپنے اطراف سب کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی کہ احمر ہاتھ ہلاتا ہوا

بھاگ کر اس کے قریب آ کر پوچھنے لگا۔

"تم اتنی سست کیوں ہو رہی ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ ایک نظر احمر کو دیکھ کر نیچے جھک گئی اور ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھر کر سیدھی ہوئی تو کہنے لگی۔

"مجھے آج پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ ہم اسے پی نہیں سکتے۔ آخر اس میں اتنا نمک کیوں ملا ہے؟"

"اس بات پر پھر کبھی غور کریں گے۔ یہ بتاؤ، صبح سے کہاں غائب تھیں۔ میں سارا دن تمہاری راہ دیکھتا رہا۔" احمر نے اس کی ہتھیلیوں کے نیچے ہاتھ مار کر پانی اچھالتے ہوئے کہا تو وہ اپنی شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کی خاطر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"سنو۔ میرا تو خیال تھا، تم اس منگنی سے خوش ہو گی لیکن۔۔۔" احمر اس کے چہرے پر اترتی دھنک دیکھ چکا تھا۔ محض ستانے کو دردناک آواز میں جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ فوراً بول پڑی۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ تم کچھ زیادہ ہی خوش ہو۔" احمر کی شرارت پر وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکی پھر تنک کر بولی۔

"جی نہیں۔ آپ کو کچھ زیادہ خوش فہمی ہو رہی ہے میں کوئی خوش ووش نہیں ہوں۔"

"سچ کہہ رہی ہو؟" احمر نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا لیکن وہ نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

"جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

"میں بھی جھوٹ نہیں بولوں گا میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔" احمر نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اچھا!" وہ بے ساختہ ہنسی اور بھاگ کر ثمرہ، ثوبیہ اور صباحت میں شامل ہو گئی تھی۔

"ہائیں! تم تو احمر بھائی کے ساتھ تھیں۔" ثوبیہ کو کافی دیر بعد اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا جب ہی حیران ہو کر بولی۔

"اب تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

پھر سورج کی الوداعی کرنوں کے ساتھ سب پانی سے نکل کر نبیل کے پاس آ کر بیٹھے تو انہوں نے سب کو کوک پلائی۔ اس کے بعد خاص طور سے اشعر اور سمیہ سے واپسی کا پوچھا تو سمیہ کہنے لگی۔

"یہاں سے بے شک چلیں نبیل بھائی! لیکن ابھی گھر نہیں جائیں گے۔"

"پھر؟" نبیل کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سمیہ باقی سب کو دیکھنے لگی غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اور کہاں جانے کو کہے؟

"ہمیں پلے لینڈ چلتے ہیں، بہت رونق ہو گی۔" عمر نے اپنے تئیں سمیہ کو مشکل سے نکالا لیکن وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"پلے لینڈ میں بچوں کی دلچسپیاں ہوں گی ہم کیا کریں گے؟"

"جناب صرف چھوٹے بچوں کے لیے نہیں، اسی سال تک کے بچوں کے لیے تفریح ہی تفریح ہے کیوں نبیل بھائی؟" عمر نے تصدیق کے لیے نبیل کو دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر یوں کندھے اچکائے جیسے وہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

"آپ بھی نبیل بھائی! بس ایسے ہی ہیں ہاں کہہ دینے میں کیا حرج تھا۔" عمر ناراضگی سے کہہ کر بہت



ٹیلے پر جا بیٹھا۔

"ارے یہ تو بالکل بچوں کی طرح روٹھ کر بیٹھ گیا ہے۔" سمیہ اسے دیکھ کر ہنسی۔

"بچہ ہی ہے۔" نبیل کے لیے ابھی بھی وہ چھوٹا سا عمر تھا۔

"سا عمر تم نے، نبیل بھائی تمہیں بچہ کہہ رہے ہیں۔" صباحت نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ جل کر بولا۔

"انہیں اپنے سامنے سب بچے لگتے ہیں۔ کبھی اباجی کے ساتھ بیٹھے دیکھا ہے انہیں، ان سے زیادہ یہ سب سے شفقت سے پیش آ رہے ہوتے ہیں۔"

سب کی بے ساختہ ہنسی میں نبیل جھینپ کر رہ گئے تھے۔ یوں ہنسی مذاق میں وہیں بیٹھے اتنی دیر ہو گئی کہ پھر کہیں اور جانے سے نبیل نے منع کر دیا اور سیدھا گھر کی راہ لی۔

میمونہ بھابھی، سیما بھابھی اور یاسمین کھانا تیار کر چکی تھیں اور اماں جی، اباجی کے ساتھ اپنے اپنے شوہروں کو بھی کھلا چکی تھیں۔ البتہ خود ان سب کے انتظار میں تھیں۔ آسیہ کلینک سے لوٹی تو وہ بھی بھاوجوں کے ساتھ وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی تھی۔

"آسیہ! مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میرا ایک اور بیٹا نہیں ہے۔" سیما بھابھی نے اچانک آسیہ کو مخاطب کر کے کہا تو اس نے کچھ تعجب سے دیکھا۔

"کیوں؟"

"تم سے صباحت مانگتی۔" سیما بھابھی کے لہجے میں صباحت کے لیے بڑا پیار تھا۔

"اچھا!" وہ ذرا سا ہنسی۔ پھر کہنے لگی۔ "آپ نے اور یاسمین نے بھی بس دو بچوں پر اکتفا کر لیا، کیوں یاسمین تمہیں بیٹے کی خواہش نہیں تھی جو تمہیں مزید بچے پیدا کرنے پر اکساتی۔"

"مجھے تو تھی لیکن شاید عدیل کو نہیں تھی۔ خیر اللہ کا شکر ہے۔ بیٹیاں بھی بڑی نعمت ہیں بہت خیال رکھتی ہیں۔" یاسمین نے کہا تو سب تائید میں سر ہلانے لگی تھیں۔

تب ہی باہر گاڑی رکنے کے ساتھ سب کی آوازیں آنے لگیں اور کچھ دیر بعد ساری رونق اندر سمٹ آئی تھی۔ پورے آنگن میں ہنسی قہقہے گونجنے لگے۔ میمونہ بھابھی نے بمشکل اٹھتے ہوئے سب کو خاموش کرایا پھر بولیں۔

"جلدی سب ہاتھ منہ دھو کر آؤ میں کھانا لگا رہی ہوں۔ تم لوگوں کے انتظار میں ہم نے بھی نہیں کھایا۔"

"آسیہ! تم بھی یہیں رکنا۔"

"نہیں بھابھی! بوا کھانا بنا چکی ہوں گی۔" آسیہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "چلو نبیل! مدیحہ، صبا اوپر چلو۔"

"جی مما! چلیں۔" مدیحہ اور صباحت فوراً سیڑھیاں پھلانگ گئیں۔ آسیہ نبیل کے ساتھ اوپر آئی تھی۔

"کہاں کہاں گئے تم لوگ؟" کھانے کی ٹیبل پر آسیہ نے باری باری تینوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"بس ساحل پر۔ اس کے بعد سمیہ کی خواہش تھی کہیں اور جانے کی، لیکن دیر ہو گئی تھی اس لیے سیدھے گھر آ گئے۔" صباحت نے بتایا۔

"پریشان تو نہیں کیا تھا نبیل! ان دونوں نے تمہیں؟" آسیہ نے نبیل سے پوچھا تو مدیحہ فوراً بول پڑی۔

"مما! آپ کو ہمیشہ یہ خیال کیوں آتا ہے کہ ہم نبیل بھائی کو پریشان کرتے ہوں گے؟"

"اس لیے کہ تم پریشان کرتی ہو اور نبیل نے کبھی مجھے خود سے نہیں بتایا۔ میں پوچھوں گی جب بھی منع

کرے گا اور یہ اس کی تم دونوں کے ساتھ محبت ہے جو تمہاری بدتمیزیاں بھی نہ صرف خود اگنور کرتا ہے بلکہ مجھ سے بھی چھپاتا ہے۔"

آسیہ کھانے میں مصروف رہ کر سرسری انداز میں بول رہی تھیں یعنی اس وقت کسی تنبیہہ یا تفہیم وغیرہ کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس کے سرسری انداز نے ہی مدیحہ کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔



شکیل بھائی اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسلام آباد چلے گئے تو گھر کی رونق میں کچھ کمی ہوئی تھی اور زیادہ کمی اس وقت ہوئی جب عدیل بھائی الگ گھر لے کر وہاں شفٹ ہو گئے۔ گو کہ ان کا گھر زیادہ دور نہیں تھا پھر بھی گھر بہرحال خالی خالی لگنے لگا تھا حالانکہ وہ تین چار مہینے ہی یہاں رہے تھے لیکن ان کا جانا سب کو ہی محسوس ہوا تھا۔ رات میں نبیل حسب معمول مدیحہ اور صباحت کو پڑھانے بیٹھے تو دونوں کے چہروں پر بے زاری دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے، پھوپھو نے کسی بات پر ڈانٹا ہے تم دونوں کو؟"

"نہیں تو۔" دونوں ایک ساتھ بولی تھیں۔

"پھر یہ رونی شکلیں بنا کر کیوں بیٹھی ہو؟"

"وہ نبیل بھائی، ثمرہ اور روبی چلی گئی ہیں ناں۔ ان کے بغیر سارا دن ہم بہت بور ہوئے۔ ایمان سے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔" صباحت نے سبب بتا کر اپنے سامنے کتاب بھی بند کر دی۔

"ہاں۔ کچھ خاموشی تو محسوس ہو رہی ہے ان کے جانے سے۔ خیر کچھ دن کی بات ہے پھر پہلے کی طرح لگنے لگے گا۔" انہوں نے خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تو بس جب پہلے کی طرح لگنے لگا تو تب پڑھیں گے۔" صباحت نے صرف کتاب بند کی تھی مدیحہ فوراً کتابیں سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ٹھیک ہے ناں نبیل بھائی! ابھی کچھ سمجھ میں بھی نہیں آئے گا پھر آپ کیوں اپنی انرجی۔"

"بیٹھ جاؤ آرام سے۔" نبیل ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔ "پتا ہے امتحان کب سے ہیں۔ فیل ہو جاؤ گی تو تم سے زیادہ پھوپھو میری کلاس لیں گی۔"

مدیحہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ بیٹھ گئی تو صباحت نے جلدی سے اپنی کتاب کھول لی۔

"آج میں تمہیں شاہ عبداللطیف بھٹائی پر ایک مضمون لکھواؤں گا۔ کتاب رکھو اور دونوں پین سنبھالو۔" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھ کر کہا پھر اپنی ڈائری کھول کر اس میں جانے کیا تلاش کرنے لگے تھے کہ مدیحہ نے انہیں پکارا۔

"نبیل بھائی!"

"ہوں۔" انہوں نے بہت مصروف انداز میں جواب دیا تھا۔

"آپ نے شاہ سکندر کو دیکھا ہے؟" مدیحہ کو فوراً "شاہ" کے ساتھ شاہ سکندر حیات کا خیال آیا تھا۔ بس ناموں میں ایک شاہ ہی تو مشترک تھا اور نبیل نے بھی اپنی مصروفیت میں بس شاہ ہی سنا اس لیے بڑے آرام سے بولے۔

"نہیں۔ میں ان کے مزار پر کبھی نہیں گیا۔"



"مزار!" مدیحہ اور صباحت کو جیسے شاک لگا تھا۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دونوں [illegible] میں آ گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد نبیل ڈائری بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حیران ہو کر ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولے۔

"یہ تم دونوں کو کیا ہوا ہے۔ صبا ادھر دیکھو، کیا بات ہے؟" صباحت نے گم صم انداز میں انہیں دیکھا پھر ٹیبل پر پیشانی رکھ کر رونے لگی تو انہوں نے پریشان ہو کر مدیحہ سے پوچھا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟"

"کتنے ظالم ہیں آپ لوگ۔ سب جانتے ہیں اور ہم دونوں سے چھپاتے ہیں۔" مدیحہ پھٹ پڑی۔

"آخر کیوں، کیوں چھپایا ہم سے؟"

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔ کیا چھپایا تم سے۔" نبیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"یہی کہ ہم دونوں یتیم ہو چکی ہیں۔ ہمارا باپ۔۔۔"

"شٹ اپ مدیحہ، یہ فضول بکواس کس نے کی تم سے؟" وہ قدرے سختی سے ٹوک کر بولے۔

"آپ۔۔۔ ابھی آپ ہی نے تو کہا ہے کہ آپ ان کے مزار پر کبھی نہیں گئے۔ دیکھئے نبیل بھائی ہم سے کچھ نہیں چھپایئے ورنہ میں ابھی جا کر مما سے پوچھوں گی۔" مدیحہ ان کے سخت لہجے سے خائف ہوئے بغیر رو دی تھی۔ نبیل نے کچھ دیر غور کیا پھر ساری بات سمجھ کر کہنے لگے۔

"بہت لکھی ہو تم دونوں۔ پتا نہیں دھیان کہاں رہتا ہے میں شاہ بھٹائی کی بات کر رہا تھا اور یہ تم شاہ سکندر حیات کو درمیان میں کہاں سے لے آئیں؟"

"تو کیا شاہ سکندر زندہ ہیں؟" مدیحہ نے خوش ہو کر کہا تو صباحت بھی جلدی سے آنسو پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" انہوں نے کہہ کر فوراً موضوع بدل دیا۔

"چلو آج تم دونوں کا واقعی پڑھنے کا موڈ نہیں ہے۔ اٹھاؤ کتابیں اور کل سے پوری تیاری کے ساتھ بیٹھنا۔"

"بالکل نہیں۔ جب تک آپ میری بات کا جواب نہیں دیں گے میں کل تو کیا کبھی نہیں پڑھوں گی۔" مدیحہ ضدی لہجے میں بولی۔

"کون سی بات کا جواب چاہتی ہو؟" انہوں نے مدیحہ سے پوچھنے کے ساتھ ایک نظر صباحت کو دیکھا جو اشارے سے اسے منع کر رہی تھی لیکن وہ باز نہیں آئی۔

"میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ نے شاہ سکندر کو دیکھا ہے یعنی ہمارے پاپا کو؟"

"ہاں۔ لیکن مجھے وہ ٹھیک طرح سے یاد نہیں ہیں یعنی اگر اب کبھی سامنا ہو جائے تو شاید میں انہیں پہچان نہیں سکوں گا یا ہو سکتا ہے پہچان بھی لوں۔" نبیل نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا پھر باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔ "بس یا کچھ اور۔"

"اور اگر آپ کو ان کا اتا پتا معلوم ہو تو وہ بتا دیں۔" مدیحہ نے کہا تو وہ کچھ کھل سے گئے۔

"نہیں مجھے نہیں معلوم اور شاید یہاں کسی کو بھی معلوم نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس اپارٹمنٹ میں ان کی رہائش تھی وہ تو انہوں نے پھوپھو کے نام کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب تعلق ختم ہو گیا تو پھر ظاہر ہے کسی کو ان کا اتا پتا معلوم

کرنے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔" نبیل نے بہت سنبھل کر دونوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"انہیں تو معلوم ہے ناں کہ ہم یہاں رہتے ہیں پھر انہوں نے ہم سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" سارے سوال مدیحہ اٹھا رہی تھی۔ جبکہ صباحت بالکل خاموش تھی لیکن چہرہ بتا رہا تھا کہ اندر سے وہ بھی اتنی ہی متجسس ہے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ جب انہیں کبھی تمہارا خیال نہیں آیا تو تم بھی ان کے بارے میں مت سوچو۔ اگر وہ مخلص ہوتے تو پھوپھو خود تمہیں ان کے بارے میں بتاتیں اور اب تمہیں پھوپھو کا خیال کرنا چاہیے۔ تمہارے لیے سب کچھ وہی ہیں، خود میرے لیے بھی وہ میرے ماں باپ سے بڑھ کر ہیں۔ بہت محنت اور محبت سے انہوں نے ہم تینوں کی آبیاری کی ہے۔ ہمیں ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے انہیں تکلیف ہو، سمجھ رہی ہو ناں؟"

بہت نرمی سے سمجھاتے ہوئے انہوں نے دونوں کو تنبیہ بھی کی اور ان کے سر جھکانے پر اٹھتے ہوئے بولے۔

"چلو جاؤ اب سونے کی تیاری کرو۔ صبح کالج بھی جانا ہوگا اور سن لو کل سے پڑھنے کے اوقات میں دوسری کوئی بات نہیں ہوگی۔"

دونوں نے اپنی کتابیں سنبھالیں اور انہیں شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

"جھوٹے ہیں نبیل بھائی!" لائٹ آف کر کے بیڈ پر لیٹتے ہی مدیحہ نے نبیل کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ "انہیں پاپا کے بارے میں سب پتا ہے لیکن صاف مکر گئے۔"

"جی نہیں۔ نبیل بھائی جھوٹے نہیں ہیں، بلکہ تمہارا دماغ خراب ہے جو ان سے ہمیشہ شاکی رہتی ہو۔" صباحت کو جیسے بہت برا لگا تھا انتہائی ناگواری سے بولی۔

"ایک بات بتاؤ صبا! تمہارا مجھ سے زیادہ قریبی رشتہ ہے یا نبیل بھائی سے؟" مدیحہ سلگ کر اٹھ بیٹھی۔

"دونوں سے ایک سا ہے۔ تم بہن اور وہ بھائی۔"

"سگے بھائی نہیں ہیں وہ بلکہ ان سے خونی رشتہ تو بنتا ہی نہیں ہے تمہارا پھر بھی تم مما کی طرح انہیں مجھ پر فوقیت دیتی ہو، کیوں؟"

"میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دیتی۔ تم چاہتی ہو کہ تمہاری غلط بات پر بھی میں تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی جاؤں تو یہ میں نہیں کر سکتی اور یہ تم رشتوں میں سگے سوتیلے کا فرق کیا لے بیٹھی ہو۔ میں کسی خونی رشتے کو نہیں پہچانتی۔ جبکہ نبیل بھائی کی ذات ہمارے لیے سائبان جیسی ہے جنہوں نے بھائی کی کمی تو پوری کی ہی اس کے ساتھ وہ شفقت بھی دیتے ہیں جو مجھے اپنی زندگی میں کسی خلا کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ تم خدا کے لیے ان سے شاکی ہونا چھوڑ دو اور آئندہ میرے سامنے انہیں کچھ مت کہنا۔ میں جتنی محبت تم سے کرتی ہوں اتنی ان سے۔"

صباحت بولتے ہوئے جذباتی ہو گئی تھی۔ اس لیے آخر میں اس کی آواز بھرا گئی اور بس اس کا خیال کر کے مدیحہ نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی طرف سے کروٹ بھی بدل لی تھی۔



مدیحہ ٹیرس پر کھڑی بے دھیانی میں آسیہ کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جب آسیہ کی نظر اس پر پڑی تب اس نے چونک کر ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کیا۔ جواباً آسیہ نے مشفق مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلایا پھر



گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مدیحہ نے جھک کر نیچے دیکھا جہاں احمر اسے متوجہ کرنے کے لیے دونوں بازو اوپر اٹھا کر لہرا رہا تھا وہ بے ساختہ ہنسی۔

"کیا بات ہے؟"

"نیچے آؤ۔" احمر کی آواز دبی دبی تھی۔ لیکن ہاتھ کا اشارہ واضح ہے سمجھنے کے باوجود وہ انجان بن کر اونچی آواز میں بولی۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

احمر نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا پھر فوراً اندر چلا گیا تو وہ اس کی بوکھلاہٹ پر ہنستی ہوئی وہیں بیٹھ گئی چند لمحوں بعد ہی احمر اس کے سامنے آ گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟"

"کون سی؟" وہ ابھی بھی ہنس رہی تھی۔

"مجھے یہاں بلانا تھا تو اشارے سے بلاتیں۔ چلانے کی کیا ضرورت تھی؟" احمر نے اس کی شرارت سمجھ کر بات اس پر ڈال دی۔

"جناب اول تو میں نے آپ کو بلایا نہیں اور اگر بلانا ہوگا تو چلا کر ہی بلاؤں گی کیونکہ مجھے اشارے کرنے نہیں آتے اور نہ میں اشاروں کی زبان سمجھتی ہوں۔" وہ خاصی بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"تو کیا لولی ہو؟" احمر نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیوں میں کوئی گونگی ہوں یا آپ گونگے بہرے ہیں؟" وہ اس کی جھنجھلاہٹ سے اندر ہی اندر محظوظ ہو کر بولی۔

"لاحول ولا، کیسی احمق لڑکی ہو تم۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔" احمر نے سر پیٹ لیا پھر اسے ہنستے دیکھ کر قدرے خجل سا ہو کر صباحت کو پکارنے لگا تو وہ ہنسی روک کر بولی۔

"صبا نیچے ہی ہے۔ ابھی مما کے ساتھ تو اتری تھی۔"

"اور نبیل بھائی کہاں ہیں؟" احمر نے گردن موڑ کر نبیل کے طرف کی کھلی کھڑکی سے اندر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ غالباً بڑے ماموں کی طرف گئے ہیں۔ آپ چائے پئیں گے؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"ضرور پیوں گا۔ تم بناؤ گی؟"

"نہیں بوا!" اس کے ساتھ ہی اس نے بوا کو پکار کر چائے کا کہا پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "وہ دوپہر میں اتفاقاً بتا رہی تھیں کہ آپ ایم بی اے کے لیے باہر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"ہاں۔ دعا کرو۔ اسکالرشپ مل جائے۔" احمر نے سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے کہا تو وہ بے دلی سے بولی۔

"میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

"دل سے مانگو گی تو ضرور قبول ہوں گی۔ اب یہ مت کہہ دینا کہ تمہارے پاس دل ہی نہیں ہے۔" احمر نے الٹا اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ کچھ نروس سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے لاتی ہوں۔"

"بوا آ گئیں نی، تم بیٹھو۔" احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا تھا کہ اسی وقت بوا چائے لے کر آ گئیں۔ احمر نے فوراً ٹیبل پر سے ٹانگیں ہٹا لیں اور بوا کے ہاتھ سے ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"تیسرا کپ کس کے لیے ہے۔ بوا! آپ بھی پئیں گی؟"
"نہیں۔ میں تو صبا کے لیے لائی تھی۔" بوا نے صباحت کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔
"صبا نیچے ہے اماں جی کے پاس۔ چلیں آپ پی لیں۔ اس کے آنے تک تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔"
مدیحہ نے ایک کپ اٹھا کر بوا کو تھما دیا اور ان کے جانے کے بعد اپنا کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔
"ایک بات پوچھوں احمر! سچ سچ بتائیں گے؟"
"ہوں۔" احمر چائے کا کپ لے کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
"آپ نے صبا کا انتخاب کیوں نہیں کیا؟ میرا مطلب ہے سب لوگ اسے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ جی اور سونیا بھی اسی کے گن گاتی ہیں۔ حالانکہ ہماری شکلیں ایک جیسی ہیں لیکن اسے زیادہ پیار کیا جاتا ہے اور آپ نے اس کے بجائے ......" اسے شاید شروع سے یہ بات کھٹک رہی تھی اور اب پوچھتے ہوئے جھجک بھی رہی تھی۔
"تمہاری بات ٹھیک ہے۔" احمر اس کا مطلب سمجھ کر خاصے شگفتہ انداز میں گویا ہوا۔ "یعنی تمہاری نسبت سب صبا سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی عادات ہیں۔ صلح جو، فرمانبردار، اور چھوٹے بڑے کا لحاظ کرنے والی۔ دوسری بڑی وجہ اس کا ہر ایک پر جان چھڑکنا ہے۔ بالکل نبیل بھائی کی طرح اس کے باوجود شادی کے لیے اس کا انتخاب میں تو کیا اس خاندان کا کوئی لڑکا بھی نہیں کر سکتا۔"
"کیوں؟" اس کے چہرے پر قدرے الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔
"اس لیے کہ اس کے اندر ہم سب کے لیے محبت کا ایک ہی رنگ ہے۔ کچھ مشفق سا۔ کبھی وہ بالکل چھوٹی سی بچی لگتی ہے اور کبھی ہماری آپا جان بن جاتی ہے۔ تو بدلے میں ہمارے دلوں میں اس کے لیے ایسا ہی پیار اٹھتا ہے۔ اس سے ہٹ کر اس کے بارے میں کچھ اور نہیں سوچا جا سکتا۔ کم از کم میں اور عمر بھی نہیں سوچ سکتے۔ ہمارے لیے وہ بالکل ڈوبی کی طرح ہے۔"
احمر نے پوری ایمان داری سے وضاحت کر کے اسے دیکھا تو اس نے گہری سانس کے ساتھ کندھے اچکانے پر اکتفا کیا پھر اٹھ کر گرل کے پاس جا کھڑی ہوئی اور نیچے جھانکنے لگی۔
"سنو، نبیل بھائی کب تک آئیں گے؟" احمر نے اسے متوجہ کر کے پوچھا۔
"پتا نہیں صبا سے پوچھ لیں، شاید اسے بتا کر گئے ہوں۔" اس نے کہا پھر آگے آ کر ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔
"صبا کی آواز آ رہی ہے میرا خیال ہے، کچن میں بوا سے بات کر رہی ہے۔ میں بھیجتی ہوں اسے۔"
"نہیں۔ میں بھی چل رہا ہوں۔" احمر اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔
صبا کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ مدیحہ کے ساتھ احمر کو دیکھ کر پہلے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں پھر قدرے رعب سے پوچھنے لگی۔
"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"
"کیوں۔ میرے یہاں آنے پر پابندی ہے یا مدیحہ سے بات کرنے پر؟" احمر نے اس کی چوٹی کھینچتے ہوئے کہا۔



"نہیں تیمی، پابندی تو کسی بات پر نہیں ہے البتہ مجھے بتا کر آیا کریں کہ کہاں جا رہے ہیں۔ مائی جی اس وقت سے مسلسل ایک ہی جملہ بول رہی ہیں کہ احمر کو ابھی تو میں نے یہیں دیکھا تھا کہاں گیا؟" صباحت نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"اسی جگہ بس۔ ان کے سامنے تو میں سیڑھیاں چڑھا تھا۔ خیر یہ بتاؤ نبیل بھائی کب آئیں گے؟"
"وہ تو دیر سے آنے کا کہہ کر گئے تھے لیکن میں ابھی فون کر رہی ہوں انہیں کہ جلدی آئیں۔ آپ کو بھی کوئی کام ہے ان سے ......؟" صباحت کی بات سن کر مدیحہ اس سے پوچھنے لگی۔
"تمہیں کیا کام ہے؟"
"کام تو نہیں بس ......" صباحت نے اسی قدر کہا تھا کہ احمر عجلت میں بولا۔
"ٹھیک ہے، تم انہیں فون کرو تو کہنا میں انتظار کر رہا ہوں۔"
"اچھی بات ہے۔" صباحت جانے کس بات پر خوش ہو رہی تھی۔ احمر کو جاتے ہوئے دیکھا پھر لاؤنج میں
"پہلے آپ کے فلیٹ کے نمبر ڈائل کیے تو دوسری طرف مسز [illegible] نے ریسیور اٹھایا تھا۔
"مسز [illegible] میں صبا ہوں۔ ممی سے کہیں دو منٹ میری بات سن لیں۔" چند لمحوں بعد آسیہ کی آواز آئی تھی۔
"ہاں صبا! کیا بات ہے بیٹا؟"
"ممی بڑے زور!" وہ خوشی سے چہکتی آواز میں بولی۔ "ابھی نبیل بھائی کا اپائنٹمنٹ لیٹر آیا ہے۔ اتفاق سے میں نے ریسیو کیا ہے اور ابھی کسی کو نہیں بتایا۔ میں نبیل بھائی کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔ سب کے سامنے اور کیک کے ساتھ۔ لیکن ممّا! وہ آ رہے ہیں ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں کیک وغیرہ کہاں سے منگواؤں؟"
"تو تمہیں پیسے چاہئیں؟" آسیہ نے اس کی ساری بات سن کر پوچھا۔
"جی!"
"ایسا کرو، میری الماری سے لے لو۔ چابی کارنر کے دراز میں ہوگی اور سنو اپنی مرضی کی چیزیں مت منگوا لینا، اعتدال کا انتظام کرنا۔"
آسیہ نے مصروفیت کی وجہ سے بہت عجلت میں بات ختم کر کے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے نبیل بھائی کے گھر فون کر کے نبیل بھائی کو فوراً آنے کو کہا۔ وہ پوچھتے رہ گئے۔ "خیریت ... خیریت ...؟"
"سب خیریت ہے۔ بس آپ آ جائیں۔" اس نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور وہیں سے مدیحہ کو پکارا تو اس کی آواز کمرے سے آئی تھی۔
"میں یہاں ہوں۔"
"سنو مدیحہ!" وہ کمرے میں آ کر اس سے بولی۔ "ہم ایک پارٹی ارینج کر رہے ہیں۔"
"ہم کون؟" مدیحہ نے وارڈ روب بند کر کے اسے دیکھا۔
"میں اور تم۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گی کیونکہ تم اسی وقت سب میں ڈھنڈورا پیٹ دو گی جبکہ میں سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تو مدیحہ تنک کر بولی۔
"پھر تم مجھے اپنے ساتھ کیوں شامل کر رہی ہو۔ اکیلی ارینجمنٹ کرو۔"
"اوہو تم بہت جلدی برا مان جاتی ہو۔ اچھا میں تمہیں بتاؤں گی پہلے نیچے جا کر سب سے کہہ آؤ کہ سب اوپر آ جائیں۔ میں جب تک پیسے نکال لوں۔" اس نے فوراً ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور جانے لگی کہ مدیحہ

نے روک کر پوچھا۔

"سنو، کیا کھانے کا انتظام کرو گی؟"

"نہیں کھانا تو سب جلدی کھا لیتے ہیں نو بجے۔ ہم چائے کے ساتھ کچھ لوازمات رکھیں گے کیک، رول وغیرہ۔ بس تم جلدی سے کہہ آؤ پھر ان چیزوں کی لسٹ بنا کر بوا سے منگوا لیں گے۔"

وہ کھنچی ہوئی مدیحہ کے ساتھ کمرے سے نکلی تو اسے بھیج کر خود آسیہ کے کمرے میں آ گئی اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے چابی نکال کر الماری کھول لی۔ آسیہ کی الماری کھولنے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا البتہ اس کی سیف میں وہ پہلی بار ہاتھ ڈال رہی تھی۔ ایک طرف زیورات کے مخملیں ڈبے ایک دوسرے کے اوپر رکھے تھے۔ دوسری طرف سیاہ چرمی بیگ جیسے ہی اس نے سیف کے اندر کھول کر ایک پانچ سو کا نوٹ نکالا تھا کہ اس کے ساتھ ایک تصویر بھی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ جس پر نظر پڑتے ہی اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ فوراً تصویر دوپٹے میں چھپائی اور الماری بند کر کے کچھ بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکلی تو آگے نبیل سے ٹکرا گئی۔

"خیال سے" نبیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر غالباً خود کو سہارا دیا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔ اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"ک... کچھ نہیں۔ میں مما کے کمرے میں پیسے لینے گئی تھی۔ خود انہوں نے کہا تھا اصل میں۔" گھبراہٹ میں وہ ہکلانے لگی۔

"ایک منٹ۔ میرے ساتھ آؤ۔" نبیل اسے ٹوک کر اپنے کمرے میں لے گئے۔ اور بٹھانے کے بعد نرمی سے بولے۔ "تم نے کبھی مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی نہ کبھی جھوٹ بولا۔"

"میں ابھی بھی نہیں چھپا رہی۔ بس یہ......" اس نے فوراً دوپٹے میں سے نکال کر تصویر نبیل کے سامنے کر دی۔ "میں نے جان بوجھ کر نہیں نکالی۔ روپے لیتے ہوئے یہ خود بخود میرے ہاتھ میں آ گئی تھی۔"

نبیل کی نظریں تصویر پر تھیں۔ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بولے نہ ہی اسے دیکھا تو وہ جانے کیا سمجھی۔

"میرا یقین کریں نبیل بھائی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مما کی اجازت سے میں نے ان کی الماری کھولی تھی پھر پیسے لیتے ہوئے یہ۔"

نبیل نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا تو اس نے سر جھکا لیا پھر قدرے توقف سے انہیں پکار کر اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"نبیل بھائی! یہ مما کے ساتھ پاپا ہیں ناں؟"

"ہوں۔" نبیل چونکے پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر بولے۔ "جاؤ یہ جہاں سے اٹھائی ہے اسے وہیں رکھ آؤ۔ ورنہ اگر پھپھو کو معلوم ہو گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گی۔"

"پہلے مدو کو دکھا دوں پھر رکھ دوں گی۔" اس نے کہا تو نبیل نے اس کے ہاتھ سے تصویر جھپٹ لی۔

"نہیں صبا! مدو کو دکھانے کی غلطی نہیں کرنا۔ تم جانتی ہو اسے۔ سارے شہر میں اس شخص کو تلاش کرتی پھرے گی۔ اس کے اندر عجیب سی ضد ہے۔ جس بات کو منع کرو، وہ ضرور کرے گی اور تم بھی بھول جاؤ کہ تم نے کوئی تصویر دیکھی ہے۔" نبیل کے قدرے سخت لہجے پر وہ سر جھکا کر بولی۔



"آپ کیا سمجھتے ہیں میرے اندر انہیں دیکھنے، ان سے ملنے کی خواہش نہیں ہو گی۔"

"ضرور ہو گی۔ لیکن میں جانتا ہوں، تم پھپھو کو دکھ دینے والی کوئی بات نہیں کرو گی۔ یا کر سکتی ہو؟"

نبیل نے اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"گڈ! تم اچھی لڑکی ہو۔" نبیل مطمئن ہو کر مسکرائے۔

"میں اسے وہیں رکھ دوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں شاباش جلدی کرو۔" نبیل نے تصویر اسے تھمائی تھی کہ مدیحہ کی آواز آنے لگی۔

"صبا! صبا! میں نے سب سے کہہ دیا ہے اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔ کہاں ہو تم؟" مدیحہ غالباً اپنے کمرے میں جھانکنے کے بعد اب اسی طرف آ رہی تھی۔

صباحت نے گھبرا کر پہلے اپنے ہاتھ میں تصویر اور پھر نبیل کو دیکھا تھا۔

"بے وقوف لڑکی!" نبیل نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر اپنے تکیے کے نیچے کھسکا دی پھر اٹھ کر اس کے سامنے یوں کھڑے ہو گئے کہ اگلے پل مدیحہ دروازے میں آئی تو اسے وہ نظر نہیں آئی۔

"ہائیں! صبا یہاں بھی نہیں ہے۔" مدیحہ نے حیرت سے اپنے آپ سے کہا۔ "کہاں چلی گئی۔"

"نہیں ہے۔ تم ٹھیک سے دیکھو تو نظر آئے۔" نبیل غیر محسوس طریقے سے اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولے۔

"مجھ سے کچھ نہیں ہو گا صبا! تمہیں مجھے ابھی بتانا پڑے گا ورنہ میں سارا پروگرام خراب کر دوں گی۔" مدیحہ یہی سمجھی کہ وہ پارٹی کا سبب بتانے سے گریز کر رہی ہے۔

"کیسا پروگرام؟" نبیل نے پوچھا تو صباحت فوراً ان کے پیچھے سے نکل کر مدیحہ کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے بولی۔

"پروگرام یہ ہے نبیل بھائی! کہ رات نو بجے میں اور مدو آپ کو زبردست سرپرائز دیں گے۔ چلو مدو۔" اس کے ساتھ ہی وہ مدیحہ کو کھینچتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

نو بجے میمونہ بھابھی اپنی چاروں اولادوں کے ساتھ اوپر آ گئیں۔ ابا جی بھی ان کے ساتھ تھے البتہ اماں جی گھٹنوں میں تکلیف کے باعث سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی تھیں اور خلیل بھائی نے اسے بچوں کی گیدرنگ سمجھ کر آنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بہرحال جو آئے تھے، وہ خاصے متجسس تھے اور اپنے اپنے طور پر قیاس بھی کر رہے تھے۔

"میں سمجھ گیا۔ کسی کا برتھ ڈے ہے۔" عمر نے ٹیبل پر رکھے کیک کو دیکھ کر یقین سے کہا۔

"نہیں۔ برتھ ڈے کا پہلے سے باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے تاکہ آنے والے خالی ہاتھ نہ آئیں۔" احمر نے عمر کی بات رد کر دی۔

"بس اب تم لوگ خاموش رہو۔ آسیہ کو بولنے دو۔" میمونہ بھابھی نے سب کو خاموش کرا کے آسیہ کو دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"میں کیا بولوں۔ جنہیں سرپرائز دینے کا شوق تھا، وہی بتائیں گی۔ مدو، صبا! بتاؤ ناں؟"

"جی مما!" صباحت نے مدیحہ کو دیکھا اور اس کے اشارے پر کہنے لگی۔ "اصل سرپرائز نبیل بھائی کے لیے ہے اور وہ یہ کہ انہیں کالج میں لیکچرار کی جاب مل گئی ہے۔ یہ رہا نبیل بھائی آپ کا اپائنٹمنٹ لیٹر۔"

"ہپی ہپی ہرے۔ مبارک ہو نبیل بھائی!" سب نے تالیاں بجا کر نبیل کو مبارک باد دی۔

"مبارک ہو بیٹا!" اباجی نے نبیل کا کندھا تھپکا تو وہ جھک کر ان کے پاؤں چھو کر بولے۔

"آپ کی دعائیں ہیں اباجی!" پھر آگے بڑھ کر آسیہ کے سامنے جھکے تو اس نے پیشانی چوم لی۔

مدیحہ اور صباحت نے جلدی جلدی تین پلیٹیں سجا کر اباجی، آسیہ اور میمونہ بھابھی کو تھما دیں اور باقی سب کو اپنی مدد آپ کا کہہ دیا۔

پھر اباجی جلدی اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد آسیہ بھی میمونہ بھابھی کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو محفل کا رنگ یک دم بدل گیا۔ متانت اور سنجیدگی کی جگہ قہقہوں نے لے لی تھی۔

"ویسے یہ زیادتی ہے تمہاری اور عدیل چاچو۔ ہاں سے بھی سب کو بلانا چاہیے تھا۔" سونیا نے کیک کھاتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی میں تو یہ نہیں ہو سکتا تھا خیر پھر کسی دن ان کے لیے بھی کوئی پروگرام رکھ لیں گے۔" صباحت نے کٹلوں کی پلیٹ درمیان میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اس پروگرام میں ایک نئی خوش خبری ہونی چاہیے۔ یعنی نبیل بھائی نے ایک عدد لڑکی پسند کر لی۔" عمر نے شرارت سے نبیل کو دیکھا لیکن انہوں نے سنجیدگی سے ڈانٹ دیا۔

"فضول بکواس نہیں کرو۔"

"یہ فضول بکواس نہیں ہے نبیل بھائی! عمر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پتا ہے اماں جی ہر وقت کیا دعا کرتی ہیں؟" صباحت عمر کی تائید میں بولنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بس میں نے سب سن لیا ہے اب تم لوگ چاہو تو محفل جمائے رکھو میں سونے جا رہا ہوں کیونکہ صبح جلدی اٹھنا ہے۔"

"آپ کے بغیر محفل کیا جمے گی ہم بھی چلتے ہیں۔" عمر بھی اٹھ گیا تو باقی سب نے اس کی تقلید کی۔



مدیحہ اور صباحت امتحانوں سے فارغ ہوئیں تو دونوں کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ صباحت تو گھر کے کام کاج میں دلچسپی لیتی تھی۔ اسے کچھ مطالعے کا شوق بھی تھا۔ کبھی نبیل بھائی کوئی کتاب لا دیتے کبھی وہ عمر سے منگوا لیتی۔ اس لیے وہ زیادہ بور بھی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن مدیحہ کو ایسا کوئی شوق نہیں تھا گھر کے کام کاج تو وہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے کمرے کی صفائی بھی اس سے نہیں ہوتی تھی، البتہ کہیں جانے کی بات ہوتی تو وہ سب سے پہلے تیار ہوتی تھی۔ لیکن ان دنوں کہیں جانے کا بھی کوئی پروگرام نہیں بن سکتا تھا کیونکہ عمر اور احمد دونوں کے امتحان قریب تھے۔ وہ بیٹھے بیٹھے جا کر بھی بور ہوتی تھی اس روز ناشتے کی ٹیبل پر وہ آسیہ سے کہنے لگی۔

"مما! آپ مجھے کچھ دنوں کے لیے خلیل ماموں کے پاس اسلام آباد بھیج دیں۔"

"کیوں؟" آسیہ نے ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کا یہ اچانک پروگرام اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

"چھٹیاں ہیں مما اور مجھے اسلام آباد دیکھنے کا شوق ہے۔" اس نے کہہ کر صباحت کو دیکھا کہ شاید وہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائے گی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

"چھٹیاں ہیں تو یہ گھر داری سیکھو اور جہاں تک شوق کی بات ہے تو سمیہ کی شادی پر لے چلوں گی



پھر گھوم پھر اسلام آباد۔"

آسیہ نے اس کی بات مانی نہیں تو رد بھی نہیں کی اور اس کی اس حکمت عملی پر وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"سمیہ جی کی شادی پتا نہیں کب ہو گی اور اس وقت مما! ہماری چھٹیاں بھی نہیں ہوں گی۔ آپ دو دن میں مجھے واپس لے آئیں گی۔"

"تو تم کتنے دن رہنا چاہتی ہو وہاں؟" آسیہ نے پیشانی سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"کم از کم دس دن۔" وہ آسیہ کی پیشانی کا بل نہیں دیکھ رہی تھی، جب ہی بڑے آرام سے بولی۔

صباحت نے بوکھلا کر آسیہ کو دیکھا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم بھی جانا چاہتی ہو؟"

"جی مما! ہم دونوں جائیں گے۔" صباحت سے پہلے مدیحہ بول پڑی۔

"تم خاموش رہو۔ میں صبا سے پوچھ رہی ہوں۔ کیوں صبا؟" آسیہ نے مدیحہ کو ٹوک کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"نہیں مما۔ میں آپ کے ساتھ سمیہ جی کی شادی میں جاؤں گی۔"

"ہاں یہی مناسب ہے، ہم سب سمیہ کی شادی میں چلیں گے۔" آسیہ حتمی انداز میں ایک طرح سے مدیحہ کو باور کرا کے اٹھ کھڑی ہوئی اور پیچھے ہی کمرے سے نکلی مدیحہ صباحت پر بگڑ گئی۔

"تمہیں میری بات سے اختلاف کرنا ضروری تھا۔ جانے کی ہامی بھر لیتیں تو کیا ہو جاتا؟ آرام سے اسلام آباد گھوم آتے۔"

"ہاں، میرے کہنے سے تو مما جیسے بھیج دیتیں ہمیں۔"

"بالکل بھیج دیتیں۔ انہوں نے تم سے پوچھا ہی اس لیے تھا۔ میری بات تو وہ کبھی مانتی ہی نہیں۔ تمہاری مانتی ہیں یا نبیل بھائی کی۔ تم دونوں ان کی سگی اولاد ہو نا، میں تو بس۔۔۔"

مدیحہ غصے میں جو منہ میں آیا کہے جا رہی تھی کہ نبیل ٹوک کر بولے۔

"مدیحہ! کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ پھوپھو نے کہا تو ہے سمیہ کی شادی میں لے چلیں گی۔"

"آپ ہی جائیے گا شادی میں، میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ خاصے جارحانہ انداز میں کرسی دھکیلتی کھڑی ہوئی اور کمرے سے نکل گئی تو صباحت برتن سمیٹتی ہوئی بولی۔

"آج سارا دن میری شامت آتی رہے گی کوئی ایسا طریقہ بتائیں نبیل بھائی! جو اس کا موڈ جلد ٹھیک ہو جائے۔"

"بس اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔" نبیل کو کالج سے دیر ہو رہی تھی اس لیے اختصار سے کام لیتے اٹھ گئے۔

صباحت نے برتن لے جا کر کچن میں رکھے پھر بوا کے کہنے پر آسیہ سے دوپہر کے کھانے کی بابت پوچھنے اس کے کمرے میں آئی تھی کہ اس کے پیچھے میمونہ بھابھی پکارتی ہوئی آ گئیں۔

"آیئے بھابھی!" آسیہ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ عجلت میں بولیں۔

"بیٹھنے نہیں آئی۔ یہ پوچھنے آئی ہوں کہ مدو اور صباحت کیا کر رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں مامی جی! آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں۔" صباحت نے فوراً متوجہ ہو کر کہا۔

"وہ ثوبیہ کو کالج جانا ہے فارم جمع کروانے۔ سونیا کو رات سے کچھ حرارت ہے۔ اگر تم یا مدحہ ثوبیہ کے ساتھ چلی جاؤ تو... اکیلی جاتے ہوئے وہ گھبرا رہی ہے۔" میمونہ بھابھی نے کہا تو آپیہ ان سے بولی۔

"تم چلی جاؤ صبا! اور بھابھی سونیا کا آپ نے مجھے رات میں کیوں نہیں بتایا۔ چلیں، میں دیکھتی ہوں اسے۔" آپیہ اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر میمونہ بھابھی کے ساتھ نیچے چلی گئی۔

صباحت کو تیار ہونے میں پندرہ منٹ لگے۔ اس دوران وہ اپنے آپ بولی مدحہ کو سناتی رہی کہ وہ ثوبیہ کے ساتھ کالج جا رہی ہے۔ اس کا خیال تھا شاید بوریت سے نکلنے کی خاطر وہ بھی ساتھ چلنے کو کہے گی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ تب وہ اسے خدا حافظ کہہ کر نیچے آئی تو ثوبیہ تیار کھڑی تھی وہیں سے اونچی آواز میں اپنے جانے کا بتا کر دونوں باہر نکل آئیں۔

ثوبیہ کے لیے کالج نیا تھا لیکن وہ یہاں دو سال مکمل کر چکی تھی، اس لیے لان میں کھڑے ہونے کے بجائے سیدھی آفس میں چلی گئی اور ثوبیہ کی فیس کے ساتھ فارم جمع کروا کر جلدی فارغ ہو گئی تو ثوبیہ کہنے لگی۔

"اب مجھے میری کلاسز بھی دکھا دو تا کہ میں فول بننے سے بچ جاؤں۔"

"ہاں چلو۔ کلاسز کے ساتھ لائبریری اور کینٹین بھی دکھا دیتی ہوں۔" وہ کلاسز کا رخ کرتی ہوئی بولی۔

"ویسے ایک ڈیڑھ مہینے کی بات ہے ہمارا رزلٹ آ جائے گا تو پھر ہم ساتھ ہی آئیں گی۔"

"لیکن مدحہ تو کہہ رہی تھی، وہ آنرز کرے گی اور اب یونیورسٹی جائے گی۔" ثوبیہ نے کہا تو اسے حیرت ہوئی کیونکہ مدحہ نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اور وہ اپنی حیرت چھپا بھی نہیں سکی۔

"اچھا۔ مدحو نے مجھے تو نہیں بتایا۔"

"رات ہی تو بات ہو رہی تھی تم اس وقت اوپر تھیں۔ زبردست بحث ہوئی تھی مدحو اور احمر بھائی میں۔"

"کس بات پر؟" وہ قدرے الجھ گئی۔

"اسی بات پر۔ مدحو کہہ رہی تھی آنرز کرے گی اور احمر بھائی کا کہنا تھا کہ تمہیں اسی کالج میں گریجویشن کرنا ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکا۔ آخر میں مدحو یہ کہتی ہوئی بھاگ گئی کہ میری مرضی میں جو بھی کروں۔"

ثوبیہ اپنے سادہ سے انداز میں بول رہی تھی۔ اس نے زیادہ اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا اور قصداً بات بدل کر اس کا دھیان بھی بٹا دیا تھا۔

پھر کلاسز وغیرہ دیکھنے میں انہیں کچھ دیر لگی، اس کے بعد کینٹین سے کولڈ ڈرنکس پی کر دونوں کالج سے نکلیں تو باہر کی فضا کچھ دھندلائی ہوئی تھی۔ پہلے دونوں نے غور نہیں کیا لیکن اسٹاپ تک آتے آتے ان کی حالت غیر ہو گئی، کھانسی کے ساتھ آنکھوں سے روانی سے آنسو بہہ نکلے۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے۔" ثوبیہ نے اپنی آنکھیں رگڑ کر اسے دیکھا۔

"لگتا ہے یہاں آنسو گیس استعمال ہوئی ہے یقیناً کوئی گڑبڑ ہوگی۔ ٹریفک بھی برائے نام ہے، دیکھو کوئی رکشہ مل جائے تو۔" وہ گھبرا کر چاروں طرف نظریں دوڑاتی ہوئی بولی۔

"اف۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" ثوبیہ اس کی بات سن کر واقعی ڈر گئی۔ "گھر کیسے جائیں گے۔ کوئی رکشہ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ دیکھو ایک بس آ رہی ہے فوراً چڑھنے کی کرنا۔"



اس نے بے تحاشا بہتے آنسوؤں کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے کہا اور جیسے ہی بس آ کر رکی ادھر ادھر سے لڑکیاں بھاگ کر ایک دوسرے کو دھکیلنے لگیں، اور اس دھکم پیل میں وہ ثوبیہ کو سوار کرانے میں کامیاب ہو گئی لیکن خود وہیں رہ گئی اس کے ساتھ اور بھی بہت سی لڑکیاں رہ گئی تھیں لیکن اس کی پریشانی الگ تھی کہ ثوبیہ اکیلی گھر پہنچ گئی تو اس کے لیے سب پریشان ہو جائیں گے۔ پھر ایک دم اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ثوبیہ اگلے اسٹاپ پر اتر جائے اور اس خیال کے آتے ہی وہ تیز تیز چلنے لگی۔ ابھی اگلا اسٹاپ کافی دور تھا کہ ایک گاڑی اس کے بالکل قریب آ کر رکی۔

وہ اچھل کر پیچھے ہٹی اور آنکھیں رگڑ رگڑ کر گاڑی سے دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ فوراً ہی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

"سوری مس۔" شیشہ گرنے کے ساتھ اسے مردانہ آواز سنائی دی۔ "میرا مقصد آپ کو ہراساں کرنا نہیں تھا بلکہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آگے راستہ صاف نہیں ہے۔ آپ اس طرف نہیں جائیں۔"

"لیکن مجھے ادھر ہی جانا ہے۔" آنسو تو یوں بھی بہہ رہے تھے، اس کی آواز بھی بھرا گئی۔

"آئیے، میں آپ کو دوسرے راستے سے چھوڑ دوں گا۔" وہ جو کوئی بھی تھا، اچانک دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ جب ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا ورنہ رکا محض اطلاع دینے کے لیے تھا کہ آگے جانا خطرناک ہے۔

"نو تھینکس۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ مسلسل آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"نہیں جا سکیں گی۔" وہ یقین سے بولا۔

وہ ان سنی کر کے کسی سواری کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔

"احتیاط اچھی چیز ہے لیکن اس وقت اگر آپ مجھ پر اعتماد کر لیں تو اس پریشانی سے نکل سکتی ہیں۔ آئیے پلیز۔"

اس کے اصرار پر اس نے پہلی بار بغور اسے دیکھا۔ گرے سوٹ میں اس کی شخصیت قدرے مانوس سی لگی۔

"آپ راستے میں جہاں کہیں گی، میں آپ کو وہیں اتار دوں گا آئیے۔" اس نے مزید اصرار سے کہا تو اس نے ایک آخری کوشش کے طور پر سواری کے لیے ادھر ادھر دیکھا پھر مایوس ہو کر بیٹھ گئی۔

اس نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی جیسے اندیشہ ہو کہ وہ اتر جائے گی۔ پھر مڑ کر اسے دیکھا تو لگا جیسے سیاہ پلکوں سے آبشار بہہ نکلی ہو جس کی روانی اسے بھی بہائے لے جا رہی تھی۔

"یہاں کیا ہوا تھا؟" وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ اس نے چونک کر پہلے رومال اس کی طرف بڑھایا پھر بتانے لگا۔

"ایک تیز رفتار ویگن اوور ٹیک کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی تھی اور ایک بچے کو کچل دیا۔ لوگ مشتعل ہو کر ویگن کو گھیرے ہوئے تھے، کسی نے فوراً پولیس موبائل بلوالی۔ پھر ظاہر ہے، مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے پولیس نے آنسو گیس استعمال کی ہوگی۔"

"اور...... اور وہ بچہ۔" وہ جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونے کو تیار تھی۔ جس کی وجہ سے اسے مبالغے سے کام لینا پڑا۔

"اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔" پھر فوراً اس کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھا۔ "آپ

کالج سے آ رہی تھیں؟"

صباحت نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"کون سے ائیر میں ہیں؟" قدرے توقف سے پھر سوال ہوا۔

"سیکنڈ ائیر کا ایگزام دیا ہے۔" وہ بے زار سے لہجے میں بولی۔ اصل میں آنکھوں میں ہونے والی چبھن سے پریشان تھی۔

"رہائش کہاں ہے آپ کی؟ آئی مین میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں؟" وہ غالباً اس کی بے زاری محسوس کر گیا۔

"یہاں سے بائیں طرف۔" اس نے راستے پر نظر ڈالنے کے بعد کہا پھر آسیہ کے کلینک کے سامنے گاڑی رکوا کر بولی۔ "یہاں سے میں چلی جاؤں گی۔"

"ایز یو لائیک۔" وہ اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا لیکن اس نے جواباً ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور سہولت سے دروازہ کھول کر ایک پیر باہر نکالا تھا کہ اس نے روک دیا۔

"ایک منٹ۔"

وہ اس کی طرف گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے علی کہتے ہیں۔ علی جہانگیر آپ؟" اس کے لہجے کی بے قراری ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس سے دوبارہ سہ بارہ بلکہ بار بار ملنا چاہتا ہے۔

"صباحت!" چند لمحوں کے توقف سے اس کے ہونٹوں نے جنبش کی تھی۔

علی جہانگیر کی نظریں اس کی سرخ آنکھوں سے ہوتی ہوئی سیاہ تل پر جا ٹھہریں، جس سے وہ کچھ نروس ہو کر فوراً اتر گئی اور شکریہ کہے بغیر کلینک کا گیٹ پار کر آئی۔

آسیہ کے پاس پیشنٹ موجود تھی۔ وہ گلاس وال سے دیکھ کر وہیں رک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی، کچھ دیر بعد جیسے ہی خاتون باہر نکلی اس نے فوراً اندر داخل ہو کر پکارا تھا۔

"ممّا!"

"تم!" آسیہ اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ "کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"وہ ممّا! راستے میں کچھ ہنگامہ تھا۔ پولیس نے آنسو گیس پھینکی۔ میری آنکھوں میں بہت جلن ہو رہی ہے۔" اس نے بتایا۔

"چلو ادھر چلو۔" آسیہ سسٹر کو اشارہ کرتی ہوئی اسے لے کر دوسرے کمرے میں آئی اور بیڈ پر لٹا کر اس کی آنکھیں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "تم یہاں کیسے آئیں اور وہ ثوبیہ بھی تو تمہارے ساتھ تھی؟"

"جی ممّا! آپ پہلے گھر فون کر کے معلوم کریں ثوبیہ پہنچی کہ نہیں۔ وہ بس میں چڑھ گئی تھی مجھے جگہ نہیں ملی۔ پھر اور کوئی بس آئی ہی نہیں، میں..." وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"سسٹر! اس کی آنکھیں دھو کر یہ ڈراپس ڈالو۔ اور بیٹا! آپ آرام سے لیٹو۔ میں فارغ ہو جاؤں پھر ساتھ چلیں گے۔" آسیہ نے سسٹر کو ڈراپس تھما کر اس سے کہا۔

"اور ممّا ثوبیہ!" اسے اب ثوبیہ کی فکر ستا رہی تھی۔

"ڈونٹ وری۔ میں معلوم کرتی ہوں۔" آسیہ اس کا گال تھپک کر کمرے سے نکل گئی تو سسٹر پانی میں



بھاگتی ہوئی اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔



جب تک آسیہ کا فون نہیں آ گیا میمونہ بھابھی جلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی رہیں کیونکہ اس وقت احمر اور عمر میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا اور وہ پریشان تھیں کہ صباحت کے پیچھے کسے دوڑائیں۔ ثوبیہ نے بس اتنا بتایا تھا کہ وہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک بند ہو گئی ہے۔ قسمت سے ایک بس آئی جس میں صباحت نے اسے تو سوار کرا دیا لیکن خود رہ گئی۔ اور ہنگامے کا سن کر ہی میمونہ بھابھی کے ہوش اڑ گئے تھے۔ سونیا کی تسلیوں کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ ایک گھنٹہ حقیقتاً ان پر بہت بھاری گزرا تھا جب آسیہ کا فون آیا اور اس نے ثوبیہ کی خیریت معلوم کرنے کے ساتھ صباحت کی اپنے پاس موجودگی کا اطمینان دلایا تب ان کی جان میں جان آئی۔ شکر کرتی ہوئی سونیا کے پاس آ کر بیٹھی تھیں کہ مدیحہ آ کر پوچھنے لگی۔

"مامی جی! ابھی تک صبا اور ثوبیہ کالج سے نہیں لوٹیں؟"

"ثوبیہ آ گئی ہے اور صبا وہاں سے پھپھو کے پاس چلی گئی۔" سونیا نے کہا پھر فوراً اسے ساری صورت حال بتائی تو وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"صبا ایسی ہی پاگل ہے۔ مجبوری ہے جو وہ ممّا کے پاس پہنچ گئی۔"

"ایسے حالات میں تم کیا کرتیں۔" سونیا نے پوچھا۔

مدیحہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ اصل میں اس کا موڈ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا شاید اس لیے کہ صبح سے اکیلی پڑی ہوئی تھی۔

"چلیں امی! اب آپ کھانا کھا لیں۔ میرا خیال ہے صبا کے انتظار میں مدیحہ نے بھی نہیں کھایا، ہے ناں مدیحہ! چلو تم بھی امی کے ساتھ کھا لو، عمر اور احمر بھائی تو پتا نہیں کب آئیں گے۔" سونیا نے کہا تو وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔"

"کیوں، کھانے کا وقت ہے۔ بھوک کیوں نہیں ہے۔ بیٹھو، میں یہیں لے کر آتی ہوں۔" میمونہ بھابھی نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"نہیں مامی جی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ آپ کھائیں پلیز۔" وہ قدرے عاجزی سے منع کرتی سونیا کے کمرے سے نکل آئی۔

نبیل سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ ان کے پیچھے ایک ایک سیڑھی پر جیسے سوچ سوچ کر پاؤں رکھنے لگی۔ معاً نبیل کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو پلٹ کر دیکھا اور فوراً ایک طرف ہٹ کر اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا لیکن خلاف عادت اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔

"کیا بات ہے کچھ ناراض ہو؟" نبیل کو اچنبھا ہوا۔

"میری ناراضگی کی کسی کو کیا پروا؟" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"کسی کو ہو نہ ہو مجھے۔" نبیل نے ایک اسٹیپ نیچے آ کر اس کا بازو تھاما اور اپنے ساتھ ساتھ اسے لے کر چلتے ہوئے کہنے لگے۔ "تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ تمہارے منہ سے بات نکلے اور فوراً پوری کر دی جائے؟ دوسرے کی مجبوری بھی سمجھا کرو۔"

"ممّا کو کوئی مجبوری نہیں ہے۔" وہ فوراً بولی۔

"مجبوری صرف پیسے کی نہیں ہوتی اور بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔" وہ اب آنگن کی دھوپ سے برآمدے کی چھاؤں میں آ گئے تھے۔ "تمہیں سمجھنا چاہیے۔ اب تم چھوٹی بچی نہیں ہو۔ تمہیں کہیں بھیجنے سے پہلے پھوپھو کو سو بار سوچنا پڑے گا، اس کے بعد بھی شاید ہی ان کا دل آمادہ ہو۔"

"صرف میرے لیے ان کا دل تنگ ہے اور بس۔" وہ صبح سے یہی سوچتی رہی تھی اور حد درجہ شاکی تھی۔

"نہیں، نہیں ایسا مت کہو۔ وہ تمہیں بہت چاہتی ہیں، صبا سے بھی زیادہ۔" انہوں نے بہت نرمی سے اس کے دل پر چھائی کدورت صاف کرنے کی سعی کی لیکن وہ نخوت سے سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"بے وقوف!" جمیل نے زیر لب کہا، تب ہی بوا آ کر پوچھنے لگیں۔

"میاں! تمہارے لیے کھانا لگا دوں؟"

"کھانا، نہیں بوا! تھوڑا انتظار کر لیتا ہوں۔ پھوپھو آنے والی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" وہ گھڑی دیکھ کر بولے تھے۔

"آج تو بچیوں نے بھی نہیں کھایا۔" بوا نے کہا۔

"کیوں، صبا کہاں ہے؟" انہیں اب تک صباحت کا خیال آیا۔

"وہ صبح سے گئی ہوئی ہے اور شاید اسی کے انتظار میں مدحو بھی اب تک بھوکی بیٹھی ہے۔" بوا نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا۔

"صبا کہاں۔" آسیہ اور صباحت کو آتے دیکھ کر سوال ان کے ہونٹوں میں رہ گیا۔

"السلام علیکم جمیل بھائی! آپ بھی ابھی آ رہے ہیں؟" صباحت نے قریب آ کر سلام کرنے کے بعد پوچھا۔

"ہاں اور تم کیا پھوپھو کے ساتھ چلی گئی تھیں؟"

وہ بھی شاید مدحیہ کے غصے سے گھبرا کر آسیہ کے ساتھ گئی ہوگی، پوچھنے کے انداز سے بھی ظاہر تھا جسے سمجھ کر صباحت ہنسی۔

"نہیں میں ثوبیہ کے ساتھ کالج گئی تھی پھر وہاں سے مما کے پاس چلی گئی۔"

"اچھا چلو، جلدی سے ہاتھ منہ دھو لو بوا کھانا لگا دیں۔" آسیہ ان دونوں کو ٹوک کر بوا سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صباحت کمرے میں آئی تو مدحیہ نے اسے دیکھتے ہی تکیے میں منہ چھپا لیا۔

"مجھے دیکھ کر منہ چھپانے کا مطلب! میں تمہاری سسرال سے تو نہیں آئی، چلو اٹھو، بوا کھانا لگا رہی ہیں۔"

صباحت نے اپنا بیگ اس پر اچھالتے ہوئے کہا اور رکے بغیر واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو مدحیہ اسی طرح منہ چھپائے پڑی تھی۔

"کھانا کھا لیا کیا تم نے؟" صباحت نے اس کے منہ پر سے تکیہ کھینچ کر پوچھا تو وہ زور سے چیخی۔

"نہیں کھایا اور نہ کھاؤں گی۔"

"یعنی بھوک ہڑتال، کوئی فائدہ نہیں، ابھی راستے میں مما نے مجھے اتنا لمبا لیکچر دیا ہے اگر تم اس لیکچر سے بچنا چاہتی ہو تو فوراً منہ دھو لو لیک کر کے ٹیبل پر آ جاؤ ورنہ میری تو گھر آنے تک بچت ہو گئی۔ تمہاری شام تک کتنی؟



لی سن رہی ہو پھر نہ کہنا، میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا۔"

وہ دوبارہ تکیہ اس پر پھینک کر کمرے سے نکل گئی۔

مدحیہ نے ایک پل سوچا پھر فوراً اٹھ گئی تھی۔

❀ ❀ ❀

زندگی میں ایسے بھی لوگ ملتے ہیں
دیکھتے ہی آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں
آرزو یہ ہوتی ہے اتنا کہہ سکوں
اسی لیے تو

"یار! تمہارے پاس کوئی اور کیسٹ نہیں ہے صبح سے اسی کو ری وائنڈ کر کر کے سن رہے ہو۔ میرے تو کان پک گئے ہیں۔"

عازم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونستے ہوئے کہا تو علی نے چونک کر اسے دیکھا پھر کیسٹ آف کرتا ہوا بولا۔

"سوری، مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تم بھی یہاں موجود ہو۔"

"ایسا اس وقت ہوتا ہے ڈیئر کزن جب خیال میں کوئی اور ہو۔ کون ہے؟" آخر میں عازم کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ایک تو یہ بڑی مشکل ہے۔ ادھر کوئی بات منہ سے نکلی اور تم نے جھٹ فسانہ بنایا۔" اس کا ایک تو لہجہ کمزور تھا دوسرے نظریں بھی چرا گیا۔

"میرے افسانے بہت جلد حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ تم بھی جانتے ہو" عازم جتا کر گنگنانے لگا۔

زندگی میں ایسے بھی لوگ ملتے ہیں
دیکھتے ہی آنکھوں کو اچھے لگتے ہیں

"اب تمہیں کیا ہوا؟" اس نے فوراً ٹوکا۔

میں تمہارے افسانے کی حقیقت جاننے کی کوشش کر رہا ہوں اور کسی حد تک جان بھی چکا ہوں۔ یعنی چند دنوں میں ایس ڈی ایم کا عہدہ سنبھالنے والا شاہ علی جہانگیر کسی کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا ہے اور۔"

"بس، اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر عازم کو مزید بولنے سے روکا تو وہ اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ لو دو یار! ابھی تو آغاز کیا ہے۔ انجام کی پیشین گوئی بھی ابھی کروں گا۔"

"ارے بھائی۔ میرے آغاز، انجام کو چھوڑو، اپنی فکر کرو۔ بابا جان نے تمہیں جس کام کے لیے بھیجا ہے، اسے شام سے پہلے نمٹا دو پھر سکندر چاچا آ جائیں گے تو ہو سکتا ہے، تمہیں ان کے ساتھ شاہ پور جانا پڑے۔" وہ عازم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا تھا۔

"ارے خوب یاد دلایا سکندر چاچا کو لینے بھی جانا ہے۔ کتنے بجے ہے ان کی فلائٹ۔" عازم ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"چھ بجے۔" اس نے بتایا تو عازم کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے سکندر چاچا فوراً شاہ پور نہیں جائیں گے۔ حلف کی تقریب تک انہیں یہیں رکنا ہوگا۔ تم احتیاطاً ان کے لیے کمرے سیٹ کروا دو اور بابا جان کے لیے بھی کیونکہ حلف کی تقریب میں وہ بھی ضرور آئیں گے۔ آخر سکندر چاچا منسٹر بننے والے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ سب میں کر لوں گا۔ تم اپنے کام نپٹاؤ۔ تیری گاڑی تو نہیں چاہیے ناں تمہیں۔"

"تو لو، میرے پاس اپنی ہیرو ہے۔" عازم اپنی نئی ہیرو ہنڈا پر اترایا ورنہ دو مہینے پہلے تک گاڑی کے لیے اس کی خوشامد کرتا تھا۔

"ارے تمہاری ہیرو کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔" وہ ہنسا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے جب آنکھوں کو کوئی اچھا لگنے لگے تو بندہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔" عازم پھر اسی موضوع کی طرف آیا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سونے جا رہا ہوں، تم جہاں کہیں بھی جاؤ۔ پانچ بجے لوٹ آنا پھر یہیں سے ساتھ ائیر پورٹ چلیں گے۔"

"اچھی بات ہے اور ہاں سنو۔" عازم یوں بولا جیسے اسے کوئی بہت اہم بات یاد آ گئی ہو۔

علی جہانگیر پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

"وہ جو کوئی بھی ہے، اسے میرا اسلام کہنا۔" عازم شرارت سے کہہ کر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تو اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ملے گی تو کہہ دوں گا۔"

وہ زیر لب بڑبڑایا اور کچھ دیر سونے کی غرض سے بیڈ روم میں آیا تو بے تحاشا آنسو بہاتی ہوئی لڑکی کا تصور ساتھ ساتھ تھا اور گزشتہ دنوں کی طرح نیند آنے تک وہ اسے سوچتا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"عمر! تم کہیں جا رہے ہو کیا؟" صباحت نے سیڑھیاں اترتے ہوئے عمر کو عجلت میں جاتے دیکھ کر وہیں سے پکار کر پوچھا تو وہ رک کر بولا۔

"ہاں انڈر دا نیم ٹری Under the Neem Tree"

"کیا مطلب؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مطلب صبح ابو وارننگ دے گئے ہیں کہ اگر آج میں نے بال نہیں کٹوائے تو وہ آ کر مجھے گنجا کر دیں گے، مزید ستم پیسے بھی نہیں دیے۔ کہنے لگے خود کماؤ اور حجامت بنواؤ۔ اب آج کی تاریخ میں تو یہ دونوں کام ممکن نہیں ہیں۔ اس لیے جو تھوڑے سے پیسے ہیں میرے پاس ان سے انڈر دا نیم ٹری بیٹھ کر سستی حجامت بنوا لوں گا۔"

عمر نے مسکین سی شکل بنا کر انڈر دا نیم ٹری کی وضاحت کی تو وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

"تم بھی ایک ہی چیز ہو۔"

"ارے، ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے تب کہیں جا کر مجھ جیسی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔" عمر نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تو اس نے فوراً تائید کی۔



"ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"مانتی ہو ناں!"

"ہاں۔" اس نے زور سے گردن ہلائی۔

"شاباش۔ تم اس گھر میں سب سے عقلمند ہو، اب جلدی سے بتاؤ، تمہیں مجھ سے کیا کام تھا؟" عمر کو اچانک اس کا پکارنا یاد آیا جب ہی کام پوچھا۔

"وہ مجھے لائبریری لے چلو۔" اس نے منت سے کہا۔

"ابھی تو میں صرف انڈر دا نیم ٹری لے جا سکتا ہوں۔ چلنا چاہو تو چلو، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر میری حجامت بنتے ہوئے دیکھنا۔"

"نہیں، مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم پہلے مجھے لائبریری چھوڑ دینا پھر واپسی میں لیتے آنا۔" اس نے کہا تو وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"سوری، مجھے اصل میں اردو بازار بھی جانا ہے جہاں سے واپسی میں بہت دیر ہو جائے گی تمہیں کل لے جاؤں گا، پکا وعدہ۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم اردو بازار جا رہے ہو تو میرے لیے پروین شاکر کی خوشبو لیتے آنا۔ ایک منٹ رکو، میں پیسے لے کر آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ کچھ دیر بعد اسی تیزی سے اوپر آئی اور اسے پیسے تھما کر بولی۔

"یاد سے لانا اگر بھول گئے تو میں اسی وقت دوبارہ بھیجوں گی تمہیں۔"

"لو میں ابھی بھول گیا۔ کون سی پرفیوم؟" عمر نے بظاہر انتہائی سنجیدگی سے کہا کہ وہ اچھل پڑی۔

"پرفیوم میں نے "خوشبو" کہی ہے پروین شاکر کی خوشبو۔"

"پروین شاکر کی خوشبو۔" وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا ہوا جیسے اپنے آپ سے بولا "ضرور جانا پڑے گا کیونکہ اردو بازار میں خوشبویات نہیں بکتیں۔"

"عمر!" وہ اس کی شرارت سمجھ کر چیخی، "اللہ کرے آج ماموں جان تمہیں سچ مچ گنجا کر دیں۔ لاؤ میرے پیسے واپس کرو۔ میں نبیل بھائی سے منگوا لوں گی۔" وہ اسے مزید چڑاتا ہوا بھاگ گیا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی اوپر آ گئی۔

"کیا ہوا عمر تمہیں لے کر نہیں گیا؟" نبیل نے اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا تو وہ بے دھیانی میں بولی۔

"کہاں؟"

"لائبریری جانے کی بات کر رہی تھی تم۔" انہوں نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔

"ہاں، وہ عمر ابھی اپنے کسی کام سے جا رہا تھا کہنے لگا کل لے جاؤں گا۔ کوئی بات نہیں۔ کل چلی جاؤں گی۔" وہ ڈسٹر اٹھا کے ان کی ٹیبل صاف کرنے لگی۔

"مدحو کہاں ہے؟ موڈ ٹھیک ہوا اس کا کہ نہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نبیل نے پوچھا۔

"جی اب تو ٹھیک ہے۔ کل اماں جی نے مما کی شکایتیں کر کے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔" وہ ڈسٹر رکھ کر کھڑکی سے باہر جھانک کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

"سچ ہے، کیا کہہ رہی تھی کہ مما اس سے بالکل پیار نہیں کرتیں۔ اس کی کوئی بات نہیں مانتیں جبکہ میری اور آپ کی ہر بات مان لیتی ہیں۔ میں نے کہا ہم اس کی طرح ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں ہیں جو نہ ماننے والی ہو۔ اس لیے اسے ایسا لگتا ہے کہ مما ہماری بات مان رہی ہیں۔ اس پر اس نے مجھے بے نقط سنائی ہیں مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں خاموش رہی۔"

"اچھا کیا، وہ بے وقوف ہے۔" نبیل نے کہا۔

"نہیں نبیل بھائی اچھے لگتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتی ہے جن سے اختلاف یقینی ہو اور جب اختلاف ہوتا ہے تو الجھتی ہے پھر اپنے آپ شاکی ہو جاتی ہے۔ اس روز تو یہ بتا رہی تھی احمر بھائی کے ساتھ الجھ رہی تھی۔" وہ مدیحہ کی عادات پر تشویش کا اظہار کر رہی تھی۔

"کس بات پر؟" نبیل نے اس کی تشویش محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے نیا شوشہ چھوڑ دیا کہ آنرز کرے گی۔ اس پر احمر بھائی نے کہا کہ اسے ان ہی سبجیکٹ میں گریجویشن کرنا چاہیے بس اس بات پر دونوں میں کافی دیر تکرار ہوئی پھر مدیحہ یہ کہتی ہوئی آئی کہ اس کی مرضی وہ جو بھی کرے۔ آپ بتائیے یہ کوئی اچھی بات ہے۔ مما سنیں گی تو وہ بھی ناراض ہوں گی پھر یہ کہے گی مما اس سے پیار نہیں کرتیں۔"

"ہوں۔" نبیل نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر قدرے توقف سے کہنے لگے، "ویسے آنرز کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ اگر مدیحہ کو یہی شوق ہے تو احمر کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔"

"لیجیے آپ بھی اس کی سائیڈ لے رہے ہیں۔" وہ اچھل کر بولی۔

"اس لیے کہ یہ کوئی ناجائز ضد نہیں ہے۔ اگر اسے پھوپھو کی طرح ڈاکٹر بننے کا شوق ہوتا تو کیا اس پر بھی اعتراض کیا جاتا۔ نہیں ناں تو اس پر بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میں خود بات کروں گا پھوپھو سے اور احمر سے بھی۔"

انہوں نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کچھ غلط کہا میں نے؟" نبیل نے اس کی خاموشی سے دیکھنے پر پوچھا تو اس نے یوں ہی نفی میں سر ہلا دیا۔ تب ہی سونیا اسے پکارتی ہوئی آ گئی۔

"حبا..... ! مارکیٹ تک چل رہی ہو۔"

"کون کون جا رہا ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس میں اور تم چلیں گے۔ لے جاؤں نبیل بھائی اسے؟" سونیا نے اسے جواب دے کر نبیل کو دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولے۔

"ہاں کیوں نہیں۔ عمر تو لے نہیں گیا۔ تم لے جاؤ۔"

"چلو چینج کرو گی تو کر لو۔" سونیا نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے حلیے پر نظر ڈال کر کہا۔ پھر نبیل سے پوچھنے لگی، "آپ کو کچھ منگوانا ہے نبیل بھائی؟"

"نہیں، البتہ یہ پیسے رکھ لو اگر اپنے اور مدیحہ کے لیے کچھ لینا چاہو تو لے لینا۔" نبیل نے پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر اسے تھمایا تو وہ شکریہ کہتی ہوئی سونیا کے ساتھ ان کے کمرے سے نکل آئی۔

قریبی مارکیٹ گھر سے دو اسٹاپ کے فاصلے پر تھی اور عموماً وہ اپنی شاپنگ کے لیے یہیں آتی تھیں۔



کزنوں کے لیے لان کے سوٹ خریدنے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ چھوٹی موٹی چیزیں تھیں، اور اس کے ہاتھ میں نبیل کے دیے ہوئے وہی پانچ سو روپے تھے جو پہلے مرحلے پر ہی یوں خرچ ہو گئے کہ لان کے اچھے پرنٹ دیکھ کر اس نے دو سوٹ خرید لیے۔ اس کے بعد وہ سونیا کو خریداری کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"اماں جی کے لیے سوٹ لینا ہے۔ یہاں تو سارے گہرے رنگ ہیں، چلو آگے دیکھتے ہیں۔" سونیا کچھ کپڑے بے دلی سے واپس ڈال کر آگے چل پڑی۔

"یہاں دیکھ لیں، سادہ پرنٹ نظر آ رہے ہیں۔" اس نے سونیا کا بازو کھینچ کر متوجہ کیا۔

"ہاں اماں جی ایسے ہی پسند کرتی ہیں۔"

سونیا دوکان میں داخل ہو گئی تو اس کے سامنے والی دوکان پر باہر ہی سے ڈیکوریشن پیس وغیرہ دیکھتے ہوئے اسے افسوس ہونے لگا کہ سوٹ خریدنے میں جلدی کیوں کی، اپنی پاکٹ منی سے جمع کیے ہوئے پیسے بھی لے آتی۔ شیشے کانچ کے نازک سے گلدان اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ایک نظر سونیا پر ڈال کر وہ اس دکان میں داخل ہوئی اور گلدان اٹھا کر دوکاندار سے اس کی قیمت پوچھی تو وہ معذرت کے ساتھ بولا۔

"سوری بی بی! یہ بک چکے ہیں۔ ان سے [illegible] تھے۔"

"کوئی بات نہیں۔" گلدان واپس رکھتے ہوئے اس کا دھیان سونیا کی طرف چلا گیا۔ جانے اس کے ہاتھ کا زاویہ لگا جو وہ بے اختیار ادھر مڑی تھی اور وہ گلدان شوکیس پر جانے کے بجائے نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا۔

"اوہ!" وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"بی بی! آپ کو نظر نہیں آتا اتنا قیمتی گلدان میں ان صاحب کو کیا جواب دوں گا جو۔" وہ دوکاندار بری طرح اس پر بگڑنے لگا۔

"سوری، میں آپ کو اس کی قیمت۔" یوں بے عزت ہونے پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"قیمت مجھے نہیں انہیں ادا کیجیے۔" دوکاندار نے دوسرے شوکیس کے پاس کھڑے شخص کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ اسے پکارا، "ایکسکیوز می سر! ایک منٹ۔"

"کیا بات ہے۔" علی جہانگیر نے پلٹتے ہی اسے دیکھا اور بے اختیار اس کے قریب آیا تھا۔ "آپ؟"

"میرے خدا۔" وہ مزید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"سر! انہوں نے آپ کا گلدان توڑ دیا۔" دوکاندار نے فوراً اسے مطلع کیا۔

"آئی ایم سوری، میں نے جان بوجھ کر نہیں توڑا۔ میں آپ کو اس کی قیمت ادا کر دوں گی۔" وہ پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارتی ہوئی بولی تو علی جہانگیر نے پہلے دوکاندار کو ہاتھ سے یوں اشارہ کیا جیسے وہ اپنا معاملہ خود نمٹائے گا اور اس کے ہٹنے کے بعد اس سے کہنے لگا۔

"ہوں، قیمت تو آپ کو ادا کرنی پڑے گی۔"

"ابھی!" اس نے کہہ کر سونیا کو مدد کے لیے پکارنے کی نیت سے پلٹ کر دیکھا اور اسے سامنے والی دوکان میں موجود نہ پا کر جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی تھی۔

"ابھی نہیں۔" وہ جانے اس کی پریشانی سمجھ گیا یا آئندہ ملاقات کا بہانا مل گیا تھا۔ جیب سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا، "آج ہی کے دن اس پتے پر پہنچا دیجیے گا۔"

"جی۔" اس نے کارڈ لے کر اپنے پیروں سے بکھرے کانچ پر نظر ڈالی۔ "مجھے افسوس ہے اتنا خوب صورت

گلدان۔ کیا قیمت تھی اس کی؟"

"نہ بہت زیادہ نہ بہت کم۔ یاد رکھیے گا آج ہی کے دن۔"

وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہتا دکان سے نکل کر جانے کس سمت غائب ہو گیا۔ وہ اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔

"جی بی بی! آپ نے انہیں قیمت ادا کر دی؟" دکاندار نے دوبارہ اس کی طرف آ کر پوچھا تو وہ بری طرح چونکی اور بلا ارادہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر یہ دوسرا بھی آپ کا ہوا۔" دکاندار نے جلدی سے ایک گلدان پیک کر کے اس کے سامنے رکھ دیا جسے اٹھاتے ہوئے اچانک خیال آنے پر اس نے پوچھا۔

"کیا پرائس تھی ان کی؟"

"بارہ سو، انہوں نے آپ سے

اتنے ہی لیے ہیں۔" وہ جلدی سے کہہ کر دکان سے نکل آئی اور سونیا کی تلاش میں گردن گھما گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ایک جگہ وہ پرس خریدتی نظر آئی تو وہ تیز قدموں سے اس کے پاس پہنچ کر بولی۔

"مجھے کہاں چھوڑ دیا آپ نے؟"

"میں نے کہاں چھوڑا، تم ہی غائب ہو گئیں۔ یہ پرس دیکھو، اچھا ہے ناں۔" سونیا کا دھیان پرس کی طرف تھا۔

"جی اور کیا کیا خریدنا ہے۔" وہ جیسے اب یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"بس اور کچھ نہیں۔ سونیا نے پرس کی قیمت ادا کی پھر اسے دیکھ کر بولی۔ "تم شاید تھک گئی ہو چلو تمہیں آئس کریم کھلاؤں۔"

"نہیں بس اب چلیں۔" اس نے منع کیا لیکن سونیا نے جیسے سنا ہی نہیں۔ زبردستی اسے آئس کریم کھلائی پھر رکشہ میں لے کر آئی تھی۔



گھر آتے ہی اس نے سب سے پہلے علی جہانگیر کا دیا ہوا کارڈ الماری میں اپنے کپڑوں کی تہوں میں چھپایا تھا۔ اس کے بعد اپنی جمع شدہ رقم نکال کر گنی تو کل چار سو تھے۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی کہ باقی آٹھ سو کہاں سے لے۔ آسیہ یا نبیل سے لینے کا مطلب تھا انہیں ساری بات بتانی پڑتی اور جانے کیوں وہ اس شخص کے بارے میں بتاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ شاید اس کے اندر خوف تھا کہیں اس واقعے کے ساتھ وہ پہلا واقعہ بھی سامنے نہ آ جائے جب وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ گو کہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا لیکن کچھ معاملات میں آسیہ اتنی سخت گیر تھی کہ مجبوری بھی تسلیم نہیں کرتی تھی (یہ اس کا فطری رد عمل تھا) اس لیے اس پہلے واقعے میں بھی اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کلینک کیسے پہنچی۔ بہر حال اب یہ نئی مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ کئی بار اس نے سوچنا چاہا کہ وہ کون سا پیسے لینے یہاں تک آ جائے گا لیکن ہر بار اسے وہ اپنے دروازے پر دستک دیتا محسوس ہوا۔

گہری شام سیاہ آنچل اوڑھ رہی تھی اور اسے اپنی پریشانی میں لائٹ جلانے کا خیال ہی نہیں آیا، یونہی اندھیرے میں بیٹھی تھی جب نبیل نے دروازے میں آ کر پکارا۔

"صبا!"



"جی!" وہ چونکنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹا! لائٹ کیوں نہیں جلائی۔" انہوں نے کہا اور بڑھ کر ٹیوب لائٹ کا بٹن آن کر دیا تو اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

"وہ۔ نبیل بھائی! سر میں درد ہو رہا تھا۔"

"تو مجھ سے کہا ہوتا یا ہوا سے، وہ چائے ہی بنا دیتیں۔ مدو کہاں ہے؟" انہوں نے قریب آ کر اسے کندھوں سے تھام کر بٹھایا۔

"میں جب آئی تھی، وہ ثوبیہ کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھی۔" اس نے اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتے ہوئے مدیحہ کا بتایا۔

"عجب پاگل لڑکی ہے جاتی ہے تو گھنٹوں کے حساب سے وہیں جم جاتی ہے۔ کوئی کام ہو تو بات بھی ہے۔ چلو تم آرام سے لیٹو میں ہوا سے چائے کا کہتا ہوں کچھ کھانا ہو تو وہ بھی بتا دو۔"

"نہیں کچھ نہیں۔ چائے بھی نہیں پیوں گی، آپ کو پینی ہو تو میں بنا دیتی ہوں۔" وہ نبیل کو پریشان ہوتے دیکھ کر فوراً کھڑی ہو گئی۔ "سر کا درد ایسا بھی نہیں ہے کہ میں مریضوں کی طرح لیٹ جاؤں۔"

"تو چلو، تازہ ہوا میں چل کر بیٹھو۔" نبیل اسے ساتھ لے کر کمرے سے نکل آئے۔ کھلی چھت پر اس نے پلنگ بچھا دیا، نبیل کے لیے کرسی بھی کھینچ لائی، تب ہی عمر خلاف عادت بہت خاموشی سے آیا اور خاصے بجھے انداز میں سر جھکا کر بیٹھ گیا جس پر نبیل نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"خیریت، کیا ہوا ہے؟"

"صبا سے پوچھیں۔" عمر نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا تو نہ صرف اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا بلکہ وہ پریشان بھی ہو گئی۔

"کیا، کیا پوچھیں مجھ سے، میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیوں تم نے پیسے نہیں دیئے تھے مجھے خوشبو لانے کے لیے۔" عمر یوں بولا جیسے اس نے کوئی بڑا جرم کیا ہو۔

"پھر۔" اسے اپنا جرم سمجھ میں نہیں آیا۔

"پھر کیوں دیے تھے جبکہ تمہیں پتا تھا میری جیب کٹ جاتی ہے۔ انڈر وائیڈ ٹرین کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔"

عمر نے دھڑلے سے اپنی لاپرواہی اس کے سر تھوپی لیکن اس کی جان میں جان آ گئی تھی، دھڑ دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار بولی۔

"اف، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا، میں سمجھی۔" اس نے ایک دم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تو نبیل جو اسے ہی دیکھ رہے تھے، پوچھے بغیر رہ نہیں سکے۔

"کیا سمجھیں تم؟"

"کچھ نہیں۔" وہ قدرے شپٹائی پھر فوراً سنبھل کر بولی۔ "اسے دیکھیں نبیل بھائی! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ خود میرے پیسے گرا آیا اور اوپر سے الزام بھی مجھے دے رہا ہے۔"

"ہاں یہ بہت غلط بات ہے عمر! آخر تم کب سدھرو گے؟" نبیل نے عمر کی لاپرواہی پر اسے لیکچر دینا

شروع کیا تو وہ چپکے سے وہاں سے کھسک آئی اور کھانے کی تیاری میں بوا کا ہاتھ بٹانے لگی۔ لیکن اس کا ذہن بار بار اپنے مسئلے میں الجھ رہا تھا۔ کھانا تیار ہو گیا اور آسیہ کے آنے پر بوا نے نکالنا بھی شروع کر دیا لیکن اس کا دھیان ادھر ادھر ہو کے نہیں دیا۔ اس شخص پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ کیا تھا جو کہہ دیتا ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی۔ پیسے مانگنے ضروری تھے۔

"کیا بات ہے۔ تم کھانا نہیں کھا رہیں۔ کچھ سست سی ہو رہی ہو؟" آسیہ کے دوسری بار ٹوکنے پر اس نے کھانے سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے مما، یوں ہی زبردستی بیٹھ گئی تھی۔"

"کچھ کھایا تھا شام میں؟" آسیہ نے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"سونیا جی کے ساتھ بازار گئی تھی وہاں چاٹ وغیرہ کھائی ہو گی، ہے ناں۔" اس سے پہلے مدیحہ نے بول کر اس سے تصدیق بھی چاہی۔

"چاٹ تو نہیں، آئس کریم کھائی تھی۔" اس نے کہہ کر آسیہ کو دیکھا تو وہ اس کی کلائی چھوڑ کر بولی۔

"آئس کریم سے پیٹ تو نہیں بھرتا۔ بہر حال جب بھوک لگے کھا لینا۔"

"جی۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہوئی تو مدیحہ نے ایک دم خیال آنے پر پوچھا۔

"سنو، تم نے بھی کچھ خریداری کی؟"

"ہاں، نبیل بھائی نے پیسے دیئے تھے میں نے دو سوٹ لے لیے۔ ایک تمہارا، ایک اپنا، کھانا کھا لو تو دیکھ لینا تمہارے بیڈ پر رکھے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی لیکن انداز سے عجلت عیاں تھی۔

"تم کہاں بھیجے جا رہی ہو؟"

"نہیں۔" اس بار وہ اختصار سے کام لے کر فوراً وہاں سے نکلی اور اپنے کمرے میں آ کر محض خود کو مصروف رکھنے کی خاطر کتابوں کا شیلف صاف کرنے کھڑی ہو گئی۔

کچھ دیر بعد مدیحہ آئی اور شاپر میں سے دونوں سوٹ نکال کر پوچھنے لگی۔

"میرا کون سا ہے؟"

"جو تمہیں پسند آئے، وہی لے لو۔" وہ اپنے کام میں مصروف بولی۔

"اور مجھے دونوں پسند آئیں۔"

"دونوں لے لو۔" اسے اس وقت کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"اوئے ہوئے۔ اتنی فراخ دلی۔" مدیحہ نے بڑے محظوظ انداز میں نعرہ لگایا تب ہی نبیل نے دروازے میں آ کر اسے پکارا۔

"مدو! چائے بناؤ گی؟"

"میں۔" "جیسے کوئی بہت بڑا کام کہا گیا ہو۔" "بوا سے کہہ دیں ناں۔"

"بوا کو اماں جی نے بلایا ہے۔ ویسے بھی میں چائے کے لیے ان سے نہیں کہتا۔ چلو دو منٹ کے کام کے لیے دو گھنٹے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہری اپ۔"

نبیل قدرے رعب سے کہتے وہیں سے پلٹ گئے تو وہ بڑبڑانے لگی۔ جس پر صباحت نے اپنا کام چھوڑ دیا۔



"فضول بکواس بند کرو، میں جا رہی ہوں۔"

"چائے بنانے۔" مدیحہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

صباحت نے تاسف سے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر کمرے سے نکل کر کچن کا رخ کیا۔ اور منٹوں میں چائے بنا کر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر یوں مسکرائے جیسے انہیں پتا تھا چائے وہی لائے گی۔

"آپ نبیل بھائی! آیا تو مدو سے کام کہا ہی نہیں کریں یا پھر زبردستی اس سے کروایا کریں کیونکہ مجھے اس کو منع کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔" وہ ان کے سامنے ٹیبل پر کپ رکھتی ہوئی بولی۔

"اس نے منع تو نہیں کیا تھا۔ خیر، تم اگر کوئی کام نہیں کر رہیں تو یہاں میرے پاس بیٹھو۔" نبیل نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا تو ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے وہ کارپٹ پر گھٹنے ٹیکتی ہوئی بولی۔

"نبیل بھائی! میں آپ کے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دیتی ہوں کہ میں بہت پریشان ہوں مجھ سے ایک بڑا نقصان ہو گیا ہے جسے پورا کرنے کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

نبیل نے کتنا بھی قیاس کیا، یہ نہیں سوچا تھا جو وہ کہہ رہی تھی۔

"میں سونیا جی کے ساتھ بازار گئی تھی ناں، وہاں ڈیکوریشن پیس دیکھتے ہوئے ایک قیمتی گلدان میرے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ بارہ سو روپے کا تھا اور جو خاتون خرید چکی تھیں انہوں نے مجھ سے اتنی رقم کا مطالبہ کر دیا اس وقت میرے پاس ایک پیسہ نہیں تھا اور ابھی بھی صرف چار سو، میں باقی آٹھ سو۔ آپ پلیز مما کو نہیں بتائیے گا۔"

اس نے صرف سونیا جی کی جگہ خاتون کہنے میں جھوٹ سے کام لیا۔ باقی ساری حقیقت بتا دی تو نبیل بتھ در خاموش سے اسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔

"تمہیں آتے ہی بتانا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ اپنے آپ پریشان ہوتی رہی۔ اس طرح مسئلے حل نہیں ہوتے۔ خیر اس وقت تو میرے پاس بھی اتنے پیسے نہیں ہیں کل شام تک انتظام کر دوں گا۔ کب دینے ہیں خاتون کو اور وہ کہاں رہتی ہیں؟" آخر میں ان کے سوال پر وہ گڑبڑا گئی۔

"پتا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ میرا مطلب ہے، وہ اسی دوکان پر آئیں گی۔ کل آپ انتظام کر دیں گے تو پرسوں صبح میں ثوبیہ کے ساتھ جا کر انہیں دے آؤں گی۔"

اس نے اس خدشے کے تحت کہ کہیں نبیل ساتھ چلنے کا نہ کہہ دیں نہ صرف ثوبیہ کا نام لے دیا بلکہ ایسا وقت جب وہ کالج ہوتے تھے۔

"اچھی بات ہے اب تم ریلیکس ہو جاؤ اور جا کر کھانا کھاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی لیکن پھر رک کر پوچھا۔

"آپ مما سے تو نہیں کہیں گے ناں۔"

نبیل نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"تھینک یو تھینک یو نبیل بھائی!" وہ واقعی بہت ہلکی پھلکی ہو کر ان کے کمرے سے نکلی تھی کہ مدیحہ کی بے ساختہ چیخ نما آواز سارے گھر میں گونج گئی۔

"صبا جلدی آ کر دیکھو، شاہ سکندر حیات ہیلتھ منسٹر کا حلف اٹھا رہے ہیں۔"

صباحت نے بے اختیار ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھایا تھا لیکن دوسرا قدم اٹھنے سے پہلے ہی آسیہ کی سخت آواز آئی تھی۔

"رکو صبا!"

صباحت نہ صرف رک گئی بلکہ سہم بھی گئی تھی۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" آسیہ اس کے قریب سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی تو اس نے بے حد پریشان ہو کر اپنے پیچھے دیکھا۔

نبیل بھی یقیناً مدیحہ کی آواز پر نکلے تھے اور آسیہ کے تیوروں سے وہ بھی پریشان کھڑے تھے۔

"نبیل بھائی!" صباحت کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ "مدحو کو دیکھیں۔"

نبیل نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تب ہی آسیہ کی آواز آئی۔ وہ مدیحہ پر خفا ہو رہی تھی۔

"بند کرو ٹی وی۔ شاہ سکندر حیات چیف منسٹر کا حلف اٹھائے یا پرائم منسٹری کا تمہارا کیا تعلق؟"

"تعلق ہے مما! وہ میرا باپ ہے۔" پہلی بار خائف ہونے کے بجائے مدیحہ غالباً اپنے باپ کی حیثیت کے زعم میں آسیہ کے مقابل کھڑی ہو گئی تھی۔ "کبھی آپ نے ہمیں ان کے بارے میں نہیں بتایا جس سے میں یہ سمجھتی رہی کہ وہ کوئی آوارہ اوباش شخص ہو گا لیکن وہ تو شاہ پور کے رئیس ہیں اور اب منسٹر بھی۔ میں ان کے بارے میں سب کو بتا سکتی ہوں اور بتاؤں گی کہ میں منسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہوں۔"

"شٹ اپ!" آسیہ کی آواز کے ساتھ تھپڑ کی گونج پر صباحت نے دہل کر نبیل کو دیکھا اور ان کا اشارہ نظر انداز کر کے بھاگ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

"مما پلیز، آپ مدحو کو معاف کر دیں۔" صباحت عقب سے آسیہ کو دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر گڑگڑانے لگی۔

"کہہ دو اس سے۔ آئندہ اس کی زبان پر شاہ سکندر کا نام آیا تو۔" آسیہ نے ایک جھٹکے سے اپنا آپ چھڑا کر وارننگ دی۔

"نہیں، نہیں آئے گا مما! کبھی نہیں آئے گا میں سمجھا دوں گی اسے۔ آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔" صباحت کے آنسو بے اختیار چھلک رہے تھے اور وہ بے حد ڈری ہوئی ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی۔

آسیہ بس اس کا خیال کر کے شعلہ بار نظروں سے مدیحہ کو گھورتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے آنسو بھری آنکھوں سے مدیحہ کو دیکھا جو آسیہ کے تھپڑ سے خاموش تو ہو گئی تھی لیکن اس کے ہر انداز سے بغاوت جھلک رہی تھی۔

"اب تم میرے سامنے گڑگڑاؤ گی کہ میں اپنے باپ کا نام نہ لوں۔ کیوں نہ لوں بتاؤ؟" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مدیحہ اس پر چڑھ دوڑی۔ "اگر مما کو اتنا ہی ناگوار گزرتا ہے تو اپنے کان بند کر لیا کریں میں اپنی بے اختیاریوں پر بند نہیں باندھوں گی۔"

"ایسا نہیں کہو مدحو! خدا کے لیے۔ تم اس شخص کے لیے مما کو دکھ دے رہی ہو جس نے کبھی ہماری خبر نہیں لی۔" صباحت نے عاجزی سے کہا۔

"یہ میں اسی شخص سے پوچھوں گی کہ اس نے ہماری خبر کیوں نہیں لی؟"



مدیحہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔ مدیحہ کے پیچھے جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی وہیں گھٹنوں میں منہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ وہ شروع ہی سے کچھ بزدل سی تھی۔ ذرا کوئی اونچی آواز میں بات کرتا، ڈر جاتی۔ جب ہی اپنی طرف سے سب کے درمیان صلح کے جھنڈے گاڑتی رہتی تھی اور اب وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر کے رو رہی تھی۔

"صبا!" نبیل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پکارا تو وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔

"بے وقوف، تم کیوں رو رہی ہو؟" نبیل اس کے پاس بیٹھ گئے۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے نبیل بھائی۔ مدحو کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ اس طرح کیوں کرنے لگی ہے؟" وہ سر اونچا کر کے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔ "اسے کسی کی پروا نہیں ہے مما کی بھی نہیں۔"

"ہو جائے گی، سب کی پروا ہو جائے گی ابھی ناسمجھ ہے۔" نبیل نے بظاہر سرسری انداز سے کہا ورنہ حقیقتاً اس صورت حال سے وہ بھی پریشان تھے۔

"نہیں وہ ناسمجھ نہیں ہے۔ میں نے اس روز بھی آپ سے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کر کے دوسرے کو پریشان کرتی ہے۔ اب یہی دیکھ لیں، اس نے اگر شاہ سکندر کو دیکھ لیا تھا تو اسے چلانے کی کیا ضرورت تھی، وہ خاموشی سے بھی تو مجھے بتا سکتی تھی۔ محض مما کو جتانے کے لیے اس نے اتنا شور مچایا اور مما کے ٹوکنے پر بھی باز نہیں آئی۔"

وہ مسلسل آنسو پونچھتی ہوئی دکھ سے بول رہی تھی۔ "اس روز آپ نے شاہ سکندر کی تصویر یہ کہہ کر مدحو کو دکھانے سے منع کیا تھا ناں کہ وہ اس شخص کو سارے شہر میں ڈھونڈتی پھرے گی کیونکہ اس میں عجیب سی ضد ہے۔ پھر آپ اسے ناسمجھ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کیوں؟"

"کیونکہ ایسی باتیں ناسمجھی ہی میں ہوتی ہیں۔ وہ اگر سمجھ دار ہوتی تو تمہاری طرح سوچتی۔" نبیل اس کا سر ہلا کر ذرا سا مسکرائے۔

"آپ کو کیا پتا، میں کیا سوچتی ہوں؟" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں نے تمہیں پالنے میں کھلایا ہے بچی۔ چلو اب رونا بند کرو۔ تمہارے آنسو مجھے بہت تکلیف دے رہے ہیں اور دیکھو اس وقت مدحو کو بالکل نہیں چھیڑنا۔ اٹھو شاباش۔" نبیل نے اٹھتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔

"وہ نبیل بھائی، مما، انہیں مدحو کی باتوں سے دکھ ہوا ہو گا۔" اسے اب آسیہ کی فکر ستانے لگی۔

"ضرور ہوا ہو گا اور تمہیں اس وقت ان کے پاس بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھی اپنے کمرے میں جاؤ اور چپ چاپ سو جاؤ۔" نبیل نے سمجھانے کے انداز میں ہلکی سی تنبیہ کی تھی۔

سترہ سال پہلے اپنی بچیوں کی خاطر اس نے شاہ سکندر حیات کی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر اس کے سامنے اپنی انا، خودداری اور اپنی ہستی کا غرور مٹا کر اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے نکل جائے گا اور اپنی اس کامیاب حکمت عملی کے بعد وہ یوں مطمئن ہو گئی تھی کہ اس کے اندر کوئی خدشہ باقی نہیں تھا اگر کبھی بھولے بھٹکے خیال آیا بھی تو اس نے یقین سے سوچا تھا کہ جب بچیاں ہی اسے قبول نہیں کریں گی تو وہ اپنا حق کیسے جتا سکے گا؟

یہ تو کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی موڑ ایسا بھی آئے گا جب اس کی ساری تیاریاں دھری رہ جائے گی

کہ بچیاں ہی اس کے مقابل آن کھڑی ہوں گی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ بے خبر تھی دونوں بیٹیوں کے مزاج اور عادات کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ شروع ہی میں اس نے مدیحہ کے اندر اس کے باپ جیسی "میں" کو محسوس کر لیا تھا اور وہ اس سے خائف نہیں ہوئی تھی کیونکہ اسے اپنی تربیت پر بھروسہ تھا پھر شاید فطری طور اسے یہ خیال بھی تھا کہ بیٹیاں جیسے جیسے بڑی ہوں گی انہیں صرف اس کا احساس ہوگا کہ ان کی ماں نے تن تنہا ان کی کیسے پرورش کی ہے کہ کس تنگی کی ہی میں ہوتے وہی اور ایسے میں کبھی انہیں باپ کا خیال آیا بھی تو وہ نفرت سے سر جھٹکیں گی۔ اب پتا نہیں اس سے کہاں کوتاہی ہوئی تھی یا خون نے جوش مارا تھا جو سترہ سال پہلے اس نے جس بچی کو شاہ سکندر حیات سے ہمیشہ کے لیے چھپانے کی خاطر اس کے لمس تک سے محروم رکھا تھا وہی اس کی طرف لپک رہی تھی۔

"تعلق ہے مما! وہ میرا باپ ہے۔" مدیحہ کی آواز مسلسل اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ "میں اب سب کو بتا سکتی ہوں اور بتاؤں گی کہ میں مسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہوں۔"

کیسا موڑ آ گیا تھا کہ وہ اپنے زخموں پر بجائے مرہم کے خود اپنے ناخنوں سے نوچنے لگی تھی اور وہ ساری رات اس کی خود کو اذیت دینے میں گزر گئی۔

وہ اولین دنوں کے پرکیف لمحات۔

وہ اپنے دل کی بستی میں ہر روز اس کے نام کا اک پھول کھلانا۔

وہ اس کی محبتوں کا پر فریب جال۔

وہ اس کی سنگت میں ستاروں کی کہکشاؤں میں قدم رکھنے لگی تھی۔

اور تب اچانک جیسے اس کی آنکھ کھل گئی تھی یا اس کی روح میں نشتر چبھو کر اٹھایا گیا تھا۔

"اگر سکندر حیات نے تمہیں اپنی رکھیل بنایا ہے تو اس کا معاوضہ بھی دیا ہوگا۔"

یہ اس کی روح پر وہ گھاؤ تھا جسے بیٹیوں کے سامنے بے نقاب کرنے کا خیال ہی جان لیوا تھا اور اسے لگ رہا تھا مدیحہ کے دل سے اس کے باپ کا خیال نکالنے کے لیے اسے یونہی جاں سے گزرنا ہوگا۔

اور میں یہ بھی کر گزروں گی۔ اس نے بہت نڈھال ہو کر تکیے پر سر رکھا تھا اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔

صبح معمول کے مطابق جب ناشتا ٹیبل پر لگا کر سب سے پہلے آسیہ کو مطلع کرنے اس کے کمرے میں آئیں اور خلاف معمول اسے سوتے دیکھ کر پہلے کچھ حیران ہو کر اسے پکارا پھر تشویش سے اور کوئی جواب نہ ملنے پر آگے بڑھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ گرم آگ ہو رہا تھا۔ وہ الٹے پیروں جا کر نبیل کو بلا لائیں۔

"پھوپھو!" نبیل نے آسیہ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پکارا تو وہ نیم بے ہوشی میں بڑبڑانے لگی۔

"مدیحہ! مدیحہ کو روکو، وہ جا رہی ہے۔" نبیل کچھ تو پہلے ہی رہے تھے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر انہیں دکھ کے ساتھ مدیحہ پر غصہ بھی آیا۔ بمشکل ضبط کرتے ہوئے یوں آسیہ کے پاس بٹھا کر صباحت کو پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہو کر بولے۔

"صبا! نیچے امبر سے جا کر کہو کسی ڈاکٹر کو لے آئے بلکہ ایسا کرو یاسمین آنٹی کو فون کر کے انہیں فوراً آنے کو کہو، پھوپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

مدیحہ جو انہیں دیکھتے ہی تکیے میں منہ چھپا گئی تھی، ان کی بات سن کر تکیہ منہ پر سے ہٹا کر بہت خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی جبکہ صباحت پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا مما کو؟"



"بخار ہو رہا ہے بہت تیز۔" نبیل کہہ کر وہیں سے پلٹ گئے تو ان کے پیچھے صباحت بھاگتی ہوئی نکلی تھی اور لاؤنج میں رک کر پہلے یاسمین کو فون کیا پھر آسیہ کے کمرے میں آ گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد یاسمین آئی تو اس کے ساتھ میمونہ بھابھی اور ابا جی بھی اوپر آ گئے تھے۔

"رات جب کلینک سے آئی، اس وقت تو ٹھیک ٹھاک تھی پھر یک دم سے اتنا بخار کیسے ہو گیا۔" ابا جی سوالیہ نظروں سے نبیل کو دیکھنے لگے۔

"پتا نہیں ابا جی! میں نے تو خود ابھی دیکھا ہے۔" نبیل نظریں چرا گئے۔

"بہت تیز بخار ہے۔ صبا بیٹا! جلدی سے برف کا پانی اور کپڑا لے کر آؤ اور یہ میڈیسن نبیل دیکھو آسیہ کے پاس میں ہوں تو ورنہ فوراً منگواؤ۔" یاسمین پرچہ نبیل کو تھما کر انجکشن تیار کرنے لگی۔ پھر جہاں سوئی اس کے بازو میں گئی وہ کراہ کر بڑبڑانے لگی۔

"مدیحہ کو روکو، اسے مت جانے دو۔"

"کہاں ہے مدیحہ؟" میمونہ بھابھی نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد نبیل سے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں، اچھا یہ میڈیسن تو میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

نبیل اگلے کسی سوال سے بچنے کی خاطر میڈیسن کے بہانے فوراً نکل پڑے پھر اچانک کسی خیال کے تحت مدیحہ کے کمرے میں جھانک کر بولے۔

"مدیحہ! چلو پھوپھو کے پاس جا کر بیٹھو اور انہیں یقین دلاؤ کہ تم کہیں نہیں جا رہی ہو۔"

مدیحہ نے کچھ بھی نہیں کہا اور نہ ہی سمجھنے کے لیے کوئی سوال اٹھایا چپ چاپ ان کے قریب سے گزر کر آسیہ کے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

دوپہر تک آسیہ بے ہوشی کے عالم میں جانے کیا کیا بولتی رہی تھی جو صرف وہ تینوں ہی سمجھ رہے تھے باقی سب سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے کبھی صباحت کو دیکھتے جو آسیہ کے سرہانے کے پاس سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی اور کبھی مدیحہ کو جو مسلسل آسیہ کے پیر دبانے میں لگی ہوئی تھی اور کسی کسی وقت سب کی نظر بچا کر اپنی آنکھوں سے چھلکتے آنسو بھی صاف کر رہی تھی۔

پھر دوپہر میں کچھ بخار کا زور ٹوٹا تو یاسمین نے خصوصاً اماں جی اور ابا جی کو اطمینان دلا کر نیچے بھیجا اور مدیحہ اور صباحت کو زبردستی وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا پھر انہیں تسلی دیتی ہوئی بولی۔

"اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ شام تک آسیہ سکون سے سوئے گی۔ تمہاری اس کے پاس موجودگی ضروری نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ شام میں دیکھنا وہ بالکل ٹھیک ہوگی اور یہ تم دونوں اتنی اداس کیوں ہو، کیا اس سے پہلے اس گھر میں کبھی کوئی بیمار نہیں ہوا؟ بیٹا! جہاں تندرستی ہے وہاں بیماری بھی ہے، چلو اپنے کمرے میں جاؤ آسیہ کے پاس میں ہوں۔"

"آپ بھی تو تھک گئی ہوں گی مامی جی۔ آپ آرام کریں۔" صباحت نے یاسمین کا احساس کر کے کہا تو وہ اس کا گال تھپک کر بولی۔

"میں آسیہ کے پاس آرام ہی کروں گی، چلو جاؤ شاباش۔" یاسمین دونوں کو ان کے کمرے میں بھیج کر آسیہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

شام میں آسیہ کا بخار تقریباً اتر چکا تھا لیکن جس ذہنی اذیت سے وہ گزری تھی، اس کے اثرات باقی تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ تو گئی لیکن بہت گم صم تھی۔ یاسمین نے زبردستی اسے دلیہ کھلایا اور اس کے پندرہ منٹ بعد دوا بھی دی۔ اس کے ساتھ مسلسل اس کی دلجوئی بھی کر رہی تھی پھر میمونہ بھابھی بھی آ گئیں لیکن ان کی شگفتہ باتیں بھی اسے نہیں بہلا پا رہی تھیں۔

جب عدیل یاسمین کو لینے آئے تو وہ اباجی اور خلیل بھائی کو ساتھ لے کر آسیہ کے کمرے میں آئے تھے۔ جنہیں ایک ساتھ دیکھتے ہی اس کا ذہن پھر کہیں پیچھے بھٹک گیا تھا۔ اسی وقت جب ان سب نے آ کر اس سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہ سکندر کے نام کے ساتھ کالی بن کر رہ سکتی ہو۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" عدیل نے پوچھا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آئیے اباجی! یہاں بیٹھیں۔" میمونہ بھابھی نے کھڑے ہو کر اپنی جگہ پر اباجی کو بٹھایا اور خلیل کے لیے کرسی کھینچ کر بیڈ کے قریب کی۔ عدیل خود ہی یاسمین کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

آسیہ نے سب کو بیٹھتے ہوئے دیکھا پھر سر جھکا لیا تھا۔ جس پر اباجی بغیر کسی تمہید کے کہنے لگے۔

"میں نہیں سمجھتا بیٹا! کہ اب تمہیں کسی بات سے خائف ہونے کی ضرورت ہے۔ تمہاری بچیاں ماشاءاللہ بڑی اور سمجھدار ہو گئی ہیں پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے؟"

آسیہ کی آنکھوں میں یکبارگی پانی جمع ہو کر قطرہ قطرہ پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے اپنے ہاتھوں پر گرنے لگا۔

"دیکھا اباجی! میں نے غلط تو نہیں کہا۔ یہ شاہ سکندر کی منسٹری سے خوفزدہ ہو گئی ہے۔" عدیل نے اسے روتے دیکھ کر اپنی بات کی تصدیق ہونے پر فوراً اباجی سے کہا۔

یاسمین اور میمونہ بھابھی نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں یوں اشارہ کیا جیسے کیا معاملہ ہے؟

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ اسے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" اباجی نے زور دے کر کہا تو وہ ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرنے کے بعد کہنے لگی۔

"میں شاہ سکندر یا اس کی منسٹری سے خوفزدہ نہیں ہوں بلکہ اس کے سامنے آنے سے پریشان ہو گئی ہوں جیسے رات ٹی وی پر دیکھ کر مدحہ اور صبا نے خوشی سے بے قابو ہو کر ایک دوسرے کو بتایا تھا کہ وہ ان کا باپ ہے۔" اس نے جانے کس مصلحت کے تحت مدحہ کے ساتھ صباحت کو بھی شامل کر لیا۔

"انہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ان کا باپ ہے۔ کیا اس ساری دنیا میں شاہ سکندر حیات نام کا ایک ہی شخص ہے۔" خلیل بھائی نے ناگواری سے کہا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی جو خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور ان دونوں کو ڈانٹ دیا۔ اگر ہوش میں رہ کر بات کرتی تو آرام سے جھٹلا سکتی تھی کہ وہ ان کا باپ نہیں ہے اور میرے ڈانٹنے سے اپنے آپ تصدیق ہو گئی۔ اب بتائیے میں کیا کروں اب تک میں بھی آپ کی طرح سوچتی رہی ہوں کہ میری بیٹیاں بڑی اور سمجھدار ہو گئی ہیں مجھے اب کوئی فکر نہیں رات سارا اطمینان چھین لیا ان دونوں نے۔"

"کیا کہہ رہی تھیں؟" میمونہ بھابھی نے پوچھا۔



"کہا کچھ نہیں لیکن متجسس ضرور ہو گئی ہیں اور اب جب ہر روز اس کے بارے میں ٹی وی پر یا اخبار میں کوئی خبر پڑھیں گی تو ان کے اندر مزید جاننے کی خواہش ہو گی۔" اس نے کہا تو عدیل پرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"یہ تو فطری سی بات ہے۔"

"اسی بات نے مجھے پریشان کیا ہے میں شاہ سکندر تو کیا اس کے پورے خاندان سے لڑ سکتی ہوں لیکن بیٹیوں کے اندر سے اس فطری جذبے کو نکال پھینکنا مجھے اپنے اختیار میں نہیں لگ رہا۔ کتنی سختی کروں؟"

"تمہیں سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اباجی ٹوک کر کہنے لگے "اس طرح تو ان کے اندر ضد بھی سما جائے گی، بہتر یہ ہو گا کہ تم انہیں ان کے باپ کی اصلیت بتا دو۔"

"ہاں، ویسے بھی اب وہ سمجھدار ہو گئی ہیں، انہیں اصلیت معلوم ہونی چاہیے ورنہ باپ کی ظاہری شان و شوکت سے متاثر ہو کر کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہیں قصوروار سمجھنے لگیں۔" خلیل بھائی نے اباجی کی تائید کرتے ہوئے کہا تو اس کی سماعتوں میں مدحہ کی آواز گونجنے لگی۔

"آپ نے کبھی ہمیں ان کے بارے میں نہیں بتایا جس سے میں یہ سمجھتی رہی کہ وہ کوئی آوارہ اوباش شخص ہو گا لیکن وہ تو شاہ پور کے رئیس ہیں اور اب منسٹر بھی۔"

"کیا سوچنے لگیں۔ اگر تم نہیں بتا سکتیں تو میمونہ بھابھی بتا دیں گی۔" عدیل نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ گہری سانس سینے کے اندر روک کر بولی تھی۔ "نہیں میں بتا دوں گی۔"



علی جہانگیر، باباجان اور شاہ سکندر حیات کو رخصت کر کے عازم کے ساتھ واپس اندر آیا تو فون کی بیل پر بھاگ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا لیکن پھر بہت عجلت میں بات کر کے بے دلی سے ریسیور پٹخا تو عازم خود کو صوفے پر گراتا ہوا کہنے لگا۔

"یار! میں دو دن سے دیکھ رہا ہوں تم ہر بیل پر بھاگ کر ریسیور اٹھاتے ہو پھر مایوس ہو کر پٹخ دیتے ہو جس کا مطلب ہے، تمہیں کسی خاص فون کا انتظار ہے۔ ایم آئی رائٹ؟"

"رائٹ۔" اسے جیسے اب کسی ساتھی کی ضرورت تھی جب ہی ہتھیار ڈال دیے۔

"کہیں وہی تو نہیں۔" عازم فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

"وہی ہے۔" وہ اعتراف کر کے مسکرایا تو عازم یکدم انجان بن گیا۔

"وہی کون، میرا مطلب ہے، اس کا پورا بائیوڈاٹا بتاؤ۔"

"بائیوڈاٹا معلوم ہوتا تو میں یوں انتظار میں بیٹھا ہوتا خود نہ رنگ کرتا اسے۔" وہ اپنی بے بسی پر کڑھ کر بولا۔

"چچ چچ۔ تمہیں معلوم نہیں ہے اور اسے معلوم ہے۔" عازم نے افسوس کے ساتھ اس کا تمسخر اڑایا تو وہ سلگ کر بولا۔

"اسے بھی معلوم نہیں ہے بس صرف میرا کارڈ ہے اس کے پاس جو پرسوں اتفاقاً سرِراہ ملاقات پر میں نے اسے تھما دیا تھا۔"

"اور یہ اتفاقاً سرِراہ کون سی ملاقات تھی۔" عازم نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا۔

"اونہی۔ کیوں؟" وہ چونک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو عازم کندھے اچکا کر بولا۔
"یونہی اپنی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھ لیا۔ کوئی لفڑا ہو گیا؟"
"بکواس، یہ بتاؤ اس نے فون کیوں نہیں کیا؟" وہ چڑ کر بولا۔
"یہ تم اس سے تیسری سرراہ ملاقات میں پوچھنا۔" عازم اسے مزید چڑا کر دروازے سے باہر جانے لگا تو اس نے
سے ہونٹ بھینچے پر فوراً ہاتھ اٹھا کر بولا۔
"مذاق نہیں، مذاق کر رہا تھا، اب سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم اسے فون ہی نہیں کیا۔ کیونکہ تم نے حماقت کی انتہا کر دی۔ اسے تمہارے بجائے اس کا نمبر وغیرہ لینا چاہیے تھا تم نے۔"
"سچویشن ہی کچھ ایسی تھی۔" علی جہانگیر نے کہا پھر اپنے آپ اس سے دونوں ملاقاتوں کی پوری تفصیل بیان کر دی جسے سن کر عازم پرسوچ انداز میں کہنے لگا۔
"ابھی تو یہ بھی طے نہیں ہے کہ آیا وہ لڑکی تم سے متاثر ہوئی بھی ہے کہ نہیں اور اگر ہوئی بھی ہے تو ضروری نہیں کہ فوراً تم سے رابطہ کرے۔ اس کے ساتھ کوئی پرابلم بھی ہو سکتی ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں ٹیسٹ کر رہی ہو لہٰذا صبر سے انتظار کرو۔ اگر وہ مقررہ دن آ گئی تو یہ ساری باتیں اسی سے پوچھ لینا۔"
"صبر سے انتظار کروں پانچ دن۔" علی جہانگیر نے یوں کہا جیسے پانچ صدیاں۔
"اس چکر میں ایسا ہی ہوتا ہے بھائی۔ ویسے میری مانو تو اس چکر کو یہیں ختم کر دو۔ ایسا نہ ہو سکندر چاچا کی طرح تمہیں بھی کوئی روگ لگ جائے۔" یہ عازم نے کہا تو اس نے بے نیازی سے سر جھٹکا۔
"میں چاچا سائیں کی طرح بزدل نہیں ہوں۔"
"بزدل تو خیر چاچا سائیں بھی نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ یقیناً باباجان نے سیاست چلی ہو گی بے سیاست دان ہیں باباجان اور اب دیکھنا سکندر چاچا سے کیسی سیاست کروائیں گے۔ ان کا تو بس نام ہو گا سارے انتظامات باباجان کے چلیں گے۔"
"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی نہیں بنوں گا۔ مجھے اپنی زندگی جینا ہے اور یہ میں نے بہت پہلے طے کر لیا تھا اس لیے اباجی کی خواہش اور اصرار کے باوجود میں ان کے ساتھ زمینداری کے کاموں میں نہیں لگا۔ مجھے دیہات اور پکنک ضرور کرتے ہیں لیکن میں مستقل وہاں رہ نہیں سکتا، گو کہ شاہ پور میں کم و بیش تمام شہری سہولیات موجود ہیں پھر بھی وہ شہر نہیں لگتا اس لیے کہ وہاں بسنے والے اپنی سوچ نہیں بدلتے۔ اپنے ہاں کی لڑکیوں کو دیکھ لو۔ ہمارے ساتھ کانونٹ میں پڑھی ہیں۔ پھر یہاں سے اچھے کالجز سے گریجویشن کیا لیکن ان کی سوچ وہی جاگیرداروں جیسی ہے۔ اپنے سے کمتر کو انسان ہی نہیں سمجھتیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس سے انہیں کچھ غرض نہیں۔ بس ان کے پاس سب کچھ ہے وہ خوش ہیں، مطمئن ہیں۔"
وہ اپنے ماحول پر بہت تاسف کا اظہار کر رہا تھا۔
"تو اور کیا کریں۔" عازم اس کی طویل گفتگو سے اکتا کر بولا۔
"کرنا چاہیں تو بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ لیکن کچھ کرنے کو وہ اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ جبکہ میں زندگی کو متحرک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا اپنا ایک آئیڈیل ہے۔ صبح جب میں اٹھوں تو آفس جانے تک میرے ہر کام میں میرے ساتھ میری بیوی ہو اور شام میں گھر آنے پر بھی اپنے استقبال میں میں اسے ہی دیکھنا چاہتا ہوں نہ کہ ملازم بھاگ کر میرا بریف کیس تھامے پھر میرے کپڑے نکالے اور وہ بیگم ریموٹ سے اسے چلاتی رہے۔ نہیں۔"



اس کی آنکھوں میں اپنی آئیڈیل زندگی کا عکس جھلملا رہا تھا۔
"یہ ساری باتیں پہلے سے اسے بتا دینا۔" عازم پھر شوخی سے باز نہیں آیا۔
"کسے؟" اس نے اپنے خیال سے چونک کر پوچھا۔
"اسی گلدان والی کو، ویسے یار تم نے اس سے پیسے مانگ کر اچھا نہیں کیا کہہ دیتے ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی۔ اس سے وہ نہ متاثر ہونے والی بھی متاثر ہو جاتی۔"
"تو میں کون سا اس سے پیسے لے لوں گا۔ مجھے اگلی ملاقات کا بہانہ چاہیے تھا اور فوری طور پر یہی ذہن میں آیا۔ بس ایک بار وہ گھر آ جائے گی تو اس سے بہت ساری باتیں کر لوں گا۔" اس نے کہا۔
"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گی۔" عازم نے پوچھا تو وہ پریقین انداز میں اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
"ضرور آئے گی اور اب میں سونے جا رہا ہوں کیونکہ صبح ڈیوٹی جوائن کرنی ہے۔"
"اوکے، ایس ڈی ایم صاحب کو پہلے ہی دن لیٹ نہیں ہونا چاہیے اور سنو تم تو پھر شام میں ہی آؤ گے اور میں دوپہر تک نکل جاؤں گا۔ کوئی کام ہو تو ابھی بتا دو میرا مطلب ہے شاہ پور میں کسی کے لیے کوئی پیغام وغیرہ۔"
آخر میں عازم کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی جس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ کس کی طرف ہے اور اس خیال سے ہی اس کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں سمٹ آئی تھیں۔

✿ ✿ ✿

"کسی کے لیے کوئی پیغام نہیں ہے۔ گڈ نائٹ۔" وہ فوراً اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔
اس کا اچھا بھلا موڈ خراب ہو گیا تھا اس لیے صبح عازم کے اٹھنے سے پہلے ہی آفس روانہ ہو گیا۔ اور شام میں لوٹا تو اس خیال سے خوش تھا کہ عازم جا چکا ہو گا اور وہ تو واقعی جا چکا تھا لیکن اس کے لیے جو لفافہ چھوڑ گیا تھا اس پر لکھی تحریر سے اسے دھچکا لگا تھا۔
"ڈیئر کزن۔ تمہارا انتظار ختم ہوا۔ سرراہ ملاقات والی نے جانے کس کے ہاتھ یہ بارہ سو روپے بھجوائے ہیں۔ میں اس وقت شاور سے شغل فرما رہا تھا ورنہ آنے والے سے یہ ضرور پوچھتا کہ بھائی تم کون ہو اس کے کیا لگتے ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ بہرحال وہ جو کوئی بھی تھا کرم دین کو یہ لفافہ تھما کر چلا گیا۔ گن لو، پورے بارہ سو ہیں۔"
"کرم دین!" اس نے لفافہ ٹیبل پر پھینک کر کرم دین کو پکارا تھا۔

✿ ✿ ✿

مدیحہ اور صباحت سر جھکائے بیٹھی تھیں۔
آسیہ نے اپنی زندگی کا وہ باب جو سیل کر دیا تھا، اسے احتیاط سے کھول کر ان کے سامنے حرف بہ حرف عیاں کر دیا تھا اس کے بعد بغور ان کے چہروں کو دیکھ رہی تھیں۔
صباحت کے چہرے پر دکھ کا تاثر بہت واضح تھا اور مدیحہ کے چہرے سے جو محسوس کیا جانے والا تفکر۔
کتنی دیر کی خاموشی کے بعد آسیہ پھر اپنے آپ بولنے لگی تھیں۔
"یہ مت سمجھنا کہ میں نے محض ضد میں تمہیں تمہارے باپ سے دور رکھا۔ بلکہ میں تم دونوں کو کبھی بھی بے وقعت نہیں ہونے دینا چاہتی۔ تم اس کے سامنے جاؤ اور وہ تمہیں اپنی اولاد ماننے سے انکار کر دے تو بتاؤ خود اپنی

نظروں میں تمہاری کیا وقعت رہ جائے گی۔ بس اسی خیال سے میں تمہیں روکتی ہوں اور یہ غلط نہیں ہے۔ جب شاہ سکندر کے باپ نے مجھے اس کی بیوی تسلیم نہیں کیا تھا تو تمہیں بھی اپنے خاندان کا نام نہیں دے گا تم میری بیٹیاں ہو صرف میری۔ میں تمہیں ہر اس راستے پر جانے سے روکوں گی، جہاں شاہ سکندر کی پرچھائیں تک کا شائبہ ہوگا اور اگر تم نے میری مرضی کے خلاف چلنے کی کوشش کی تو۔"

آسیہ نے ہونٹ بھینچ لیے تھے لیکن اس کا ٹھہرا ہوا سرد لہجہ ان دونوں کی رگوں میں لہو منجمد کر دیا تھا۔

"تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟" قدرے توقف سے آسیہ نے موضوع بدل دیا۔

"پتا نہیں مما! شاید اگلے ہفتے، کنفرم نہیں ہے۔" صباحت کو بولنے میں ساری توانائیاں صرف کرنی پڑی تھیں۔

"ہوں۔ دو مہینے تم لوگوں نے بے کار وقت ضائع کیا کوئی کورس ہی کر لیتیں۔" آسیہ کو اب افسوس ہوا کہ یہ خیال اسے پہلے کیوں نہیں آیا۔ "خیر اب رزلٹ آ جائے تو اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ گریجویشن کے بعد پھر کمپیوٹر کورس کر لینا۔ فجر کی نماز ضرور پڑھا کرو۔ اس کی برکت سے باقی نمازیں بھی وقت پر ادا ہو جاتی ہیں چلو اب مجھے سونے دو۔"

"مما! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" صباحت نے اٹھتے ہوئے مدیحہ کو کہنی ماری تھی۔

"ہاں بہت بہتر ہوں۔ کل سے کلینک جاؤں گی۔" آسیہ نے کن انکھیوں سے مدیحہ کو دیکھا جو قدرے بے چین سی ہو گئی تھی پھر ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"مما! آپ کی یہ حالت میری وجہ سے ہوئی ہے ناں۔ آئی ایم سوری مما۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں پھر کبھی شاہ سکندر کا نام نہیں لوں گی۔ میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ کے نام کے ساتھ سر اٹھا کر جیوں گی۔"

آسیہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو اس کے ساتھ صباحت کی پلکیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

"مما! آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟" مدیحہ اس کے سینے میں منہ چھپائے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا! میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ تم صبا اور نبیل میری کل کائنات ہو۔" آسیہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی پھر ایک بازو پھیلا کر صباحت کو دیکھا تو وہ بھی اس کی آغوش میں سما گئی تھی۔

"میری جان ہو تم، میری زندگی میرا فخر، میرا مان اور تم میرا مان کبھی نہیں توڑنا۔" آسیہ دونوں کو بازوؤں میں بھینچ کر بولی پھر ان کے سر چوم کر انہیں خود سے علیحدہ کیا تو مدیحہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"مما! ابھی آپ کچھ دن آرام کریں کلینک جائیں گی تو۔"

"بس بیٹا بہت آرام کر لیا اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" آسیہ نے مسکرا کر انہیں اپنی طرف سے اطمینان دلایا پھر اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرنے لگی تو صباحت احساس کر کے بولی۔

"چلو مدیحہ اب مما کو سونے دو۔"

"گڈ نائٹ مما!" مدیحہ نے زیرو پاور کا بلب جلا کر ٹیوب لائٹ آف کر دی اور صباحت کے پیچھے کمرے سے نکل کر آئی تو آہستہ آواز میں بولی۔

"سنو۔ میں ذرا نیچے جا رہی ہوں، کیونکہ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔"

"تمہیں نہیں آ رہی نیچے والوں کو تو آ رہی ہو گی ان کی نیند کیوں خراب کرتی ہو؟" صباحت نے ٹوکا لیکن وہ ان سنی کرتی بے آواز قدموں سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔



"یاد نہیں آئے گی۔" صباحت نے سر جھٹکا اور اپنے کمرے کے دروازے تک آئی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی آواز پر فوراً پلٹ کر دیکھا۔

نبیل ایک ہاتھ میں چائے کا کپ لیے آ رہے تھے۔

"نبیل بھائی! چائے آپ نے خود بنائی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا تو نبیل ذرا سا مسکرائے۔

"اکثر بنا لیتا ہوں۔ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں ہے۔"

"پھر بھی آپ کو مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔" وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے کمرے میں آ گئی۔

"پھپھو سو گئیں؟" نبیل نے اس کی بات ان سنی کر کے پوچھا۔

"جی، او تھینکس گاڈ نبیل بھائی کہ مدیحہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے مما سے معافی مانگی اور کہہ رہی تھی آئندہ کبھی شاہ سکندر کا نام نہیں لے گی۔" اس نے خوش ہو کر کہا لیکن نبیل نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے چائے کے دو تین سپ لینے کے بعد موضوع ہی بدل گئے۔

"وہ تم نے گلدان کے پیسے پہنچا دیے تھے۔"

"جی میں نے احمر بھائی کے ہاتھ بھجوا دیے تھے۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں جواب دیا۔

"احمر کے ہاتھ؟" نبیل نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "اس نے کیسے پہچانا ہو گا اس خاتون کو؟"

"پہچاننے کی بات نہیں تھی۔ اصل میں مجھے مما کی وجہ سے جانے میں دیر ہو گئی تھی آگے وہ خاتون اپنا ایڈریس اس دوکان پر دے کر چلی گئیں۔ تب میں نے احمر بھائی کے ہاتھ ان کے ایڈریس پر بھجوا دیے۔ اور احمر بھائی کہہ رہے تھے کہ ان کا کوئی ملازم نکلا تھا وہ اسے دے کر آ گئے۔ ان تک پہنچ گئے ہوں گے۔" وہ بمشکل سنبھل کر بولی تھی۔

"نبیل پر سوچ انداز میں یوں سر ہلایا جیسے "کیا پتا۔"

"ویسے ان کا فون نمبر بھی ہے اگر آپ کہیں تو میں فون کر کے معلوم کر لوں گی۔" وہ اندر ہی اندر پریشان ہوئی تھی۔

"ہاں ضرور معلوم کر لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کبھی راستے میں پھر ملیں اور تمہیں پکڑ لیں کہ میرے پیسے لاؤ۔" نبیل نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"کیوں پکڑیں گی میں نے بھجوا تو دیے ہیں۔"

"تمہارا بھجوانا کنفرم ہے ان کا ریسیو کرنا بھی کنفرم ہونا چاہیے ویسے ایسے ادھورے کام تو عمر کرتا ہے۔ احمر تو اچھا خاصا ذمہ دار بندہ ہے۔" آخری جملے نبیل نے جیسے اپنے آپ سے کہے تھے۔

وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی کیونکہ اس نے احمر سے یہی کہا تھا کہ گھر سے جو بھی نکلے اسے تھما دیجیے گا اور احمر نے یہی کیا تھا۔

"بہر حال، تم صبح فون کر لینا۔ اور اب تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے لیکچر تیار کرنا ہے۔" انہوں نے مگ خالی کر کے اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"کل کر لیجیے گا۔ کل چھٹی کا دن ہے۔" وہ شاید اٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"کل مجھے اور کام ہیں۔ تمہیں اگر نیند نہیں آ رہی تو کوئی کتاب لے جاؤ۔" نبیل نے اپنے سامنے کتاب کھولتے ہوئے کہا تو اس نے ایک نظر ان کے کتابوں کے ریک پر ڈالی لیکن اس وقت کچھ پڑھنے کا موڈ نہیں

تھا۔ جب ہی اپنے آپ تک میں سر ہلاتی ان کے کمرے سے نکلی تو پہلے خالی مگ کچن میں رکھا، پھر کھلی چھت پر چلتے ہوئے اس کا ذہن آسیہ کی کتاب زندگی کے اوراق پھر سے الٹنے لگا تھا۔

"پتا نہیں لوگ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل کر پھر خود اطمینان و سکون سے کیسے رہ سکتے ہیں؟" شاہ سکندر کو شاید کبھی خیال بھی نہیں آتا ہوگا کہ ان کی دل لگی سے ایک عورت کس طرح اپنی زندگی کے خار دار راستوں سے تنہا گزر رہی ہوگی۔

"ظاہر کتنے ڈیشنگ، ہینڈسم اینڈ ویل ایجوکیٹڈ، ہوتے ہیں اپنی شخصیت پر جانے کتنے خول چڑھا رکھے ہوں گے انہوں نے۔ اللہ جانے کیوں ایسے لوگوں کی رسی دراز کیے جاتا ہے؟" اس کے اندر شاہ سکندر حیات سے خلاف تنفر بڑھتا جا رہا تھا۔



"صبا ہم سب عدیل ماموں کے ہاں جا رہے ہیں۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" مدیحہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی اور آگے اتنا پھیلاوا دیکھ کر چیخ پڑی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"صفائی۔" وہ الماری میں کپڑے نکال کر بیڈ پر پھینکتی ہوئی آرام سے بولی۔

"ایک تو تمہیں بھی چین نہیں ہے، زبردستی اپنے کام بڑھا لیتی ہو۔ چلو چھوڑو یہ سب، واپس آ کر کر لینا۔" مدیحہ کپڑوں کے ڈھیر میں سے اپنا ایک سوٹ نکالتی ہوئی بولی۔

"ہائے نہیں میں یہ سب اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ تم جلدی نہیں کرو، میں الماری سیٹ کر لوں۔ پھر چلیں گے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر کپڑے تہہ کرنے لگی۔

"جناب جتنی دیر میں تمہاری الماری سیٹ ہوگی، ہم عدیل ماموں تو کیا بڑے ماموں کے گھر سے بھی واپس آ جائیں گے۔" مدیحہ نے اپنے کپڑے پر جلدی جلدی استری پھیرتے ہوئے کہا۔

"بڑے ماموں کے گھر بھی جانا ہے؟" اس نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر پوچھا۔

"تم اٹھو گی تب تو؟" مدیحہ استری کا پلگ نکال کر کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلی گئی۔ لیکن اس کا کام ادھورا چھوڑ کر اٹھنے پر دل آمادہ ہی نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد مدیحہ واش روم سے نکلی تو اسے اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر بگڑ کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے، تم نہیں جا رہیں؟"

"سوری، تم لوگ اگر پہلے پروگرام بناتے تو میں یہ سب نہ کرتی۔ اب اس طرح چھوڑ کر جاؤں؟ ویسے کون کون جا رہا ہے؟"

"نانی جی اور ماں جی کے علاوہ سب۔ میں نے ماما کو فون کر کے بتا دیا ہے۔" مدیحہ بالوں میں برش پھیرتی ہوئی بولی۔

"اور آؤ گے کب؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"پتا نہیں۔ جانا اپنے اختیار میں ہوتا ہے اور آنا دوسرے کے۔" مدیحہ برش پھینک کر اس کے سامنے آئی۔ "دیکھو میں ٹھیک لگ رہی ہوں؟"

"ایک دم فرسٹ کلاس۔" وہ اس کے سراپے پر نظر ڈال کر ہنسی۔ پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ "میرا سلام کہہ دینا"



... وقت سے ابھی کمرے سے نکل گئی تو وہ الماری کھول کر اس میں ترتیب سے ... تھے انہیں الماری سے لیے الگ کر رہی تھی کہ علی جہانگیر کا کارڈ ہاتھ ... دیا، پھر سے پیچھے ڈال کر دوبارہ سے مصروف ہو گئی۔

... ٹھیک ٹھاک کر کے فارغ ہوئی تو پہلے شاور لے کر خود کو تازہ دم کیا پھر ... لاؤنج میں آ گئی تو اتفاق سے اس وقت ٹیل بھی موجود نہیں تھے۔ بس ایک بوا تھیں جو ... اس نے نمبر ڈائل کیا یوں بھی اسے زیادہ بات نہیں کرنی تھی ... پیچھے ہی لے۔

... بجنے کے ساتھ ہی اس کی آواز سنائی دی۔ جسے پہچاننے کے باوجود وہ قصداً انجان بن کر بولی۔

"جی، مجھے علی جہانگیر سے بات کرنی ہے۔"

"آپ... آپ صباحت ہیں نا؟" وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ قدرے چیخ پڑا تھا۔

"جی، علی صاحب ہیں؟" وہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر جز بز ہو کر بولی۔

"جی میں ہی علی ہوں۔ آپ نے واقعی نہیں پہچانا یا پہچاننا نہیں چاہتیں؟" وہ شاید شکوہ کر رہا تھا۔

"میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ کو آپ کے پیسے مل گئے؟" وہ اس کی بات نظر انداز کر گئی۔

"آپ آئی ہی نہیں تو۔" علی جہانگیر نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ فوراً بول پڑی۔

"میں نہیں آئی لیکن میں نے پیسے بھجوا دیے تھے۔ آپ کو ملے نہیں؟"

"نہیں۔" وہ صاف مکر گیا جس سے وہ خاموش ہو کر سوچ میں پڑ گئی تو چند لمحوں کے توقف سے وہ بتانے لگا۔

"چلو صباحت، نو پرابلم۔ آپ نے بھجوا دیے تھے، بس ٹھیک ہے۔"

"لیکن آپ کو تو نہیں ملے نا۔ پتا نہیں احمر بھائی کہاں دے آئے؟ میں نے انہیں آپ کا ایڈریس لکھ کر دیا تھا آپ اپنے ملازم سے پوچھیں۔ احمر بھائی غلطی نہیں کر سکتے۔" وہ اپنے آپ میں الجھتی ہوئی روانی میں جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی۔

"میرا ملازم تو اس وقت موجود نہیں ہے، آئے گا تو پوچھوں گا۔" علی جہانگیر نے فوراً سمجھ داری کی راہ نکالی۔

"... کب آئے گا؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ ایسا کریں اپنا نمبر لکھوا دیں وہ جب بھی آئے گا میں اس سے پوچھ کر آپ کو بتا دوں گا۔" علی جہانگیر کا لہجہ بظاہر سرسری تھا اس کے باوجود وہ کچھ ٹھٹک گئی۔

"سوری، میرا کوئی نمبر نہیں ہے۔ آنٹی جان میں پی سی او سے بات کر رہی ہوں۔"

"پھر تو آپ کو ہی دوبارہ زحمت کرنی پڑے گی۔" وہ خاصا مایوس ہوا۔

"ٹھیک ہے، میں کل پھر..."

"ایک منٹ۔" وہ فوراً بولا۔ "... ملازم نے بھی پیسے وصول نہیں کیے پھر آپ یہ

کریں گی؟"

"ظاہر ہے وہ دوبارہ بھجواؤں گی۔" اس کے اتنے آرام سے کہنے پر وہ چڑ گیا۔

"جی نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ کبھی راستے میں آپ نے مجھے روک کر پیسوں کا مطالبہ کر دیا اور اس وقت میرے پاس نہ ہوئے تب؟" اس نے نبیل کے کہنے پر اسے فون کیا ہی اسی خدشے کے تحت تھا۔

"جی نہیں۔ میں ایسا کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ اطمینان رکھیں اور بس اتنا بتا دیں کہ آپ کن راستوں پر ملیں گی؟" اس کے لہجے سے اچانک کسی جذبے کا اظہار ہو گیا تھا۔

صباحت نے گھبرا کر ریسیور کو دیکھا پھر چند لمحوں کے توقف سے دھیرے دھیرے دوبارہ کان سے لگایا تو وہ کہہ رہا تھا۔

"ہیلو صباحت! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں آپ سن رہی ہیں ناں؟"

اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز کو دبایا تھا پھر ریسیور رکھ کر دل پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں خاموش تھا جیسے اب کبھی دھڑکے گا ہی نہیں۔ کتنی دیر وہ وہیں کھڑی خود کو کسی نامعلوم شکنجے میں محسوس کرتی رہی۔ جس سے نکلنے کے بعد وہ بھاگتی ہوئی پیچھے اماں جی کے پاس آئی تھی۔

"تم کیوں نہیں گئیں سب کے ساتھ؟" اماں جی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"وہ میں اپنا کمرہ صاف کر رہی تھی۔" اس نے پھولی سانسوں کے درمیان بتایا پھر اماں جی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔



رزلٹ کے بعد مدیحہ نے بہت خاموشی سے صباحت کے ساتھ دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا۔ یعنی اس نے جو یونیورسٹی جانے کے شوق میں آرٹس کا شعبہ چھوڑا تھا۔ اس پر قائم رہنے کے لیے اسے آسیہ سے اگر لڑنا نہیں تھا تب بھی کچھ رنجش پہنچی تھی اور اب شاید وہ اسے کچھ دیر کے لیے بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے آرٹس کا خیال چھوڑ کر سابقہ سبجیکٹ سے سمجھوتا کر لیا تھا جس سے گھر کی فضا تو کشیدہ ہونے سے محفوظ رہ گئی تھی لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ کیونکہ یہ بات اس کے مزاج میں ہی نہیں تھی کہ خود پر جبر کر کے سمجھوتا کر لیا جائے اس کے برعکس خلاف مزاج بات پر وہ شروع ہی سے احتجاج کرتی تھی لیکن اب مجبوری یہ تھی کہ آسیہ نے ابھی کچھ دن پہلے اپنے زخموں کو بے نقاب کیا تھا جن سے اٹھنے والی ٹیسیں وہ محسوس کر رہی تھی اور ان ٹیسوں میں مزید اپنی طرف سے اضافہ کرنا فی الحال ممکن نہیں تھا۔ فی الحال یوں کہ وہ زیادہ عرصہ تک کسی بات کو خود پر طاری نہیں رکھتی تھی اور ایسا اس لیے تھا کہ اس کے نزدیک سب سے اہم اس کی اپنی ذات تھی۔

اور یہ طے ہے کہ صرف اپنی ذات کو اہمیت دینے والے کبھی خوش نہیں رہتے نہ کبھی مطمئن رہتے ہیں ہر ایک سے شاکی بھی رہتے ہیں۔ بہر حال مدیحہ کے کالج جانے پر جہاں صباحت اور نبیل حیران تھے وہاں احمر اپنے طور پر یہ سمجھ کر خوش تھا کہ مدیحہ نے اپنی مرضی کرنے کی بجائے اس کی بات مان لی ہے اور اس خوشی میں اس روز وہ اپنے کسی دوست سے بائیک لے آیا اور آسیہ سے اجازت لینے کے بعد اس کے پاس آ کر کہنے لگا۔

"سنو میں آج بڑے موڈ میں ہوں چلو تمہیں لمبی سیر کراؤں۔"

"ا... مجھے؟" مدیحہ اپنی طرف اشارہ کرتی ہوئی استہزائیہ ہنسی۔ "مما سے پوچھا ہے؟"



"کیوں وہ منع کریں گی؟" احمر نے قصداً انجان بن کر پوچھا کہ وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"شاید...."

"جی نہیں وہ میری پھوپھو ہیں۔ انہیں مجھ پر پورا بھروسہ ہے اور انہوں نے بخوشی اجازت دے دی ہے چلو فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" احمر نے اترا کر کہا کہ وہ جیسے یقین کر بھی رہی تھی اور نہیں بھی۔ الماری کی طرف بڑھی پھر رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کم آن یار! میں مذاق نہیں کر رہا۔ اچھا جاؤ خود پھوپھو سے پوچھ آؤ۔ جلدی جاؤ وہ نیچے اتر گئی ہیں اور کہیں گی نہیں سیدھی نکل جائیں گی۔" اور احمر نے اس کی بے یقینی محسوس کر کے کہا۔

"میں نہیں جا رہی۔" اس نے قدرے جھنجلا کر الماری کھول لی۔

"کیا مطلب، میرے ساتھ نہیں جا رہیں۔"

"مما سے پوچھنے نہیں جا رہی آپ نے پوچھ تو لیا ہے۔" وہ ہینگر اتار کر اس کی طرف پلٹی تھی تب ہی صباحت آ گئی اور اسے دیکھ کر معنی خیز شریر مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"تو آپ دونوں باہر جا رہے ہیں؟"

"جناب۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟" احمر نے فوراً اس کی طرف گھوم کر کہا۔

"جی نہیں میں کیوں اعتراض کروں گی، جب مما نے اجازت دے دی۔" صباحت کی بات سنتے ہی مدیحہ نے واش روم کا رخ کیا اور کپڑے تبدیل کر کے نکلی تو جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر بولی۔

"میں تیار ہوں۔"

"ویری گڈ۔ اوکے صبا! تمہارے لیے آئس کریم لیتا آؤں گا۔" احمر نے مدیحہ کے جلدی تیار ہونے پر اسے سراہا پھر صباحت کو ہاتھ ہلاتا کمرے سے نکل گیا تو مدیحہ بھاگ کر اس سے پہلے سیڑھیاں اترتی ہوئی بغیر کہیں رکے گیٹ سے باہر آ گئی تھی۔

"تمہارا بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا؟" احمر نے باہر آتے ہی اس سے کہا حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ثوبیہ کی شوخ نظروں سے بچنے کی خاطر بھاگ کر آئی ہے۔

"اس میں سمجھنے والی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر بائیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "یہ بائیک کس کی ہے؟"

"دوست سے لایا ہوں۔ صرف تمہارے لیے۔" احمر نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا پھر اسے اشارہ کیا تو اس نے بیٹھتے ہوئے اوپر دیکھا صباحت ٹیرس پر کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ جواباً وہ مسکرائی تھی کہ احمر نے گلی سے بائیک آگے بڑھا دی۔

"کہاں چلو گی؟" مین روڈ پر آ کر احمر نے پوچھا۔

"کہیں نہیں اور ہر جگہ۔" وہ موڈ میں آ کر بولی۔

"کیا مطلب؟" احمر سمجھا نہیں۔

"مطلب سارے شہر میں گھما دیں بغیر کہیں رکے۔ کیونکہ میں بائیک پر پہلی بار بیٹھی ہوں اور مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

"اچھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا تم بائیک دیکھ کر چیخ پڑو گی اور اس پر بیٹھنے سے منع کر دو گی۔" احمر کو واقعی یہ

فطرتہ تھا۔

"ایسے آج آپ اتنے موڈ میں کیسے آ گئے؟" وہ اس کی بات ان سنی [illegible]

"تم نے میری بات جو مان لی۔" احمر نے کہا تو وہ قدرے حیران ہوئی۔

"کون سی؟"

"صباحت کے ساتھ کو ایڈجسٹ کرنے کی۔ سچ ہے وہ اگر تم اپنی مرضی کرتیں تو میں سمجھتا تمہیں میری کوئی پروا نہیں اور سچ ہے اتنے دنوں سے میں یہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ کہیں تم اپنی مرضی کر کے میری نسبت کا تو [illegible] ازا دو۔" احمر صاف گوئی سے اپنے خدشے کا اظہار کر رہا تھا۔

وہ ایک دم چپ سی ہو گئی تھی۔

"مجھے اپنے کزن بھائیوں کے سامنے بھی شرمندہ ہونا پڑتا۔ گو کہ کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن مجھے آپ یوں لگتا تھا جیسے سب یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا تم میری بات مانتی ہو کہ نہیں۔"

"اور میں نے آپ کی بات مان لی۔" وہ اپنے لہجے میں [illegible] کے موڑ [illegible]

[illegible] ہو رہی تھی۔

"خوشی میں پہلے آئس کریم۔" احمر نے بائیک روکتے ہوئے کہا۔ [illegible]

"کون سی لوگی؟"

"[illegible] اور صباحت کے لیے بھی۔" اس نے صباحت کا یوں [illegible] سے کہا تھا۔

[illegible] ابھی یوں [illegible] نہیں پورا [illegible] میں [illegible] کے قریب [illegible]

[illegible]" احمر [illegible] آئس کریم [illegible] تو وہ اس کے ہاتھ سے اپنی [illegible]

لیتی ہوئی بولی۔

"مجھے پورا [illegible] نہیں کھونا۔"

"کیوں تھک نہیں گیا؟"

"[illegible] نہیں [illegible] ابھی [illegible] صباحت [illegible] بھی [illegible]

نہیں بیٹھوں گی اگر آپ کا ایک [illegible] ہو تو [illegible]" وہ ایک ہاتھ سے [illegible]

ہوئی بولی۔

"[illegible] چلو [illegible]" اس نے بائیک اسٹارٹ کی۔ [illegible]

[illegible] تو مجبوری ہوئی۔

"کہئے [illegible] اگر میری بائیک سے [illegible] ہوتی تب [illegible] آپ کی ایک بات مان لی [illegible]

"مجبوری [illegible] مجبوری [illegible] نہیں [illegible]

یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر بات مان لوں گی۔" اس نے [illegible]

"پھر تو مجھے ہر صورت باہر جانا [illegible]

[illegible] سے نکل [illegible] آیا تو [illegible]

"[illegible] سوچ [illegible]

"[illegible] کی [illegible]

[illegible] بولی۔



"اللہ دیکھ رہا ہے۔" احمر نے جس بے ساختگی سے کہا ویسے ہی اس کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی تب ہی ریڈ کلر لینڈ کروزر بائیک کے قریب آن رکی تھی مدیحہ نے یونہی ہنستے ہوئے سرسری نظر سے دیکھا تھا اور فوراً ہونٹ بھینچ کر اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کے اس موڑ پر تھی جہاں اگر بائیک پر بیٹھ کر خوش نہیں تھی تب بھی لینڈ کروزر اور اس میں موجود علی جہانگیر اپنی تمام تر وجاہتوں کے باوجود اسے متاثر نہیں کر سکتا تھا کہ ایسے لمحے اس کی زندگی میں آ پہنچے تھے اس کے بعد علی جہانگیر کی گہری نظروں پر اس کا ردعمل فطری تھا۔

سگنل آن ہوتے ہی احمر نے اسپیڈ سے بائیک بھگائی اور پیچھے علی جہانگیر دیکھتا رہ گیا کہ ایک بار تو وہ ضرور پلٹ کر دیکھے گی لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔

❁ ❁ ❁

علی جہانگیر اپنی تسخیر کر لینے والی پرسنالٹی سے بخوبی آگاہ تھا لیکن اس کے اندر اپنے چچا شاہ ملک حیات کی طرح اپنی وجاہتوں کا زعم نہیں تھا اور نہ ہی اس کی سوچ ان جیسی تھی کہ جو چیز پسند آ جائے اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے۔ جب ہی اس نے اول روز بھی صباحت نے جہاں کہا وہیں اسے ڈراپ کر دیا تھا اور دوسری بار بھی زبردستی اپنا آپ منوانے کے بجائے ایک طرح سے اختیار اسے دے آیا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ کچھ پیش رفت ضرور کرے گی لیکن اب مدیحہ نے جس طرح اس کے دیکھنے پر ناگواری سے منہ موڑا تھا۔ اس سے حقیقتاً اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ اس کے باوجود وہ کسی زعم میں اس کے تعاقب میں نہیں گیا۔ سوچا بھی نہیں بلکہ وہیں سے اپنی گاڑی مخالف سمت موڑ لی تھی۔ لیکن اس کا دل جانے کیوں اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھ کر منہ موڑ سکتی ہے۔

"ایک لمحہ کو بھی اس کے چہرے پر شناسائی کا تاثر نہیں ابھرا۔" وہ مسلسل الجھ رہا تھا۔

"ہو سکتا اس کے ساتھ کوئی پرابلم ہو یا وہ کہیں انگیج ہو۔" معاً لازم کی بات یاد آنے کے ساتھ ہی اسے اس نوجوان کا خیال آیا جس کی طرف اس تمام عرصے میں ایک بار بھی اس کا دھیان نہیں گیا تھا حالانکہ اسے پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ وہ بائیک پر جس کے ساتھ بیٹھی تھی وہی اس کی طرف سے منہ موڑنے کا سبب ہو سکتا تھا۔ بہر حال اب سبب سمجھ میں آیا تھا تو اسے یہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا المیہ لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی جو اول روز سے اب تک ایک لمحہ بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی وہ پاس آنے سے پہلے ہی بہت دور ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے بس تھوڑی سی کوشش کی تھی اس لڑکی کے خیال کو جھٹکنے کی اور کامیابی سے پہلے ہی یہ کوشش ترک کر دی۔ کیونکہ اس کا تصور یہ نرم جھونکا تھا جو تپتی آنکھوں میں جہاں پر سکون نیند اتا، وہاں آ کے ایک نئی دنیا میں بھی لے جاتا تھا جس میں رنگ، خوشبو، بادل، ہوا جانے کتنی خوبصورتیاں تھیں۔

کبھی کبھی انسان حقائق کی تلخیوں کو تخیل کی شیرینیوں میں بھلانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ شاہ علی جہانگیر لوفر تو عمر لڑکا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی زندگی میں آنے والی وہ کوئی پہلی لڑکی تھی۔ لیکن جسے دیکھ کر سب کچھ ہار جانے کو دل چاہے وہ صرف وہی تھی اور وہ ہار چکا تھا۔ یوں کہ اس کے بعد لگتا تھا زندگی یونہی گزرے گی بظاہر کتنی تبدیلیاں آ جائیں اس کے اندر کی دنیا نہیں بدلے گی۔

اس ویک اینڈ پر وہ آفس سے نکلا تو ایک دم سے شاہ پور جانے کا پروگرام بنا لیا گزشتہ دو مہینوں سے وہ مسلسل اس کی وجہ سے اپنا جانا ملتوی کر رہا تھا کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں اس کا فون آئے یا وہ خود آ جائے لیکن اب شاید کوئی امید نہیں رہی تھی اس لیے گھر آ کر اس نے بہت عجلت میں شاور لیا اور کرم دین کو اپنے جانے کا بتا کر اسی

وقت نکل آیا تاکہ رات کے کھانے تک شاہ پور پہنچ جائے لیکن کراچی کی ٹریفک الامان۔ ایک گھنٹہ تو اسے صدر سے نکلنے میں لگ گیا اس کے بعد بھی راستہ صاف نہیں تھا مجبوراً اس نے دوسرا روٹ اختیار کیا جو خاصا طویل تھا لیکن جگہ جگہ ٹریفک میں پھنس کر جو وقت ضائع ہوتا تھا، اس کی نسبت یہ طویل راستہ بہتر تھا۔ ناظم آباد سے آگے حیدری اور پھر واٹر پمپ کے راؤنڈ اباؤٹ سے اس نے ٹرن لیا تھا کہ اچانک نظروں کے سامنے وہ آ گئی۔

صباحت۔ جس کا خیال جھٹکنے کی اس نے بس تھوڑی سی سعی کی تھی اور ویسی ہی تھوڑی سی کوشش اس نے اس وقت بھی کی یعنی اسے نظر انداز کر کے آگے نکل آیا لیکن اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے اس نے گاڑی واپس اسی راستے پر ڈال دی اور چند منٹوں بعد ہی گاڑی سے اتر کر لائبریری میں داخل ہوا تو پہلی نظر میں وہ اسے آخری سرے پر بکشیلف کی الماری کے قریب کھڑی نظر آئی اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا جب ہی وہ بڑے آرام سے اس کے قریب جا کر بولا۔

"ہیلو!"

صباحت نے چونک کر دیکھا اور بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے ہونٹ ذرا سے جنبش کر کے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے۔

"آپ۔"

"تھینکس گاڈ آپ نے پہچانا تو۔" وہ ذرا سا مسکرایا تو وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر الماری میں دلچسپی لیتی ہوئی بولی۔

"میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں اور یہ بھی کہ کبھی کبھی انسان کو مصلحتاً انجان بننا پڑتا ہے اس نے اپنے تئیں اس روز کی اس بے اعتنائی جتائی اور وہ کیا کہتی۔ خاموشی سے اپنی مطلوبہ کتابیں تلاش کرنے میں لگی رہی۔

"آپ نے اس روز کے بعد پھر فون نہیں کیا؟" علی جہانگیر نے اس کی نظروں کے سامنے سے کتاب کھینچتے ہوئے پوچھا۔

"میں دو تین بار ٹرائی کر چکی ہوں، لیکن آپ کے ہاں سے کسی نے ریسیو نہیں کیا۔" اس نے کہا تو وہ حیران ہو کر بولا۔

"واقعی۔"

"جی اور مجھے وہی پیسے کا کنفرم کرنا تھا کہ آپ کو مل گئے؟" وہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو فوراً جواب سے بچنے کی خاطر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس پر نظریں پڑیں تو دل مزید دبانے پر مچلنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ کو نہیں ملے؟" وہ اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کر کے بولی۔ "ٹھیک ہے میں دوبارہ بھجوا دوں گی۔"

"جی نہیں۔" وہ فوراً بولا۔ "میں آپ سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ کو نہ ہو لیکن مجھے کیونکہ میں کسی کا قرض نہیں رکھتی۔" وہ بھی فوراً بولی تھی۔

"اگر آپ اسے قرض سمجھتی ہیں تو پھر آپ کو خود آ کر مجھے لوٹانے ہوں گے دوسری صورت، میں واپس کر دوں گا۔" اس نے بلا ارادہ ہی اس کے آنے کی شرط رکھ دی تو وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

"میں۔ میں کیسے آ سکتی ہوں؟"



"جیسے یہاں آ گئی تھیں۔"

"یہاں تو مجھے عمر، آئی مین میرا بھائی چھوڑ کر گیا ہے اور لینے بھی آئے گا۔ میں اکیلی تو سوری۔" اس نے الجھ کر معذرت کی۔

"یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ کیسے آتی جاتی ہیں۔" وہ قدرے لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہنے لگا۔ "اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے معاملے میں کسی تیسرے شخص کو انوالو نہیں کرتا۔ آپ کے علاوہ کوئی بھی آیا میں پیسے واپس کر دوں گا۔ ڈیٹس آل۔"

"کوئی نہیں آئے گا میں منی آرڈر کر دوں گی۔" وہ ناراضگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"منی آرڈر واپس نہیں ہو سکتا کیا؟" اس نے فوراً بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اس بات کا جواب جب آپ آئیں گی، تب دوں گا اور ہاں یاد رکھیے گا پانچ بجے کے بعد اس سے پہلے میں گھر پر نہیں ملوں گا۔ اوکے سی یو۔"

وہ اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا اور اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر فوراً پلٹ کر بے آواز مگر تیز قدموں سے باہر نکل آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر شاہ پور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔



"نبیل بھائی! رات میں وہ نبیل کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں آئی تو انہیں مصروف دیکھ کر پوچھنے لگی۔ "میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟"

"ہاں بیٹھو۔" نبیل نے اپنی مصروفیت ترک کیے بغیر کہا تو اس نے چائے کا مگ ان کے قریب کارنر ٹیبل پر رکھا پھر ان کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ اپنا یہ کام تو بند کریں مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نبیل نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا پھر فائل بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔

"باتیں کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت کیوں ملتا ہے شام میں کہاں تھیں؟"

"شام میں، میں عمر کے ساتھ لائبریری گئی تھی پتا ہے اتنی اچھی کتابیں لائی ہوں۔ پڑھنے کے بعد آپ کو دوں گی۔"

"اچھا، یہی بتانا تھا۔" نبیل نے چائے کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ میں نے آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو خاتون تھیں ناں گلدان والی، ان تک پیسے نہیں پہنچے اور میں نے سوچ لیا ہے کہ مزید ایک پیسہ میں انہیں نہیں دوں گی۔" اس نے اصل بات بتا کر اپنا فیصلہ بھی سنا دیا تو نبیل چائے کے دو سپ لینے کے بعد پوچھنے لگے۔

"میں نے فون کیا تھا اور مجھے لگتا ہے، نبیل بھائی وہ جھوٹ بول رہی تھیں، انہیں ضرور پیسے مل گئے ہیں اور اگر نہیں بھی ملے تو اس میں میری تو غلطی نہیں ہے میں نے تو بھجوا دیئے تھے دوبارہ تو مجھے نہیں دینے چاہئیں ناں۔ جیسے زبردستی انہیں ہم لوٹانا چاہتی تھی۔

"تو صاف کہو۔ تم دینا نہیں چاہتیں۔ خواہ مخواہ انہیں کیوں جھوٹا بنا رہی ہو؟" نبیل نے سرزنش کے انداز میں کہا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

"میں واقعی نہیں دینا چاہتی، کیوں دوں، ایک بار بھیج تو چکی ہوں اور کوئی تھوڑے سے پیسے بھی نہیں پورے بارہ سو۔"

"ٹھیک ہے، جب تم نہ دینے کا تہیہ کر چکی ہو تو پھر مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ ان ہی سے صاف لفظوں میں کہہ دو کہ۔"

"ان سے تو میں کہہ دوں گی۔" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

"پہلے آپ بتائیں، میں نے ٹھیک سوچا ہے ناں؟"

"یعنی تم یہ چاہ رہی ہو کہ تمہاری غلط بات کو بھی میں ٹھیک کہہ دوں۔ احمق۔ فوراً ان کا ایڈریس لا کر مجھے دو۔ کل میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔" نبیل نے قدرے غصے سے ڈانٹ کر کہا تو وہ ایک دم سٹپٹا گئی۔

"آپ۔ آپ چلیں گے؟"

"ہاں اور تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔" نبیل کے حتمی انداز پر وہ مزید بوکھلا گئی لیکن بولی کچھ نہیں۔

"جاؤ اب مجھے کام کرنے دو۔" نبیل نے دوبارہ اپنی فائل اٹھائی تو اس نے اس وقت ان کے پاس سے ہٹ جانے ہی میں عافیت سمجھی اور فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تو مدحیہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

"ستو، تم اپنے کپڑے استری کرو گی ناں، میرے بھی کر دینا۔"

"بکواس۔ میں کوئی استری وستری نہیں کر رہی۔" وہ بری طرح سلگ کر بولی۔

"ہائیں!" مدحیہ نے اس کے سلگنے پر حیرت سے دیکھا پھر اپنے آپ سمجھ کر کہنے لگی۔ "نبیل بھائی نے ڈانٹ کر بھگا دیا ناں۔ اچھا کیا۔ ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتی ہو۔"

"جی نہیں انہوں نے نہیں ڈانٹا، مجھے تمہاری کاہلی پر غصہ آ رہا ہے۔ اس وقت سے کیا کر رہی تھیں جو اب میرے کپڑے بھی استری کروا رہی ہو۔ کبھی تم نے بھی میرا کام کیا ہے۔" اس نے فوراً اپنے سلگنے کا ذمہ دار مدحیہ کو ٹھہرا کر اسے سخت سست کہنا شروع کر دیا۔

"میں کام کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔" مدحیہ کے آرام سے کہنے پر مزید تپ گئی۔

"ہاں، تم تو نواب زادی ہو۔"

"بالکل ہوں۔ جا کر دیکھو، میرے باپ کے ہاں کتنے ملازم ہوں گے۔" مدحیہ کے منہ سے پھر باپ کا سن کر وہ ایک لحظہ کو رکی پھر تاسف سے سر جھٹک کر بولی۔

"سخت غلطی کی مما نے، تمہیں شاہ سکندر کے حوالے کر دیتیں تو اچھا تھا۔ آج حویلی والوں کی خدمتیں کرتی پھر رہی ہوتیں۔"

"میں خدمتیں کر رہی ہوتی۔" مدحیہ بہت زور سے ہنسی، انداز ایسا تھا جیسے یہ کام تم تو کر سکتی ہو میں نہیں اور وہ سمجھ کر تلملا گئی۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟" مدحیہ اسی طرح ہنستی رہی تب وہ بڑبڑاتی ہوئی لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹی۔

"ہائیں، استری نہیں کرو گی صبح کالج سے دیر ہو جائے گی۔" مدحیہ نے ہنسی روک کر کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا مزید اس کی طرف سے کروٹ بھی بدل لی۔ اگلی شام نبیل اسے اپنے ساتھ لے جانے کو تیار تھے لیکن اسے بہانا سوجھ گیا تھا۔ خود کو عاجز ظاہر کرتی ہوئی کہنے لگی۔



"کیا کروں نبیل بھائی! ان کا ایڈریس ہی نہیں مل رہا۔ جب سے کالج سے آئی ہوں تلاش کر رہی ہوں۔ ساری الماری چھان ماری۔ پتا نہیں کہاں کھو گیا؟"

"تم۔" نبیل کچھ کہتے کہتے رہ گئے پھر گہری سانس کھینچ کر بولے۔ "آرام سے تلاش کرنا جب مل جائے تو بتانا۔"

"جی!" وہ فوری خطرہ ٹل جانے پر اطمینان سے ہو گئی تھی لیکن اس کا اطمینان بس دو دن کا تھا اس کے بعد نبیل نے روزانہ ٹوکنا شروع کیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔ نبیل کے ساتھ وہ کسی صورت نہیں جانا چاہتی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ وہ خود خاتون سے مل کر رقم ان کے ہاتھوں میں دینا چاہیں گے اور اکیلے جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔

"سخت غلطی کی میں نے نبیل بھائی کو بتا کر۔" اس وقت وہ ان کے ٹوکنے پر اپنے آپ پر جھنجھلا رہی تھی کہ ثوبیہ اسے پکارتی ہوئی آ گئی۔

"صبا! تمہارے پاس کیمسٹری کے نوٹ ہیں۔ فرسٹ ایئر کے..."

"میں نے تمہیں دے تو دیے تھے۔" وہ اپنی پریشانی میں تھی، اس لیے ثوبیہ کو جواب دیتے ہوئے اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"نہیں باقی سب کے دیے تھے کیمسٹری کے تم نے کہا تھا بعد میں لے لینا۔" ثوبیہ نے یاد دلایا تو وہ اکتا کر بولی۔

"اچھا لے لینا۔"

"ابھی دو ناں۔ مجھے چاہئیں۔"

"ابھی نہیں ہیں، میرا مطلب ہے تلاش کرنے پڑیں گے اور اس وقت میں کچھ بھی تلاش کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں، تمہیں اگر بہت ضروری چاہئیں تو خود جا کر میرا ریک کھنگال لو......" وہ ٹیرس کی طرف جاتی ہوئی بولی۔

"ریک تو میں تمہارا کھنگال لوں گی پہلے یہ بتاؤ تمہیں ہوا کیا ہے اور وہ مدحو کہاں ہے؟" ثوبیہ نے تیز قدموں سے اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا تو اس نے آخری بات کا جواب دیا۔

"مدحو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مما اسے آرام کرنے کا کہہ گئی ہیں لہٰذا وہ آرام فرما رہی ہیں۔"

"او ہو تو یوں کہو۔ تمہیں اس کا آرام فرمانا کھل رہا ہے۔" ثوبیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں، اس وقت وہ کوئی بہانا نہیں کر رہی۔ واقعی میں طبیعت خراب ہے اس کی، جا کر دیکھ لو۔" اس نے کہتے ہوئے بائیک کی آواز پر نیچے دیکھا پھر ثوبیہ کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی۔

"یہ سونیا آپی کہاں گئی تھیں؟"

"کسی دوست کے ہاں۔" ثوبیہ جواب دے کر مدحیہ کو دیکھنے اس کے کمرے میں چلی گئی تو اس نے احمر کو ہاتھ ہلا کر یونہی پوچھ لیا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"چلو گی؟" احمر نے کہا تو وہ بھی اسے مدحیہ سمجھ کر بلا رہا ہے جب ہی ہنستی ہوئی بولی۔

"مدحو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ کہیں نہیں جا سکتی۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" احمر نے گھور کر کہا تو اس نے اپنی طرف اشارہ کیا پھر اچانک کسی خیال کے

تحت اسے رکنے کا کہہ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور الماری کھول کر اپنا پرس کھینچ لیا۔

"ثوبی میں ذرا احمر بھائی کے ساتھ جا رہی ہوں۔ میرے آنے تک تم مدحو کے پاس بیٹھنا۔ میں بس ابھی تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔" وہ بہت عجلت میں کہتی ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی۔



وہ آفس سے لوٹا تو آگے عازم کے ساتھ بابا جان موجود تھے۔

"السلام علیکم بابا جان۔" اس نے سلام کے ساتھ فوراً بڑھ کر بابا جان کے پیر چھوئے تو انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"خوش رہو۔ مصروف زیادہ ہو گئے ہو یا شاہ پور کا راستہ بھول گئے ہو؟" بابا جان نے دعا دینے کے ساتھ اس کی اتنے مہینوں کی غیر حاضری کو جتایا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"گھر کا راستہ کون بھولتا ہے بابا جان! بس نئی نوکری ہے۔ سوچتا ہوں اچھی طرح جم جاؤں پھر تو گھر ہی آنا جانا ہے۔ ویسے فون تو میں ہر دوسرے دن کرتا ہوں۔"

"ہاں پتا چلتا ہے ہمیں۔" بابا جان نے آہستہ سے اس کا کندھا تھپکا پھر عازم سے مخاطب ہوئے۔ "تم کیوں بیٹھے ہو عازم! جاؤ بابا، وحید صاحب اسی وقت ملیں گے۔"

"جی بابا جان جا رہا ہوں۔" عازم اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور دیکھو۔ سات بجے سے پہلے آ جانا۔" بابا جان نے تاکید کی۔

"جی...." عازم اسے آنکھوں آنکھوں میں جانے کیا اشارہ کرتا ہوا نکل گیا اور وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بابا جان نے اسے مخاطب کر لیا۔

"تمہیں اکیلے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں، بہت آرام سے ہوں۔ اور اپنی جاب سے مطمئن۔ گھر میں اور آفس میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے اپنی طرف سے پورا اطمینان دلایا۔

"لیکن ہم تمہارے اکیلے رہنے سے مطمئن نہیں ہیں اس لیے ہم نے سوچا ہے کہ جلد تمہاری شادی کر دیں۔ ویسے بھی اب ماشاءاللہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہو اور شادی کی عمر بھی یہی ہے۔" بابا جان نہایت آرام سے بول رہے تھے، وہ اسی قدر بے چین ہو رہا تھا۔

"اس روز تمہارے اماں ابا بھی اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے۔ جہانگیر کو شہر بانو کی بیٹی پسند ہے... تمہاری اماں—" مقبل کی آواز پر بابا جان کی بات ادھوری رہ گئی اس نے محض اس موضوع سے بچنے کی خاطر اٹھ کر جانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی کرم دین باہر نکل گیا تھا۔

"ہاں تو ہم کیا کہہ رہے تھے؟" بابا جان نے اسے دیکھا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولا۔

"اماں، ابا میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہیں۔ پہلے انہیں بیٹیوں سے فارغ ہونا چاہیے۔"

"سب کے ساتھ ساتھ ہی کر دیں گے۔" بابا جان نے کہا تب ہی کرم دین آ کر ان سے بولا۔

"صاحب! کوئی صباحت بی بی آئی ہیں۔"

وہ ایک لحظہ کو اپنی جگہ ساکت ہوا تھا بابا جان کی وجہ سے ورنہ شاید اٹھ کر بھاگتا پھر بہت سنبھل کر بولا تب بھی ہکلا گیا۔



"وہ بابا جان۔ میری مہمان۔"

"تو باہر کیوں کھڑا رکھا ہے مہمان کو۔ جاؤ کرم دین! اندر لے آؤ انہیں۔" بابا جان نے کرم دین سے کہا پھر اسے دیکھا تو وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"میں لے کر آتا ہوں اپنی مہمان کو۔ آپ اگر کچھ دیر آرام کرنا چاہیں تو۔"

"نہیں بہت آرام کر چکے ہم۔ تمہارے آنے سے پہلے۔" بابا جان نے کہا پھر گلاس ڈور سے داخل ہوتی لڑکی کو دیکھنے لگے جو بہت نروس لگ رہی تھی اور کافی فاصلے پر رک گئی۔

"السلام علیکم۔" علی جہانگیر نے آواز پر فوراً پلٹ کر اسے دیکھا اور ایک پل کو بابا جان کی موجودگی فراموش کر کے دلکشی سے مسکرا کر گویا ہوا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟"

"جی میں یہ...." وہ جلدی سے اپنا پرس کھولنے لگی۔

"یہ سب بعد میں۔ پہلے آپ تشریف رکھیں۔" اس نے کہا تو صباحت جانے کس خیال کے تحت پلٹ کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔

"کوئی اور بھی ہے آپ کے ساتھ؟" اس نے سمجھ کر پوچھا۔

"جی۔ جی نہیں۔" وہ بہت نروس ہو رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بچی، آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔ اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟" بابا جان نے نرمی سے کہا تو وہ ایک بزرگ ہستی کو دیکھ کر پرسکون ہو گئی اور ان کے قریبی صوفے کا انتخاب کر کے وہیں جا بیٹھی۔

"علی! مہمان بچی کے لیے کوئی۔" بابا جان نے اسے مخاطب کر کے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"جی نہیں شکریہ۔ بس آپ اپنے۔"

علی جہانگیر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر غالباً چائے وغیرہ کا کہنے کے لیے فوراً کمرے سے نکل گیا تھا۔

صباحت نے ایک نظر بابا جان کو دیکھ کر سر جھکا لیا کیونکہ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے اور اس کے سر جھکانے پر پوچھنے لگے۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی صبا۔ صباحت شاہ" اس نے بہت سنبھل کر جواب دیا۔

"ماشاءاللہ۔ پڑھتی ہو؟" بابا جان یونہی بات کرنے کی غرض سے سوال کرنے لگے یا باتوں باتوں میں اس کی آمد کا مقصد اور علی سے تعلق جاننا چاہتے تھے۔

"جی تھرڈ ایئر میں ہوں۔"

"اور تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟"

"وہ...." وہ پھر نروس ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا جواب دے اور بابا جان اپنے طور پر سمجھ کر افسوس سے بولے۔

"اوہو نہیں ہیں...."

صباحت کے دل کو دھچکا سا لگا۔ فوراً بول پڑی تھی۔

"جی نہیں، میرے والد بہت بڑے آدمی ہیں۔ آپ نے ان کا نام ضرور سنا ہوگا۔ شاہ سکندر حیات۔ منسٹر ہیں۔ ہیلتھ منسٹر۔"

بابا جان کی آنکھوں میں اچانک بے پناہ تحیر سمٹ آیا تھا اور ساتھ میں کچھ بے یقینی اور کچھ عجیب سی کیفیت بھی تھی پھر اسی عالم میں بولے۔

"تم شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہو؟"

"جی لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہتی۔ میں اپنی مما کے ساتھ رہتی ہوں۔ میری مما ڈاکٹر ہیں۔" وہ سادگی اور انجانے میں ان پر بڑے انکشاف کر رہی تھی۔

"ہوں۔" بابا جان نے پرسوچ انداز میں ذرا سا سر ہلایا پھر پوچھنے لگے۔ "علی کے ساتھ کب سے دوستی ہے؟"

"جی نہیں میری کوئی دوستی نہیں ہے میں تو انہیں پیسے دینے آئی ہوں۔ آپ انہیں بلائیں۔"

وہ بولنے کے ساتھ اپنا پرس نکالنے لگی تھی تب ہی وہ خود ٹرالی دھکیلتا ہوا آ گیا تو بابا جان اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"علی! یہ بچی تمہیں کس بات کے پیسے دینے آئی ہے؟"

"وہ انہوں نے میرا گلدان توڑ دیا تھا بابا جان!" وہ سمجھ گیا کہ وہ بابا جان کو اپنی آمد کا مقصد بتا چکی ہے جب ہی چوکے بغیر کہنے لگا۔ "اسی کے پیسے دینے آئی ہوں گی۔ ایک بار پہلے بھی بھجوا چکی ہیں جو کرم دین نے واپس کیے تھے۔"

"ہائیں!" وہ اچھل پڑی۔ "یہ کرم دین کون ہے؟"

"میرا ملازم اور میں نے آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ آپ کی امانت واپس کرسکوں نہ کہ مزید پیسے لینے کے لیے۔ لیجیے۔" علی جہانگیر نے اس کا پہلے سے بھجوایا ہوا لفافہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جسے نظر انداز کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"معاف کیجئے گا، آپ بہت..." وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئی پھر خاصے جارحانہ انداز میں سامنے سے ٹرالی ہٹاتی ہوئی تیز قدموں سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

علی جہانگیر نے کچھ بوکھلا کر بابا جان کو دیکھا پھر اس کے پیچھے آیا تھا لیکن برآمدے ہی میں رک گیا کیونکہ سامنے وہ پھاٹک پر پہنچتی نظر آئی تھی اور پھر فوراً ہی پھاٹک نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"مائی گاڈ!" علی جہانگیر اس صورت حال سے خاصا بددل سا ہو کر مزید آگے بابا جان کا سامنا کرنے کا سوچ کر پریشان ہو گیا۔ دل چاہا یہیں سے کہیں باہر نکل جائے اور پھر بابا جان کے جانے کے بعد ہی واپس لوٹے کیونکہ ان کے غصے سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ایسے معاملات میں وہ کس طرح مداخلت کر کے فوراً اپنے فیصلے صادر کرتے ہیں۔ اپنے تایا شاہ یونس حیات کے بیٹے کی آناً فاناً شادی وہ بھولا نہیں تھا اور ابھی صباحت کے آنے سے پہلے اس کے بارے میں بھی تو کچھ کہہ رہے تھے۔ پھوپھو شہر بانو کی بیٹی یا پھر۔

"او نو!" اس نے فوراً سر جھٹکا پھر بہت ہمت کر کے اندر آیا۔ بابا جان کسی گہری سوچ میں تھے اسے دیکھ کر بھی نہیں دیکھا۔

"آپ کے لیے چائے بناؤں بابا جان؟" اس نے بیٹھنے کے ساتھ کچھ ڈرتے ڈرتے انہیں مخاطب کیا تو



چونکنے کے ساتھ انہوں نے گہری سانس کھینچی پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کچھ کہا تم نے؟"

"جی چائے۔"

"ہاں بناؤ تو ہم بھی پی لیتے ہیں۔ وہ بچی تو ناراض ہو کر چلی گئی۔" بابا جان نے کہا تو وہ نظریں چرا کر بولا۔

"بس وہ میری غلطی ہے مجھے اس سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔"

"کب سے جانتے ہو اسے؟" بابا جان کے ہلکے پھلکے انداز سے وہ ٹھٹک گیا۔

"نہیں، میں زیادہ نہیں جانتا بابا جان! بس ایک دو بار ہی ملاقات ہوئی ہے۔"

"اچھی لڑکی ہے تمہیں پسند ہے؟" بابا جان نے اس کے جواب کو یکسر نظر انداز کر کے پوچھا۔

"جی!" اس کا جی نہ سمجھنے والا تھا جس پر بابا جان براہ راست اسے دیکھ کر بولے

"اگر نہیں پسند تو پسند کر لو کیونکہ ہم اسے تمہارے لیے پسند کر چکے ہیں۔"

"جی!" اس کا تحیر انتہا کو چھو گیا تھا۔

"کیا جی جی لگا رہے ہو، ہماری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ وہ لڑکی صباحت شاہ اسے ہم جلد سے جلد اس گھر میں لانا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں تمہارا اکیلا رہنا پسند نہیں۔"

بابا جان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تب بھی اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"تمہاری اور صباحت کی شادی کیا تمہیں اس پر اعتراض ہے؟"

✿.....✿.....✿

"نہیں لیکن میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔" علی جہانگیر نے ایک طرح سے اس کے اتے پتے سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"ہم جانتے ہیں اور جتنا جانتے ہیں اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔" بابا جان نے کہا تو وہ مزید حیران ہوا۔

"آپ، آپ کیسے جانتے ہیں؟"

"ہمارا خون ہے وہ، ہمارے سکندر کی بیٹی، سکندر نے تو ہمیں نہیں بتایا لیکن دیکھو قدرت نے کیسے ہمارے خون کو ہم سے لا ملایا۔" بابا جان کی آنکھیں جانے کس خیال سے چمکنے لگی تھیں پھر ایک دم جیسے اپنے اس خیال سے نکل کر کہنے لگے۔ "یہ بات ابھی تم کسی سے نہیں کہو گے۔ خاص طور سے اس لڑکی پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا یعنی اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا تعلق شاہ پور سے ہے۔ سمجھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا۔" وہ واقعی الجھ گیا تھا۔

بابا جان کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔

"یہ بات تو ضرور تمہارے علم میں ہو گی کہ سکندر نے یہاں شہر میں بھی شادی کی تھی یہ لڑکی صباحت اسی کی بیٹی ہے۔ ابھی اس نے ہمیں اپنے باپ کا نام شاہ سکندر حیات بتایا ہے اور یہ کہ وہ ہیلتھ منسٹر ہیں اس کے بعد کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پتا نہیں سکندر کو اپنی اس بیٹی کے بارے میں علم ہے کہ نہیں، یہ ہم نہیں جانتے کیونکہ اس نے ہمیں یہ تو بتایا تھا کہ یہاں اس کی بیوی ماں بننے والی ہے۔ اس کے بعد کبھی کوئی ذکر نہیں کیا ہو سکتا

ہے، اس عورت نے چالاکی کی ہو اور سکندر سے بیٹی چھپا گئی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنی بیٹی کسی صورت ہمیں نہیں دے گی اور ہم ہر قیمت پر اسے حاصل کریں گے تم ہماری بات سمجھ رہے ہو ناں۔"

"جی!" وہ جو بغور سن رہا تھا اور سمجھ بھی رہا تھا اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"بس تو جب تک صباحت اس گھر میں نہیں آجاتی تب تک اس پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا باقی ہم خود سوچیں گے کہ اس کی ماں تک کیسے پہنچا جائے؟" بابا جان نے کہا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ پوچھنے لگا۔

"اور چچا جان، میرا مطلب ہے، انہیں آپ بتائیں گے یا بے خبر رکھیں گے۔"

"ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ تم بس شادی کی تیاری کرو۔"

بابا جان نے اس کا کندھا تھپکا تو وہ سر جھکا کر کسی خیال سے مسکرا دیا تھا۔

✿—✿—✿

صباحت واپس آئی تو برآمدے میں بیٹھے نبیل اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔

"تم کہاں گئی تھیں؟"

"احمر بھائی کے ساتھ گلدان والی خاتون کے گھر۔" وہ کرسی ان کے قریب کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"پیسے دے دیے؟"

"نہیں، میرا مطلب ہے میں پیسے دینے ہی گئی تھی لیکن آگے انہوں نے بتایا کہ پہلے میں نے جو پیسے بھیجے تھے وہ انہیں مل گئے۔ اصل میں ان کے ملازم نے وصول کیے تھے اور شاید انہیں دینا بھول گیا تھا بے چاری بہت معذرت کر رہی تھیں۔" وہ اس صورتِ حال کے لیے پہلے سے تیار تھی بغیر جھجکے بول گئی۔

"چلو تمہاری بچت ہو گئی اور سنو، آئندہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً بتانا۔" نبیل کی تاکید پر اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا پھر ایک دم یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

"مدھو کی طبیعت کیسی ہے؟ ثوبیہ ہے اس کے پاس یا چلی گئی۔"

"کیا ہوا مدھو کو؟" نبیل نے چونک کر دیکھا۔

"دوپہر میں گلے میں تکلیف کی شکایت کر رہی تھی پھر سو کر اٹھی تو بخار بھی تھا۔ ممّا دوا دے گئی ہیں اور انہوں نے گرم پانی سے غرارے کرنے کو بھی کہا تھا جو شاید مجھے کرنے پڑیں گے۔" وہ بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کرنے نہیں کروانے۔" نبیل کے تصحیح کرنے پر وہ ہنستی ہوئے کمرے میں آئی تھی۔

مدیحہ اور ثوبیہ لڈو کھیلنے میں مصروف تھیں۔ اس نے فوراً ٹوکنے کے بجائے پہلے اپنا پرس الماری میں رکھا پھر کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"مغرب کا وقت ہو رہا ہے، کچھ دیر کے لیے کھیل بند کر دو۔"

"آ گئی بڑی بی۔" مدیحہ اپنی گوٹ چلتی ہوئی بڑبڑائی تو ثوبیہ بے ساختہ ہنسی جس پر وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم نے اپنے نوٹس تلاش کر لیے؟"

"نہیں، یہ گیم ختم ہو جائے پھر کروں گی بلکہ تم دیکھ لو۔" ثوبیہ نے کہا۔ تو اس بار مدیحہ زور سے ہنسی تھی۔

"کیا ہوا۔" ثوبیہ کو اس کی ہنسی سمجھ میں نہیں آئی جبکہ وہ سمجھ گئی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عمر کے چلانے پر اس کا دھیان ادھر منتقل ہو گیا وہ برآمدے میں نبیل بھائی سے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔

مدیحہ اور ثوبیہ بھی لڈو چھوڑ کر سننے کی کوشش کرنے لگی تھیں پھر مدیحہ اسے دیکھ کر بولی۔



"دیکھو تو صبا! کون آیا ہے؟"

"عمر ہے، پتا نہیں کیا کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا پھر جانے لگی تھی کہ عمر وہیں آ گیا۔

"احمر بھائی نہیں ہیں یہاں کہاں گئے؟" عمر نے کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دوست کی بائیک واپس کرنے گئے ہیں خیریت کیا ہوا؟" اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

"ان کا رزلٹ آیا ہے فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی ہے انہوں نے۔" عمر نے شاہے پر جوش انداز میں بتایا تو تینوں خوشی سے چیخ پڑیں۔

"واقعی، کہاں رہ گئے احمر بھائی، ہم ان سے ٹریٹ لیں گے۔"

"ڈبل ٹریٹ کیونکہ اسکالرشپ پر ان کا امریکہ جانے کا خواب بھی سمجھو پورا ہو گیا۔"

عمر نے کہا تو اس بار خوشی کے اظہار میں مدیحہ شریک نہیں تھی۔ خاموشی سے صباحت اور ثوبیہ کو دیکھنے لگی پھر منہ لٹکایا تو عمر اس کے پاس آ بیٹھا اور جھک کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"احمر بھائی ابھی فوراً تو نہیں جا رہے جو آپ اداس ہو گئیں۔"

"میں کیوں اداس ہوں گی؟" مدیحہ نے اسے گھور کر دیکھا تب ہی احمر اندر آتے ہوئے بولا۔

"سنا ہے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔"

"تھی، اب نہیں ہے۔" صباحت نے کہا تو عمر فوراً بولا۔

"اب صرف اداسی ہے۔ ایک منٹ کے لیے سب خاموش ہو جائیں۔ ذرا مدھو کو گانے دیں ہاں مدھو کیا گاؤ گی۔"

"او جانے والے رے ٹھہرو ذرا رک جاؤ۔"

عمر نے باقاعدہ گانا شروع کیا تو مدیحہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر کھینچ مارا۔

"ارے رے، یہ کیا ہو رہا ہے۔" احمر نے عمر کی جوابی کارروائی سے پہلے ہی اس کا بازو پکڑ کر وہاں سے اٹھا دیا۔ پھر باری باری سب کو دیکھ کر بولا۔ "میں تم لوگوں کو خوش خبری سنانے آیا تھا لیکن اب نہیں بتاؤں گا۔"

"نہ بتائیں۔ ہم پھر بھی ٹریٹ ضرور لیں گے۔" ثوبیہ نے کہا تو احمر نے چونک کر کہا تو تم تک خبر پہنچ گئی۔"

"جناب، بہت، بہت مبارک ہو اور اب جلدی سے بتائیں، ٹریٹ کب دے رہے ہیں؟" صباحت نے مبارکباد کے ساتھ فوراً ٹریٹ کا مطالبہ کیا۔

"ٹریٹ بھی میں دوں۔" احمر نے یوں دیکھا جیسے اس نے الٹی بات کہہ دی ہو۔

"اور نہیں تو کیا ہم دیں گے۔ جی نہیں، آپ کو دینی ہو گی اور زبردست قسم کی، ابھی پروگرام بنائیں۔" صباحت اور ثوبیہ نے شور مچا دیا تھا۔

نبیل شور سن کر کمرے میں آئے اور دونوں کو خاموش کرانے کے بعد پوچھنے لگے۔

"کیا معاملہ ہے؟"

"میرے پاس ہونے کی خوشی منائی جا رہی ہے۔" احمر نے کہا تو صباحت پھر چیخ پڑی۔

"جی نہیں، ہم باقاعدہ خوشی منانے کی بات کر رہے ہیں۔"

"میرے جیب خرچ پر۔" احمر نے ٹکڑا لگایا تو نبیل بے ساختہ مسکرائے پھر آگے آ کر مدیحہ کے بیڈ پر

بیٹھے ہوئے بولے۔

"یہ تو واقعی زیادتی ہے۔"

"زیادتی کیوں نبیل بھائی۔ فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی ہے احمر بھائی نے تو کیا اس خوشی میں ٹریٹ نہیں دیں گے؟" صباحت نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تو نبیل نے اس کی بھی تائید کر دی۔

"دینی تو چاہیے۔" پھر مدیحہ کی خاموشی محسوس کر کے اسے ٹوکا۔ "کیوں مدو! تم کیوں خاموش ہو! تمہیں احمر کی کامیابی پر خوشی نہیں ہوئی؟"

"کامیابی کا سن کر تو بہت خوش ہوئی تھی۔" مدیحہ سے پہلے عمر بول پڑا۔ "لیکن جب احمر بھائی کے باہر جانے کا سنا تو اداس ہو گئی۔"

احمر نے چونک کر مدیحہ کو دیکھا تھا جو عمر کی بات سن کر انجان بننے کی کوشش کر رہی تھی اور جب کامیاب نہیں ہوئی تو اس پر بگڑ گئی۔

"تم تو پاگل ہو بالکل اور تمہاری آنکھیں بھی کمزور ہیں۔"

"آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا میں۔ دل سے محسوس کر رہا ہوں تمہاری اداسی، اور میرا دل بالکل ٹھیک کام کرتا ہے کہیں تم اسے بھی کمزور بنا دو۔" عمر نے لڑنے کے انداز میں کہا۔

"بس، اب ترنامت شروع کرو۔ نبیل بھائی منع کریں انہیں۔" صباحت نے بدمزگی کے خیال سے مداخلت کی تو نبیل نے تنبیہ کرنے میں دیر نہیں کی۔

"ہاں بھئی، یہ لڑنے کا موقع نہیں ہے، آرام سے بات کرو۔"

"میں آرام سے ہی بات کر رہا تھا اور کوئی غلط بات بھی نہیں کی! آپ خود دیکھ لیں مدو کے چہرے پر۔"

"بس" نبیل نے ہاتھ اٹھا کر عمر کو بولنے سے روک دیا پھر کہنے لگے۔

"بات ہو رہی تھی باقاعدہ خوشی منانے کی اور وہ بھی احمر کے خرچ پر۔ اب احمر سے پوچھنا ہے کہ اسے خرچ کرنے پر اعتراض کیوں ہے؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے نبیل بھائی! آپ جب چاہیں مجھ سے ٹریٹ لیں۔" احمر نے فوراً کہا تو نبیل باری باری سب کو دیکھ کر بولے۔

"لو احمر تو تیار ہے اب تم لوگ پروگرام سیٹ کر لو لیکن کوئی لمبا چوڑا پروگرام مت بنا لینا بس چھوٹی سی پارٹی ٹھیک رہے گی کیوں مدو؟" آخر میں انہوں نے بلا ارادہ مدیحہ کو مخاطب کیا تھا اور وہ کندھے اچکا کر اتنا ہی بولی۔

"مجھے کیا پتا!"

"مدو کو نہیں چھیڑیں نبیل بھائی! آپ کو پتا تو ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" صباحت اس ارادے سے کہ کوئی محسوس نہ کرے فوراً بات بناتے ہوئے بولی "ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ مدو کسی پروگرام میں پیچھے رہے۔"

"نہیں چلو مدو! تم آرام کرو اور ہاں تم نے دوا لی کہ نہیں؟"

مدیحہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"پہلے اسے کچھ کھلاؤ پھر دوا دینا۔" نبیل اٹھتے ہوئے بولے تو ان کی تقلید میں احمر بھی کھڑا ہو گیا اور سب کی نظر بچا کر مدیحہ کو جانے کیا اشارہ کیا کہ اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا تھا۔





رات کے کھانے کے بعد شاہ سکندر اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے کہ ان کی بیٹی الماس انہیں مخاطب کر کے بولی۔

"پاپا! آپ کو باباجان یاد کر رہے تھے۔"

"ابھی۔" انہوں نے رک کر پوچھا۔

"جی کہہ رہے تھے کھانے کے بعد آپ ان سے مل لیں۔" الماس نے کہا تو انہوں نے خاصی بے دلی سے باباجان کے کمرے کا رخ کیا کیونکہ اس وقت وہ سیاسی حالات پر باتیں کرنے اور سننے کے موڈ میں نہیں تھے جبکہ باباجان کے پاس جب سے وہ منسٹر بنے تھے یہی ایک موضوع تھا۔

"السلام علیکم باباجان!" انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کرنے کے ساتھ پوچھا۔ "آپ نے یاد کیا ہے!"

"اب تو ہم تمہیں یاد ہی کرتے ہیں، ملاقات تو کبھی کبھار ہوتی ہے۔ آؤ بیٹھو۔" باباجان کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

شاہ سکندر خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئے تو باباجان نے پہلے وہی سیاست کا موضوع چھیڑا اور پھر اصل بات پر کہنے لگے۔

"ہر دوسرے دن کی آمد و رفت سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم کراچی ہی میں رہائش اختیار کر لو۔ بال بچوں کو بھی وہیں لے جاؤ۔"

"نہیں باباجان! اول تو یہ آمد و رفت کوئی مسئلہ نہیں ہے دوسرے مہرالنساء بھی کراچی جانے پر آمادہ نہیں ہوں۔" شاہ سکندر نے کہا تو باباجان قصداً تعجب کے اظہار کے ساتھ بولے۔

"کیوں مہرالنساء آمادہ کیوں نہیں ہو گی۔ کیا اسے ابھی بھی کوئی خدشہ ہے؟"

"کیسا خدشہ؟" شاہ سکندر فوراً سمجھ نہیں پائے۔

"وہ جو تم نے ایک غلطی کی تھی ہمارا مطلب ہے شادی۔" بظاہر باباجان کا انداز سرسری سا تھا۔ شاہ سکندر ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگے، وہ بھولے نہیں تھے لیکن اتنے برسوں بعد باباجان نے ذکر کر کے انہیں اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔

"اب تو مہرالنساء کی اولاد جوان ہو گئی ہے۔ اب اسے خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔" کچھ دیر رک کر باباجان نے انہیں متوجہ کیے بغیر کہا پھر جیسے یاد کرتے ہوئے بولے۔ "اس سے بھی تو تمہاری اولاد تھی وہ کیا نام تھا اس لڑکی کا، ہاں آسیہ۔"

شاہ سکندر نے چونک کر انہیں دیکھا لیکن ان کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے پتا چلتا کہ وہ کسی خاص مقصد سے یہ موضوع لے بیٹھے ہیں اور انہیں اپنی طرف دیکھتے پا کر باباجان پوچھنے لگے۔

"کیا ہے اس کے پاس بیٹا یا بیٹی؟"

"مجھے نہیں معلوم، جب میں نے اسے طلاق دی تھی اس وقت وہ ماں نہیں بنی تھی۔" شاہ سکندر نظریں چرا کر بولے تھے۔

"بعد میں بھی تم نے معلوم نہیں کیا؟" باباجان کی کھوجتی ہوئی نظریں ان کے چہرے پر جم گئیں اور وہ بمشکل ضبط کرنے کے بعد بولے تھے۔

"نہیں اور کیوں معلوم کرتا جب آپ اسے اپنا، اپنے خاندان کا نام دینے پر تیار ہی نہیں تھے پھر اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ صرف اپنی ماں کو پہچانے اور بس۔"

"وہ بے شک اپنی ماں کو پہچانے لیکن خود اسے اپنی پہچان کے لیے کیا باپ کے نام کی ضرورت نہیں ہوگی؟ بے باپ کے نام کی اولاد کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا سکندر۔ فرض کرو اگر بیٹی ہوئی تو کون شادی کرے گا اس سے؟" باباجان نے ایک بار پھر ان کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کہ وہ چکرا گئے۔

"کیا... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"یہی کہ اپنی اولاد کو لاوارثوں کی طرح مت چھوڑو۔ اگر بیٹا ہے تو اسے اس کا حق دو تاکہ وہ اپنی زندگی سنوار سکے اور اگر بیٹی ہے تو اسے یہاں لانے کی تدبیر کرو۔ اپنا، اپنے خاندان کا نام دے کر اسے رخصت کرو گے تو ساری زندگی سکھی رہے گی وہ ورنہ..." باباجان نے قصداً بات ادھوری چھوڑ کر انہیں دیکھا تو وہ بمشکل سنبھل کر کہنے لگے۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے باباجان! لیکن ہمارا اب کوئی اختیار نہیں کیونکہ میں نے آسیہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کی زندگی میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد بھی اگر میں ان کے در پر سوالی بن کر جاؤں تب بھی وہ کسی قیمت پر اپنی اولاد کو یہاں بھیجنے پر آمادہ نہیں ہوں گی اس لیے بہتر یہی ہے آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔ آسیہ پڑھی لکھی ذہین خاتون تھیں انہوں نے یقیناً اولاد کی اچھی پرورش کی ہوگی اور آئندہ بھی اس کے لیے وہی بہتر فیصلہ کر سکیں گی۔"

"وہ کتنی بھی اچھی پرورش کرے باپ کا نام دیے بغیر اولاد کو کہیں بھی باعزت مقام نہیں ملتا خصوصاً بیٹی کو۔" باباجان نے کہا تو شاہ سکندر نے یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو۔

چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر باباجان ہنکارا بھر کر بولے۔

"ہوں، تم اگر خود کو آسیہ سے کیے وعدے کا پابند سمجھ کر اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے تم اس معاملے سے دور رہو ہم خود کوئی تدبیر کر لیں گے۔"

"نہیں باباجان! اب آپ کچھ نہیں کریں گے۔" شاہ سکندر فوراً بولے تھے۔ "میں نے آپ کے کہنے پر آسیہ کو طلاق اسی شرط پر دی تھی کہ آپ بھی اس کی زندگی میں مداخلت نہیں کریں گے اور آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

"یاد ہے ہمیں بھولے نہیں ہیں۔ ہمیں اس عورت سے کوئی سروکار نہیں، ہم صرف تمہاری اولاد کی بہتری سوچ رہے ہیں۔ تمہیں بھی سوچنی چاہیے اگر بیٹی ہے تو اس کے لیے اسی حویلی میں رشتے موجود ہیں۔ یونس یا جہانگیر کے بیٹوں میں سے تم جس کے ساتھ کہو گے ہم اس کی شادی کر دیں گے۔ اس طرح تمہاری بیٹی تمہارے قریب رہے گی لیکن مسئلہ یہی ہے کہ وہ عورت آسیہ نہیں مانے گی۔" باباجان نے دھیرج سے بات کرتے ہوئے آخر میں کچھ تنفر سے کہا تھا۔

شاہ سکندر پرسوچ انداز میں انہیں دیکھے گئے بولے کچھ نہیں۔

"اور ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم شاہوں کی بیٹیاں غیروں میں نہیں بیاہی جاتیں، ہم آسیہ کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے نہیں جا رہے، آخر کہیں نہ کہیں تو اسے بیٹی بیاہنی ہوگی۔ ساری زندگی اپنے پاس تو نہیں بٹھائے رکھے گی پھر کیوں نہ اس بیٹی کو اس کا اصل گھر، اصل مقام مل جائے۔ ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں؟"

باباجان نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے شاہ سکندر کو سوچوں کے بھنور سے نکالا تو وہ گہری سانس کھینچ



کر بولے۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں لیکن..."

"تم صرف ہامی بھرو۔" باباجان فوراً بول پڑے۔ "باقی سارے کام ہمارے اور ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آسیہ سے بیٹی چھین کر نہیں لائیں گے بلکہ اسی کے گھر سے شاہ علی جہانگیر کے ساتھ بیاہ کر لائیں گے۔"

شاہ سکندر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اثبات میں سر ہلایا پھر محض اپنی بات رکھنے کی خاطر کہنے لگے۔

"اب پتا نہیں باباجان، آسیہ کے پاس بیٹی ہے یا بیٹا۔"

"ہم معلوم کر لیں گے۔ بیٹا ہوا تب بھی ہم اس کے لیے بہت کچھ کریں گے۔" باباجان نے اندر ہی اندر مطمئن ہو کر کہا تھا۔

"اچھی بات ہے، اب آپ آرام کریں۔" شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے اور شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکلے تو ان کے ذہن پر اپنی ہی بات دستک دینے لگی تھی۔

"پتا ہے آسیہ! میں نے کیا سوچا ہے اگر ہماری بیٹی ہوئی تو ہم اس کی شادی علی جہانگیر کے ساتھ کریں گے۔"

علی جہانگیر کے لیے یہ انکشاف بڑا خوش کن تھا کہ صباحت اس کی عم زاد ہے۔ اس کے بعد باباجان نے اس کے ساتھ اس کی شادی کا طے کر کے تو گویا پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ صباحت کے ساتھ کوئی زبردستی ہو۔ کیونکہ اس کے پیش نظر صرف اپنی خوشی نہیں تھی۔ وہ اس سے بھی اس کی مرضی معلوم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ اس پر اپنا آپ ظاہر کرے۔ وہ اپنے اسی پرانے ناتے سے خود کو اس کے سامنے کھڑا کر سکتا تھا۔ یوں جیسے اتفاقاً سامنا ہوا ہو جیسے پہلے کئی بار ہوا تھا اور اس کے لیے وہ ہر شام لائبریری جانے لگا تھا اسے یقین تھا کہ اس روز یہاں سے وہ جو کتابیں لے گئی تھی وہ واپس کرنے ضرور آئے گی اور وہ آئی بھی تو اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ دوسری لڑکی کو دیکھ کر وہ خاصا جزبز ہوا پھر بظاہر انجان لیکن سارا دھیان اس پر رکھ کر انتظار کرنے لگا کہ کہیں تو وہ دوسری لڑکی ادھر ادھر ہوگی۔

وہ دونوں کتابیں دیکھتی ہوئی اس کی پشت پر الماری کے پاس آ کھڑی ہوئیں تو اس کا دل چاہا ساری مصلحتوں کا دامن چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لے اور بغیر کسی تمہید کے پوچھے کہ وہ اسے کیسا لگتا ہے؟ اور ابھی وہ اپنے دل کو یہ جسارت کر گزرنے سے باز رکھنے کی سعی کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ کھڑی دوسری لڑکی آگے بڑھتی نظر آئی تب وہ فوراً کرسی دھکیل کر اٹھا اور اس کے برابر کھڑا ہو کر سابقہ انداز میں اسے متوجہ کیا۔

"ہیلو!"

صباحت نے چونک کر اسے دیکھا پھر فوراً نظر انداز کر کے تو بیہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی تو وہ گھما کر انگوٹھے سے اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"آپ کی دوست ادھر جا رہی ہیں جانے دیں یا اگر پکارنا چاہیں تو بے شک پکار لیں کیونکہ مجھے جو کہنا ہے وہ اس کے سامنے بھی کہہ سکتا ہوں۔"

"کک... کیا کہنا ہے آپ کو؟" صباحت کچھ گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن اس وقت صرف اتنا کہوں گا کہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ کی طرف سے یہ یقین چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ناپسند نہیں کرتیں۔" وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر سوالیہ نشان

بن گیا۔

صباحت کا دل یکبارگی بہت زور سے دھڑکا تھا بمشکل خود پر قابو پا کر بولی۔

"اور اگر میں یہ یقین نہ دوں تو؟"

"تو میں سمجھوں گا آپ کے دل کی بستی میں پہلے ہی کوئی اپنے نام کے پھول کھلا چکا ہے جس کی محبت میں آپ اتنی آگے نکل چکی ہیں کہ۔۔۔"

"جی نہیں۔" وہ بے اختیار اس کی بات کاٹ گئی پھر احساس ہونے پر نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"آپ کو میرے بارے میں کچھ قیاس کرنے اور سمجھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں، مجھے یہ حق میری محبت نے دیا ہے، جس کا میں پوری ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے آپ کو پرپوز بھی کر رہا ہوں اور جب تک آپ جواب نہیں دیں گی، میں یونہی قیاس کرتا رہوں گا اور دوسرے موڑ پر آپ سے ملوں گا بھی ضرور۔" وہ بے حد مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

صباحت نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر نظروں کا زاویہ بدل کر ثوبیہ کو دیکھنے لگی جو شیلف کی الماریوں میں دیکھتی ہوئی آخری سرے تک چلی گئی تھی۔

"کچھ کہیں گی نہیں آپ؟" اس نے ٹوکا تو صباحت نے ثوبیہ کی طرف سے دھیان ہٹا کر پھر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا تو وہ کیوں کا سوال اٹھانے کی بجائے پوچھنے لگا۔

"آپ کہیں انگیج ہیں؟" صباحت نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا تو وہ بہت مطمئن سا ہو کر بولا۔

"اوکے، ایک آخری بات، میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟"

"انتہائی فضول۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو اس کے پیچھے کو دیکھتے ہوئے علی جہانگیر دھیرے سے مسکرایا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر اترتے رنگوں کے قوس قزح وہ دیکھ چکا تھا۔

"تم دونوں کہاں چلی گئی تھیں؟" وہ ثوبیہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی کہ مدیحہ نے چلا کر پوچھا۔

"لائبریری۔" ثوبیہ مختصر جواب دے کر وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی تھی۔

"بتا کر نہیں جا سکتی تھیں؟" مدیحہ نے اس کی طرف رخ موڑا۔ انداز ہنوز تھا جو اسے سخت ناگوار گزرا پھر بھی بڑے ضبط سے بولی۔

"مما سے میں نے پوچھ لیا تھا اور تم سو رہی تھیں ورنہ جاتے ہوئے تمہیں بھی ضرور بتا کر جاتی گو کہ یہ کوئی ایسا ضروری نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا۔" عمر ہنستا ہوا آ گیا اور اس کی تائید کرنے کے بعد مدیحہ کو دیکھ کر بولا۔ "تم کیا اس کی دادی ہو جو یوں اس پر رعب جماتی ہو۔"

"تم ہمارے بیچ میں مت بولا کرو۔" مدیحہ نے اسے ٹوکا تو وہ لڑنے کے انداز میں کہنے لگا۔

"ساحل صرف تمہارا نہیں ہے سب کا ہے، کیا امیر کیا غریب سب جا سکتے ہیں، وہاں کوئی ٹیکس نہیں لگتا۔"

صباحت کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔

"ہونہہ" مدیحہ نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا۔ "تمہاری فضول باتوں پر فضول لوگ ہی ہنستے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے ایک تمہیں چھوڑ کر باقی سب یہاں فضول ہیں ہاہاہا۔" عمر خاصے بے ڈھنگے



انداز میں ہنسا جس پر مدیحہ مزید سلگ کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ صباحت فوراً بول پڑی۔

"اس کا ایسا کوئی مطلب نہیں ہے عمر! یہ صرف تمہیں اور مجھے فضول سمجھتی ہے اور میرا خیال ہے غلط بھی نہیں سمجھتی۔"

"تمہارا خیال بالکل غلط ہے میں ثابت کر سکتا ہوں۔" عمر نے کہا۔

"اچھا اچھا اس وقت نہیں پھر کبھی فرصت سے ثابت کرنا ابھی تو مجھے اور بہت کام ہیں۔" صباحت کہتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر آ گئی اور پہلے لائبریری سے لائی ہوئی کتابیں اپنے کمرے میں رکھیں پھر بوا کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔

"مدو کو کیا ہوا ہے بوا؟"

"بوا سے کیا پوچھ رہی ہو مجھ سے پوچھو۔" عقب سے مدیحہ نے کہا تو اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں تم ہی بتاؤ۔"

"تمہیں یاد نہیں ہے، دوپہر میں ہم نے کیا پروگرام بنایا تھا پھر تم ثوبیہ کے ساتھ کیوں چلی گئیں؟" مدیحہ نے کہا تو وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"اوہ سوری، سوری مدو، مجھے بالکل یاد نہیں رہا تھا، چلو ابھی چلتے ہیں۔"

"جی نہیں، تمہارے ساتھ تو اب میں کبھی نہیں جاؤں گی۔" مدیحہ نے غصے سے کہا۔

"تمہاری مرضی، ویسے ماننے والی تو کوئی بات نہیں ہے بس میں انسان ہوں، بھول ہو گئی مجھ سے پھر سوری بھی کر رہی ہوں اس کے بعد بھی تمہارا غصہ نہیں جاتا۔" وہ تاسف سے کہتی کچن میں داخل ہو گئی اور چولہے پر چائے کا پانی رکھ کر بوا سے پوچھنے لگی۔

"نبیل بھائی کہاں گئے ہیں بوا؟"

"پتا نہیں بیٹا۔ ابھی تمہارے بڑے ماموں کا فون آیا تھا، وہ بھی پوچھ رہے تھے، اور کہہ رہے تھے نبیل میاں بہت دنوں سے ان کی طرف نہیں گئے۔" بوا نے کہا تو وہ خاصی متعجب ہوئی۔

"ہائیں نبیل بھائی بڑے ماموں کے پاس نہیں گئے تو پھر روزانہ کہاں جاتے ہیں؟"

"نہیں بھی جاتے ہوں، تمہیں کیا۔" دروازے کے پاس کھڑی مدیحہ نے ٹوکنا ضروری سمجھا پھر بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی تو وہ کچھ بے خیالی میں بوا کو دیکھنے لگی۔

"ٹھیک تو ہے بیٹا تم کیوں پریشان ہوتی ہو نبیل میاں کوئی بچے تو نہیں ہیں۔" بوا نے اپنی سمجھ کے حساب سے اسے تسلی دی تو وہ چونک کر بولی۔

"میں پریشان نہیں ہو رہی بوا۔ خیر چھوڑیں، یہ بتائیں آپ چائے پئیں گی؟"

"نہیں اور مدو کے لیے بھی نہیں بنانا وہ ابھی پی کر نیچے گئی تھی۔"

"اس کے لیے تو میں ویسے بھی نہیں بناؤں گی۔" اس نے کہا پھر صرف اپنے لیے ایک مگ میں چائے انڈیل کر ٹیرس کی طرف نکل آئی۔

ابھی شام پوری طرح نہیں اتری تھی وہ ریلنگ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے کے ساتھ دھیرے دھیرے گنگنانے بھی لگی تھی۔ کوئی خوبصورت سا گیت تھا، جس کے بولوں میں کھو کر وہ گرد و پیش سے بیگانہ ہو گئی تھی یہاں تک کہ شام گہری ہو چلی تھی بوا نے آ کر لائٹ جلائی تب وہ بری طرح چونکی تھی۔

"یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو بیٹی؟" بوا نے غالباً یونہی پوچھ لیا تھا جب ہی جواب کا انتظار کیے بغیر واپس پلٹ گئیں۔

اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے سر اونچا کیا تو نظروں کے عین سامنے شام کا پہلا ستارہ جگمگانے لگا جسے دیکھ کر اس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے کہ اس ستارے کی جگہ اس چہرے نے لے لی جس کی کمان ابروؤں تلے تسخیر کر لینے والی آنکھیں بولنے لگی تھیں۔

"مجھے یہ حق میری محبت نے دیا ہے جس کا میں پوری ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے آپ کو پرپوز بھی کر رہا ہوں اور جب تک آپ جواب نہیں دیں گی، میں یونہی قیاس کرتا رہوں گا اور ہر دوسرے موڑ پر آپ سے ملوں گا بھی ضرور۔"

اس نے گھبرا کر پلکیں جھپکیں پھر دوبارہ اس طرف دیکھا تو وہی آنکھیں تھیں۔

"ایک آخری بات کہ میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟"

"ہوں۔" وہ کوئی خوبصورت جواب سوچنے لگی تھی کہ نبیل کی اسٹک کی آواز نے یک لخت اس کے ذہن کو جھنجوڑ دیا۔ خاموشی میں ٹک ٹک کی آواز بہت واضح تھی۔ وہ سنبھل کر یوں بیٹھ گئی جیسے ان کی آمد سے بے خبر ہو۔

"صبا!" چند لمحوں بعد نبیل نے پکارا تھا۔

"جی بھائی!" اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا پھر اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟ بتا کر بھی نہیں گئے۔"

"کسے بتاتا، مدحو سو رہی تھی اور تم" ابھی بات ان کے ہونٹوں میں تھی کہ وہ بول پڑی۔

"میں ثوبیہ کے ساتھ لائبریری گئی تھی۔"

"ہاں جاتے ہوئے بتایا تھا تم نے اور اب مدحو کہاں گئی ہے؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نیچے ہوگی۔" اس نے قدرے لاپروائی سے کہا۔

"نظر تو نہیں آئی۔ قریباً آدھا گھنٹہ میں اماں جی کے پاس بیٹھا ہوں۔ اس کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔" نبیل کچھ سوچتے ہوئے انداز میں بولے تو اس نے اٹھ کر ریلنگ سے نیچے جھانک کر دیکھا اور کوئی نظر نہیں آیا تو وہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کہاں جائے گی نبیل بھائی، ہوگی سونیا آپی کے کمرے میں، ابھی جب مما کے آنے کا وقت ہوگا دیکھیے گا ان سے پہلے بھاگتی آئے گی۔"

"ہوں۔" نبیل بس ہوں کر کے رہ گئے تو قدرے توقف سے وہ انہیں متوجہ کر کے کہنے لگی۔

"نبیل بھائی! وہ بڑے ماموں کا فون آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہے تھے، میرا تو خیال تھا آپ وہیں گئے ہوں گے۔"

"نہیں۔ میں کافی دنوں سے وہاں نہیں گیا۔ جاؤں گا ایک دو دن میں، فوراً تو نہیں بلایا پاپا نے؟" نبیل نے صاف گوئی سے بتا کر پوچھا۔

"نہیں، میرا مطلب ہے فون بوا نے سنا تھا کہ اگر انہیں کوئی کام ہوگا تو وہ پھر فون کر لیں گے یا آپ۔



عمر کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"السلام علیکم نبیل بھائی!" عمر تھامے تھکے ہوئے انداز میں سلام کر کے نبیل کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بولا۔ "توبہ توبہ چکرا دیا اس لڑکی نے۔"

"کس لڑکی نے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"وہ جو میری بھاوج بنے گی تمہاری بہن مدحیہ بیگم، اسے پردیس جانے والے کے لیے کوئی تحفہ خریدنا تھا اس کے چکر میں شہر کے سارے بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد آخر اس نے تحفہ خریدا بھی تو ایک روپے والا۔" عمر نے جلے کٹے انداز میں بتایا۔

"واقعی۔" اس کی بے ساختہ ہنسی میں بے یقینی شامل تھی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، پوچھ لو جا کر اس سے۔" عمر اس کے ہنسنے سے مزید تپ گیا۔

"نہیں، میں تمہارا یقین کر رہی ہوں۔ یہ بتاؤ، اس نے احمر بھائی کے لیے تحفہ کیا لیا؟" اس نے فوراً ہنسی روک کر تجسس سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا؟ مجھے تو اس نے آئس کریم لینے بھیج دیا تھا اور جب میں واپس آیا تو وہ اطمینان سے بولی 'میرا کام ہو گیا۔ اب گھر چلو' پھر میں تمام راستہ پوچھتا رہا کہ کیا خریدا لیکن اس نے بتا کے نہیں دیا" عمر کو غالباً اسی بات کا غصہ تھا۔

"تمہیں پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" نبیل جو بہت خاموشی سے دونوں کی باتیں سن رہے تھے ٹوک دیا۔

"کیوں نبیل بھائی، اس میں اتنی رازداری برتنے کی کیا بات ہے؟"

"ہے یا نہیں، یہ بتاؤ احمر کے ویزے کا کیا ہوا؟" نبیل نے فضول بحث چھوڑ کر کام کی بات پوچھی تو عمر کا موڈ یک لخت بدل گیا۔

"مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے نبیل بھائی! ان ہی سے معلوم کیجئے گا۔"

"اچھا آئے تو بھیجنا اسے میرے پاس۔" نبیل کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رک کر بولے۔

"صبا! پھوپھو آنے والی ہوں گی کھانا لگا دو۔"

"جی اچھا۔" وہ انہیں جواب دے کر عمر کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "ستو کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ بوا نے تمہارے پسندیدہ کوفتے بنائے ہیں۔"

"ساتھ میں کیا ہے روٹی یا چاول؟"

"دونوں، چلو اٹھو مما آ رہی ہیں۔" اس نے ریلنگ سے آسیہ کی گاڑی دیکھ کر کہا پھر بھاگ کر کچن کا رخ کیا تھا۔



بابا جان نے شاہ جہانگیر کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور ایک طویل عرصے بعد ان کے انداز میں وہی اداری تھی جیسی شاہ سکندر کو آسیہ کے معاملے سے نکالنے میں انہوں نے برتی تھی جسے شاہ جہانگیر نے ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا اور بہت اطمینان سے بیٹھتے ہی اپنی مصروفیات بتانے لگے جو تحمل سے سننے کے بعد بابا جان بولے تھے۔

"تم نے ہمیں اتنا بے خبر کیسے سمجھ لیا جہانگیر! ہم صرف اپنی اولاد ہی کی نہیں اولاد کی اولاد کی بھی خبر رکھتے ہیں جو تم نہیں رکھتے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں باباجان! کم از کم میں اپنی اولاد سے بے خبر نہیں ہوں۔" شاہ جہانگیر نے یقین سے کہا۔

"اچھا پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ شہر میں تمہارے بیٹے علی نے جو لڑکی پسند کی ہے وہ کون ہے؟" باباجان نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چکرا گئے۔

"علی، علی نے شہر میں۔۔۔ نہیں باباجان! آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہوگی۔۔۔"

"ہمیں کسی نے اطلاع نہیں دی جہانگیر! خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں اس لڑکی کو اور اس کے بارے میں جاننے کے بعد یہ فیصلہ بھی کر چکے ہیں کہ علی کی شادی اسی کے ساتھ ہوگی۔"

باباجان نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا کر شاہ جہانگیر سے اختلاف کا حق ہی چھین لیا البتہ ان کے ذہن میں کئی سوال ابھر رہے تھے جنہیں سوچنے کے بعد وہ کہنے لگے۔

"میں نہیں سمجھتا باباجان! کہ آپ نے یہ فیصلہ علی کی محبت میں کیا ہوگا کیونکہ محبت کو آپ نے کبھی کمزوری نہیں بننے دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج سکندر کی دوسری بیوی یہاں موجود ہوتی۔ آپ اسے طلاق نہ دلواتے۔"

"ہوں۔" باباجان نے ان کی بات سکون سے سن کر ہنکارا بھرا پھر کہنے لگے۔

"ٹھیک سمجھے ہو تم۔ ہمارے فیصلوں میں محبت کی کمزوری شامل نہیں ہوتی اور ابھی بھی ہم نے علی کی محبت میں نہیں سوچا بلکہ وہ لڑکی جسے علی پسند کرتا ہے اسے اس حویلی میں لانا مقصد ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا خون ہے ہمارے سکندر کی بیٹی۔"

"آپ کا مطلب ہے۔" شاہ جہانگیر اس انکشاف پر بس اسی قدر کہہ سکے۔

"ہاں اسی شہر والی ڈاکٹرنی کی اولاد جس کے بارے میں سکندر کو بھی معلوم نہیں تھا۔ ہم نے بتایا ہے اسے اور یہ بھی کہ اس کی بیٹی کو ہم علی کے ساتھ بیاہ کر لے آئیں گے۔" باباجان اسی سکون سے بول رہے تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے باباجان لیکن آسیہ، وہ اپنی بیٹی ہمیں دینے پر کیسے آمادہ ہوگی۔" شاہ جہانگیر نے اس خدشے کا اظہار کیا جو ابھر پہلے سے موجود تھا۔

"یہی تو سوچنا ہے ہمیں کہ اس سے بیٹی کس طرح حاصل کی جائے۔ سکندر سے ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ آسیہ سے ہم بیٹی چھین کر نہیں لائیں گے بلکہ اسی کے گھر سے شاہ علی جہانگیر کے ساتھ بیاہ کر لائیں گے اور ہم اپنے وعدے سے نہیں پھرتے۔ تم کوئی ایسی تدبیر کرو کہ آسیہ اس رشتے پر راضی ہو جائے۔" باباجان نے اپنی آخری بات پر شاہ جہانگیر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"ناممکن۔"

"یہاں کچھ ناممکن نہیں ہے جہانگیر! ہمیں ہر قیمت پر اس لڑکی کو حاصل کرنا ہے اور سکندر سے کیے وعدے کے مطابق۔" باباجان نے ان کے ناممکن کہنے پر ناگواری کے اظہار کے ساتھ کہا تھا۔

شاہ جہانگیر خاموش ہو کر سوچنے میں لگ گئے۔ پھر اچانک کسی خیال کے تحت پوچھنے لگے۔

"کیا وہ لڑکی جانتی ہے کہ علی سے اس کا کیا رشتہ ہے؟"

"نہیں اور ہم نے علی کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ ابھی وہ اس پر اپنا آپ ظاہر نہ کرے اور نہ اس کے



سامنے یہاں یعنی شاہ پور کا ذکر کرے۔" باباجان نے کہا تو شاہ جہانگیر فوراً بولے تھے۔

"پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے باباجان، ہم کسی اور کے ذریعے سے یہ رشتہ طے کروا لیتے ہیں میرا مطلب ہے اپنے ہی خاندان کا کوئی اور فرد کیونکہ آسیہ اور اس کے گھر والے سکندر کو جانتے ہیں یا پھر انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔"

"ہوں۔" باباجان کتنی دیر پرسوچ انداز میں سر ہلانے کے بعد کہنے لگے۔ "تم اپنی بیگم اور بیٹی کو علی کے پاس بھیج دو اور انہیں سارا معاملہ سمجھا کر بیگم سے کہو کہ وہ آسیہ سے راہ و رسم بڑھا کر اس سے بیٹی مانگے، ہمیں یقین ہے علی جیسے لائق فائق لڑکے کے لیے انکار نہیں ہوگا۔"

"بشرطیکہ آسیہ کو شبہ نہ ہو تو۔" شاہ جہانگیر نے کہا۔

"اس کے لیے سب سے زیادہ تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی، سمجھے تم۔" باباجان کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"بالکل سمجھ گیا باباجان اور اب مجھے عارفہ (بیگم) کو سمجھانا ہے۔" شاہ جہانگیر جیسے نئی مہم کے لیے تیار ہو کر اٹھے تھے۔



مدیحہ کی غیر معمولی طویل خاموشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو گھنٹے سے احمر اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہو کر آخر میں جھنجلا گیا تھا۔

"خدا کے لیے مدحو! کچھ بولو ورنہ میں سمندر میں کود جاؤں گا اور یہ صرف میری دھمکی نہیں ہے میں جو کہتا ہوں فوراً عمل کرتا ہوں۔"

مدیحہ ڈوبتے سورج سے نظریں ہٹا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو کیا بولوں اور وہ سمجھ کر کہنے لگا۔

"کچھ بھی، مثلاً یہ کہ تم میرے جانے سے اداس ہو اور یہ کہ باہر جا کر میں تمہیں بھول نہ جاؤں۔ روزانہ خط لکھوں اور تم بھی روزانہ جواب لکھو گی۔"

"جی نہیں۔" وہ بے اختیار بول پڑی۔ "میں کوئی روزانہ روزانہ نہیں لکھوں گی۔"

"چلو ہفتے میں ایک۔" احمر نے اس کی خاموشی ٹوٹنے پر دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے کہا۔

"جناب، مجھے ایک خط لکھنے میں پورا ایک ہفتہ لگتا ہے اس کے بعد پوسٹ کروانے میں آج کل، آج کل سوچتے سوچتے کتنے دن نکل جاتے ہیں۔ اس حساب سے آپ کے پندرہ خطوں کے جواب میں میرا ایک خط آپ تک پہنچے گا۔" مدیحہ نے بغیر کسی عذر کے کہا۔

"کیسی لڑکی ہو میرا دل رکھنے کی خاطر ہی کہہ دیتیں کہ روزانہ خط لکھوں گی۔" احمر کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

"چلیں اب کہہ دیتی ہوں روزانہ لکھوں گی۔" اس کے روٹھے سے انداز پر وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

"تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔"

"زبردستی رکھوائیں گے تو ایسے ہی رکھوں گی ناں۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو احمر اس کی

بات پر بے ساختہ ہنسا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا چاہتی ہو تم، سارا وقت تمہاری خوشامد کرتا رہوں۔ پہلے دو گھنٹے تم نے خاموشی میں گزار دیے اب پھر ناراض ہو رہی ہو۔ اگر اسی طرح کرنا تھا تو آئی کیوں تھیں میرے ساتھ؟"

"نہ آتی تو آپ ناراض ہوتے۔" وہ اسی طرح منہ پھلا کر بولی تھی۔

"اگر میری ناراضگی کی پروا ہے تو فوراً اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ ورنہ میں جانے کے وقت تک تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔" احمر کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ کچھ خائف سی ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ بہت خراب ہیں، ایک تو مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"ہمیشہ کے لیے تو نہیں جا رہا۔" وہ فوراً بولا تھا "اور پھر تمہارے لیے ہی جا رہا ہوں، تمہیں بائیک پسند نہیں ہے۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے وہاں سے گاڑیاں لے کر آئیں گے۔"

"تم دعا کرو کہ اس قابل تو بن کر آؤں گا ناں اور پھر تم جس گاڑی پر ہاتھ رکھو گی وہی تمہاری ہو گی۔ میرے لیے دعا کرتی رہنا۔ کرو گی ناں؟" احمر نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس نے فوراً اپنا رخ دوسری سمت موڑ لیا لیکن اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی وہ دیکھ چکا تھا۔

"کم آن مدحو! اگر اس طرح کرو گی تو میں اپنا جانا کینسل کر دوں گا۔ بے وقوف لڑکی! دو سال کی تو بات ہے اور وہ یوں گزر جائیں گے۔" احمر نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ مزید سر جھکا کر پلکوں تک آئی نمی انگلیوں پر سمیٹنے لگی۔

"چلو اب یہاں بیٹھنا خطرناک ہے۔ لوگ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔" احمر اس کا دھیان بٹانے کی خاطر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "پیدل ہی چلو گی؟"

وہ نفی میں سر ہلا کر اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی جسے تیز ہوا اڑائے لیے جا رہی تھی بس ایک سرا اس کے ہاتھ میں تھا۔

احمر نے بڑھ کر دوپٹے کا دوسرا سرا تھام لیا اور اس کی گردن میں لپیٹ کر آگے بڑھ گیا تو وہ قدرے سست روی سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔

"آئس کریم یا کچھ اور!" بائیک کے قریب رک کر احمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے اس کا دل رکھنے کی خاطر قصداً مسکرا کر بولی۔

"کچھ اور۔۔۔ لیکن میں کچھ نہیں بتاؤں گی کہ جو آپ کا دل چاہے۔"

"اچھی بات ہے چلو۔" احمر نے بائیک اسٹارٹ کر کے اسے اشارہ کیا کہ اس کے بیٹھتے ہی اس نے بائیک بھگا دی تو وہ چیخ پڑی۔

"آہستہ۔۔۔ میں گر جاؤں گی۔"

احمر پر اس کے چیخنے کا کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ وہ محظوظ ہو رہا تھا جب ہی بائیک کو ... اور جب اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ کے سامنے روکا تو وہ فوراً اچھل کر اس سے دور جا کھڑی ہوئی اور ... گھورتے ہوئے بولی۔

"بس، میں آج آخری بار آپ کے ساتھ آئی تھی۔ آئندہ بھی کہیں نہیں جاؤں گی اور مجھے ...

---

...چاہتی ہے میں جا رہی ہوں۔"

"ارے رے۔" احمر بائیک بند کر کے اس کے قریب آیا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

"گھر ہی جاؤں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تو چلو کیوں رک گئی ہو، چلو گھر ہی چلتے ہیں۔"

"جی نہیں مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔ آپ جائیں اپنی بائیک پر، میں پہنچ جاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔" وہ غصے سے کہتی تیز قدموں سے ایک طرف چل پڑی تو احمر بوکھلا کر چند قدم اس کے پیچھے چلا پھر خیال آنے پر واپس پلٹ کر بائیک اسٹارٹ کر کے اس کے قریب لے گیا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے مدحو! چلو بیٹھو۔"

"میں نے کہا ناں، آپ کے ساتھ نہیں جانا تو نہیں جانا۔" اس نے ایک طرف رک کر حتمی انداز میں کہا پھر چل پڑی۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے مدحو! ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آ جاتی ہو۔ چلو اب میں بہت آرام سے چلاؤں گا۔" احمر نے نرمی سے ٹوکتے ہوئے کہا لیکن اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔

"سنا نہیں تم نے میں کیا کہہ رہا ہوں اکیلی جاؤ گی تو پھوپھو کو کیا جواب دو گی؟ آج چھٹی کا دن ہے وہ گھر پر ہی ہیں۔" احمر نے اسے آسیہ کے غصے سے خائف کرنا چاہا تو یہ ایک دم رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ممّا چاہے مجھے جان سے مار دیں۔ میں اکیلی ہی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے جاؤ اور۔" احمر نے وارننگ کے انداز میں انگلی اٹھائی تھی پھر ایک دم ہونٹ بھینچ گیا تو وہ رخ موڑ کر پھر چل پڑی اور جیسے ہی خالی رکشہ نظر آیا اس میں بیٹھ گئی۔

احمر کچھ دیر وہیں رک کر جاتے ہوئے رکشے کو دیکھتا رہا پھر اپنی بائیک اس کے پیچھے لگا دی اور تمام راستے اپنے آپ پر جھنجھلاتا رہا کہ وہ کیوں اسے آسیہ کے عتاب سے بچانا چاہتا ہے؟

گھر کے سامنے مدحیہ جیسے ہی رکشے سے اتری احمر بائیک اس کے قریب لے آیا اور جیب سے والٹ نکالتا ہوا بولا۔

"تم اندر جاؤ۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی لیکن اندر نہیں گئی تو احمر نے پہلے رکشہ فارغ کیا پھر اسے دیکھ کر قدرے طنز سے بولا۔

"اب ڈر کیوں رہی ہو جا کر بتاؤ پھوپھو کو اپنا کارنامہ، بہت طرم خان بنتی ہو ناں، کسی دن میرے ہی ہاتھوں سے ضائع ہو جاؤ گی بلکہ پھوپھو کا خیال کرتا ہوں ورنہ۔" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے گیٹ دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی اور سیدھی اوپر جانے کے لیے تیزی سے صحن عبور کر کے برآمدے تک آئی تھی کہ عمر راستے میں آ گیا۔

"ارے رے، یہ آندھی طوفان کی طرح کہاں جا رہی ہو؟ میں یہاں کب سے تمہارے انتظار میں آنکھیں دروازے پر لگائے بیٹھا ہوں اور وہ پرنس آف ویلز کہاں ہیں۔"

"پرنس آف ویلز پہلے مانگے کی بائیک واپس کریں گے پھر آئیں گے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہہ کر سر جھٹکا۔

"واہ لگتا ہے بڑے بھائی نے تمہاری موجودگی میں کسی اور کو لفٹ کرا دی ہے جب ہی تمہارا موڈ۔"

"بکو مت۔" وہ عمر کو دھکا دے کر سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آئی تو سامنے آسیہ کو دیکھ کر قدرے جھجک گئی۔ گو کہ اس کی اجازت سے ہی احمر اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا پھر بھی وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی اور آسیہ نے محسوس کر کے ہی قصداً اس کی طرف سے دھیان ہٹایا تھا کہ وہ فوراً اپنے کمرے میں داخل ہو گئی اور بیڈ پر گرتی ہوئی اپنے آپ سے بولی۔

"پتا نہیں احمر کیسے مما سے پوچھ لیتے ہیں؟"

"کیا پوچھ لیتے ہیں؟" صباحت نے اس کی خود کلامی سن کر پوچھا تو اس نے چونک کر آواز کی سمت گردن موڑی اور صباحت کو استری کرتے دیکھ کر بولی۔

"میں نے تم سے تو کچھ نہیں کہا۔"

"میرے علاوہ اور کون ہے یہاں، اچھا سمجھ گئی اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔"

صباحت شرارت سے ہنسی اور اس کے خاموش رہنے پر استری کا پلگ نکالتے ہوئے بولی۔ "سوری اب میں مداخلت نہیں کروں گی تم اپنا شغل جاری رکھو، میں جا رہی ہوں۔"

"سنو!" اس نے اچانک کسی خیال کے تحت صباحت کو پکار لیا۔ "کیا واقعی احمر اسی ہفتے جا رہے ہیں؟"

"ہاں کیوں؟" صباحت سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بس پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے......" وہ اپنے ہی خیال میں گم ہو کر جانے کیا کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو کچھ دیر رک کر صباحت اس کے پاس آبیٹھی اور دھیرے سے اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

"تم کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہو مدحو! کوئی بہت لمبے عرصے کے لیے تو نہیں جا رہے احمر بھائی جلدی آجائیں گے۔"

"آں، ہاں۔" اس نے چونک کر خود کو سنبھالا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلو مما اکیلی پتا نہیں ہمارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی؟"

"یہی کہ تم مجھے احمر بھائی کی سنگت میں گزرے لمحات کی روداد سنا رہی ہو گی۔ ویسے کہاں لے گئے تھے وہ تمہیں؟"

"ساحل پر لیکن پتا نہیں کیوں آج مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگا اور میں نے احمر کو ناراض بھی کر دیا لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، وہ بائیک اتنی اسپیڈ سے چلا رہے تھے کہ مجھے غصہ آ گیا اور واپسی میں میں۔" آسیہ کے پکارنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

پھر چند دن بڑی افراتفری میں گزرے، جس شام احمر کو جانا تھا اس روز صبح ہی سے گھر میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ یاسمین، ثمرہ اور روبی کے ساتھ آ گئی اور بڑے چچا بھی آفس جاتے ہوئے اپنے بال بچوں کو ادھر چھوڑ گئے تھے اور کسی کام میں ہاتھ بٹانے کے بجائے سب کزنز احمر اور مدیحہ کو چھیڑنے میں لگے ہوئے تھے جس سے احمر جتنا محظوظ ہو رہا تھا، مدیحہ اتنی ہی بوکھلائی جا رہی تھی کیونکہ بہت کوشش کے باوجود وہ ہمیشہ کی طرح کسی کو ترخ کر جواب نہیں دے پا رہی تھی اور جب عمر حد سے بڑھنے لگا تب وہ سب کے درمیان سے نکل کر اوپر آ گئی تھی اور پھر سب کے بلانے پر بھی نہیں گئی۔ احمر جانتا تھا کہ وہ مذاق میں کسی بات کو بھی ضد بنا لیتی ہے۔ اس لیے وقت رخصت وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔ "میں جانتا ہوں، تم یہاں کیوں آ گئیں۔ اس لیے ناں کہ۔" شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تو وہ گھبرا کر بولی۔



"اف، مما آرہی ہیں۔"

"تو جلدی سے مسکرا کر خدا حافظ کہہ دو ورنہ جب تک کوئی بلانے نہیں آئے گا میں اسی طرح کھڑا رہوں گا۔" احمر نے کہا تو مسکرانے کی کوشش میں اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا جسے چھپانے کے لیے اس نے رخ جھکانا چاہا تھا کہ وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔

"خدا حافظ"

چند لمحوں میں آگے پیچھے تینوں گاڑیاں روانہ ہو گئیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی تھی۔

کچھ دیر پہلے کا شور، ہنگامہ اور ساری افراتفری ختم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے کمرے میں آکر ٹیوب لائٹ آن کر دی پھر کھڑکی سے پردے سمیٹ رہی تھی کہ صباحت کے ساتھ ثمرہ اور روبی آگئیں جنہیں دیکھ کر وہ قصداً مسکرائی پھر صباحت کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

"سنو، مما ایئر پورٹ گئی ہیں یا کلینک؟"

"ایئر پورٹ پھر کہہ رہی تھیں وہیں سے کلینک چلی جائیں گی۔" صباحت جواب دے کر واش روم میں چلی گئی۔

"تم کیوں نہیں گئیں احمر بھائی کو سی آف کرنے۔ تمہیں تو ساتھ جانے سے کوئی منع نہ کرتا۔" ثمرہ نے پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔

"بس یونہی۔"

"احمر بھائی نے بھی اصرار نہیں کیا؟" روبی کو جانے کیوں حیرت ہو رہی تھی۔

"کیا تھا لیکن جب دیکھا کہ لڑکیوں میں سے کوئی بھی نہیں جا رہا تب انہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا اور ظاہر ہے میں نے بھی اسی لیے جانے پر اصرار نہیں کیا۔" وہ سرسری انداز میں کہہ کر مسکرائی تب ہی صباحت واش روم سے نکلتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے جانے کے لیے بوا سے کہنے کی زحمت بھی کسی نے نہیں کی ہوگی۔"

"یہ ذرا سی زحمت تم کر لو۔ باقی پینے کی زحمت ہم کر لیں گے۔" مدیحہ نے فوراً تکیے سے کمر ٹکا کر ٹانگیں پھیلائیں تو ثمرہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے نہیں تم بیٹھو، میں جا رہی ہوں۔" صباحت ثمرہ کو بٹھا کر کمرے سے نکلی تھی کہ فون کی بیل بجی، اس نے بوا کو پکار کر چائے کا کہا پھر بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو!"

"صباحت شاہ کیسی ہیں آپ؟" ادھر سے بہت دلکش لہجے میں پوچھا گیا۔

"کون، علی جہانگیر۔" اس نے بے حد گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا پھر آواز دبا کر بولی۔ "آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟"

"اپنے ایک عزیز سے جو اتفاق سے آپ کی مما کا پیشنٹ ہے۔" علی جہانگیر کی آواز بتا رہی تھی جیسے اسے مخمصے میں ڈال کر وہ محظوظ ہو رہا ہے۔

"مما کا پیشنٹ لیکن مما تو۔"

"بھئی کسی کو نہیں، دیکھیں، یہی ناں۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ اس بحث سے دامن بچا کر قدرے منت سے بولی۔ "آپ پلیز آئندہ یہاں فون نہیں کیجئے گا۔"

"پھر کہاں کروں؟" وہ غالباً موڈ میں تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بمشکل اپنی آواز پر قابو پا کر ناگواری سے بولی جسے محسوس کر کے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"سوری، میں کچھ غلط کہہ گیا آپ خفا تو نہیں ہیں؟"

"پلیز فون بند کریں پھر کسی وقت میں خود آپ کو رنگ کروں گی۔" ثمرہ کے پکارنے پر وہ جلدی سے بولی تو اس نے بھی فوراً پوچھا۔

"میرا نمبر ہے ناں آپ کے پاس؟"

"جی۔"

"اوکے، میں انتظار کروں گا۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہوا تو اس نے بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس کھینچی پھر ریسیور رکھ کر کمرے کا رخ کیا تھا۔



جب دل بے اختیار ہو جائے تو ساری احتیاطیں دھری رہ جاتی ہیں اور صباحت شاہ جتنی محتاط تھی۔ جس راستے پر چلنا نہیں چاہتی تھی وہی سامنے آ گیا تھا پھر بھی اس پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے اپنے دل کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن ایسے عالم میں دل کے پاس ہر بات کا جواب پہلے سے موجود ہوتا ہے اور پھر اس کے دل کی کوری زمین پر چاہت کے قطرے ٹپکانے والا کوئی عام سا شخص بھی تو نہیں تھا وہ اگر اب تک اس سے کترائی رہی تھی تو صرف آسیہ کے خوف سے جو ابھی بھی موجود تھا۔ لیکن علی جہانگیر کی سحر انگیز شخصیت کے ساتھ مضبوط لہجے کی سچائیاں اس پر حاوی ہو گئی تھیں۔ جب ہی تو دل سارے اندیشوں کے جواز گھڑ رہا تھا۔

"ضروری تو نہیں جو کچھ مما کے ساتھ ہوا، میرے ساتھ بھی ہو۔"

"وہ اگر شاہ سکندر کی طرح فراڈ ہوتا تو پہلے ہی مقام پر مجھے پروپوز کیوں کرتا؟"

عجیب موڑ آ گیا تھا جہاں سارے موسم ایک ساتھ اترتے ہیں اور صباحت شاہ نے ہار مان کر اس راستے پر قدم رکھتے ہوئے بھی دل کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار صرف آسیہ کو ہے۔ ہر دو صورتوں میں دل کو اس کا فیصلہ ماننا ہو گا۔ اور یہی بات علی جہانگیر سے کہنے کے لیے اس نے اس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی تھی ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔

"پتا نہیں وہ گھر پر ہو گا کہ نہیں؟" اس نے سوچا تھا کہ ادھر دوسری بیل پر ریسیور اٹھنے کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔

"یس، علی جہانگیر اسپیکنگ۔"

"جی یہ میں ہوں صباحت۔" اگرچہ اس نے بہت سنبھل کر کہا پھر بھی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"کیسی ہیں صباحت؟ میں ابھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" علی جہانگیر کو جیسے اچانک بہت بڑی خوشی مل گئی تھی۔

"کیا، کیا سوچ رہے تھے؟"



"یہی کہ پتا نہیں آپ کتنا انتظار کروائیں گی۔" علی جہانگیر نے کہا تو اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"آپ کتنا انتظار کر سکتے تھے؟"

"یہ فضول سا جملہ نہیں کہوں گا کہ زندگی کی آخری سانسوں تک پتا نہیں زندگی کتنی ہے۔ آج ہے کل نہیں ویسے آپ کیا سننا چاہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں، میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔" وہ قدرے شپٹا گئی تھی۔

"پلیز اور بھی جو کچھ پوچھنا ہے یونہی پوچھ لیں۔" اس کی ذرا سی ہنسی کی آواز سن کر وہ خاموش ہو گئی تو قدرے توقف سے اس نے کریڈل پر ہاتھ مار کر پکارا۔

"ہیلو صباحت! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ سے کیسے کہوں؟" اس کے سوچتے ہوئے انداز پر وہ فوراً بولا۔

"کوئی خاص بات ہے یا کوئی پرابلم؟"

"میرے لیے تو خاص بات ہے اب پتا نہیں آپ اس کو اہمیت دیتے ہیں کہ نہیں۔"

"صباحت شاہ!" وہ بہت سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔ "آپ کی عام بات بھی میرے لیے خصوصی اہمیت کی حامل ہوگی بھی ایسا گمان بھی نہیں کیجئے گا کہ میں۔"

"ایک منٹ۔" اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ ثوبیہ کی آواز آ رہی تھی شاید ہوا سے اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی تب وہ جلدی سے اسے مخاطب کر کے بولی۔

"سنیں علی! میں پھر بات کروں گی۔"

"اوکے، خدا حافظ۔" علی جہانگیر نے سمجھ کر کہا تو وہ آہستہ سے ریسیور رکھ کر باہر نکل آئی اور عقب سے ثوبیہ کو کندھوں سے تھام کر اپنی طرف گھماتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے، کیا پھر مدھو اور عمر میں کوئی تکرار شروع ہو گئی ہے؟"

"نہیں نیچے چلو۔ شکیل چچا آئے ہیں۔ سیمہ آپی کی شادی ہے۔" ثوبیہ نے خوش ہو کر بتایا تو وہ بھی خوش ہو گئی۔

"رئیلی کب ہے شادی؟"

"نیچے چلو گے تو پتا چلے گا ناں۔ میں تو صرف شادی کا سن کر بھاگی آئی ہوں۔" ثوبیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"چل رہی ہوں، ایک منٹ رکو، میں دوپٹہ چینج کر لوں، یہ کچھ میلا ہو رہا ہے۔" وہ کہتی ہوئی ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی اور چند لمحوں میں دوپٹہ بدل کر ثوبیہ کے ساتھ نیچے آئی تو شکیل اور مدیحہ سے اس کا ماموں تھے۔

"میں آ گئی ماموں جی! السلام علیکم۔" وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب جا کر جھک گئی تو وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟"

"بالکل ٹھیک، آپ اکیلے آئے ہیں، مامی جی نہیں آئیں؟" اس نے اماں جی کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! انہیں کام بہت تھے بس اب آپ سب، وہیں چل کر ان سے مل لینا۔"

شکیل اسے جواب دے کر ابا جی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "ابا جی آپ اور اماں جی تو میرے ساتھ ہی چلیں گے۔ میں ٹکٹیں لیتا ہوا آیا ہوں۔ باقی سب اپنی سہولت دیکھ کر آ جائیں گے۔"

"ہوں۔" ابا جی نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا کہ مدیحہ بول پڑی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی ابا جی۔"

"کیوں تم اتنا پہلے جا کر کیا کرو گی؟" عمر کے ٹوکنے پر وہ چڑ کر بولی۔

"تمہیں کیا۔"

"بس اب پہلے تم دونوں لڑو پھر کوئی بات ہو گی۔" اماں جی نے کہا تو شکیل تعجب سے پوچھنے لگے۔

"ابھی بھی لڑتے ہیں۔"

"صرف یہ دونوں چچا جان! اور کوئی نہیں۔" ثوبیہ فوراً بولی تھی۔

"پہل اس کی طرف سے ہوتی ہے ماموں جی! یہ ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑانا ضروری سمجھتا ہے۔ ابھی دیکھ لیں میں نے اس سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔" مدیحہ نے بھی فوراً اپنی صفائی پیش کر کے الزام عمر کے سر رکھ دیا۔

"اچھا بس ٹھیک ہے، اب تم سب جاؤ۔ اپنے کام کرو ہمیں بات کرنے دو۔" اماں جی نے کہا تو صباحت مدیحہ کو اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔

"تم ایسی احمقانہ باتیں کیوں کرتی ہو؟" اوپر آتے ہی صباحت، مدیحہ کو ٹوکتے ہوئے کہنے لگی۔ "جب ماموں جی کہہ رہے تھے کہ وہ اماں جی اور ابا جی کی ٹکٹیں لیتے ہوئے آئے ہیں پھر تم نے اپنے ساتھ جانے کی بات کیوں کی؟"

"کیوں، کیا میری ٹکٹ ان کے ساتھ نہیں ہو سکتی؟" مدیحہ نے تنک کر کہا۔

"بات ٹکٹ کی نہیں ہے مدو! تمہیں پہلے مما سے پوچھنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ کیا پروگرام بناتی ہیں؟" صباحت نے دھیرج سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔

"مما کا پروگرام مجھے پتا ہے، صرف تین دن کا ہو گا اور میں اتنے کم دنوں کے لیے نہیں جاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" صباحت نے یوں کندھے اچکائے کہ اس سے الجھنا فضول تھا۔

لیکن مدیحہ شاید الجھنے کے موڈ میں تھی، اس سے تو نہیں، رات میں جیسے ہی آسیہ نے نبیل کے سامنے ذکر چھیڑ کر پروگرام سیٹ کرنا چاہا، وہ بول پڑی۔

"میں دو تین دنوں کے لیے نہیں جاؤں گی مما! مجھے آپ اماں جی اور ابا جی کے ساتھ بھیج دیں۔"

"وہ تو کل جا رہے ہیں جبکہ شادی میں ابھی پندرہ دن ہیں۔ اتنے دن تمہارے کالج کا ناغہ نہیں ہو گا۔" آسیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ بھول رہی ہو لیکن جواب میں اس نے آسیہ کو یاد دلا دیا۔

"یہ تو آپ کو اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب میں نے آپ سے چھٹیوں میں کہا تھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، تم اسلام آباد میں اتنے دن کیوں رہنا چاہتی ہو۔ تمہاری سمیہ سے کوئی اتنی دوستی نہیں ہے اور اگر گھومنے پھرنے کا شوق ہے تو وہ بھی دو دن میں پورا ہو سکتا ہے۔" آسیہ اس کی بے کار ضد سے عاجز آ کر بولی تھی۔

"مجھے صرف اسلام آباد نہیں گھومنا، مری، سوات اور....."



"یہاں اور وہاں اسلام آباد میں بھی کوئی اتنا فارغ نہیں ہے جو تمہیں گھماتا پھراتا رہے۔" آسیہ اسے اس کر قدرے ناگواری سے کہنے لگی "تمہیں یہ فضول بات کہنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ میں نے تمہیں چھٹیوں میں کیوں نہیں بھیجا۔ اس لیے کہ میں پسند نہیں کرتی۔ یہیں اس شہر میں تمہارے بڑے ماموں اور عدیل ماموں رہتے ہیں کبھی ان کے ہاں میں نے تمہیں ایک رات رہنے کی اجازت دی ہے؟ تم میرے ساتھ جاؤ گی اور میرے ساتھ ہی آؤ گی، سمجھیں۔"

"جی!" مدیحہ نے بہت جز بز ہو کر سر جھکایا تھا۔



چھٹی کا دن تھا۔ خلاف معمول آدھا دن علی جہانگیر نے سو کر گزارا جس سے اس کی طبیعت بوجھل ہو گئی تھی۔ شاور لینے کے بعد بھی سر بھاری تھا۔ وہ کرم دین سے چائے کا کہہ کر لاؤنج میں آ بیٹھا اور ٹی وی آن کر کے چینل بدل بدل کر دیکھنے لگا، کسی چینل پر کوئی ایسا پروگرام نہیں تھا جسے دیکھ کر ذہن فریش ہوتا۔ جب ہی بہت اکتا کر اس نے ٹی وی بند کر دیا پھر اٹھ کر ریک میں کوئی اچھی کیسٹ تلاش کر رہا تھا کہ شاہ جہانگیر، بیوی اور بیٹی رابعہ کے ساتھ آ گئے جنہیں دیکھ کر وہ خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوا۔ ماں باپ سے ملنے کے بعد رابعہ کی طرف متوجہ ہوا تو شرارت سے بولا۔

"شاپنگ کرنے آئی ہو گی ناں، تمہارا دل نہیں بھرتا۔"

"نہیں اور اب تو روز شاپنگ ہو گی کیونکہ اب ہم یہیں رہیں گے آپ کے ساتھ۔" رابعہ نے کہا تو وہ عارفہ بیگم کو دیکھنے لگا۔

"ہاں، بابا جان نے بھیجا ہے ہمیں تمہاری شادی کے سلسلے میں۔" عارفہ بیگم تصدیق کرتے ہوئے ناگواری سے بولیں۔ "وہ جو یہاں تم نے لڑکی پسند کی ہے اس کے ساتھ۔"

"اوہو، یہ باتیں آرام سے بیٹھ کر کرنے کی ہیں۔ تم آتے ہی شروع ہو گئیں۔" شاہ جہانگیر نے قدرے جھلا کر بیوی کو ٹوکا پھر اس سے بولے۔ "علی بیٹا کوئی چائے پانی۔"

"جی ابا! آپ آرام سے بیٹھیں بلکہ ادھر بیڈ روم میں چلیں، میں وہیں چائے بھجواتا ہوں۔" اس نے شاہ جہانگیر کو بیڈ روم میں بھیج کر کرم دین کو پکارا اور اس سے اسپیشل چائے کا کہنے کے بعد عارفہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تو آپ کو بابا جان نے بھیجا ہے۔"

"ہاں اور بڑی تاکیدیں کی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، اس ڈاکٹرنی کو تو انہوں نے گھر میں گھسنے نہیں دیا تھا اور اس کی بیٹی کے لیے اتنے بے چین ہو رہے ہیں۔ پھر بیٹا بھی میرا اکلوتا، یونس بھائی کے بھی تو لڑکے ہیں۔ ان میں سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں بیاہ لے جاتے اسے۔" عارفہ بیگم نے نخوت سے کہا تو وہ خاصا جز بز ہوا۔

"لاحول ولا قوۃ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ بابا جان کوئی زبردستی تو نہیں کر رہے۔ صباحت پہلے مجھے پسند ہے۔ اس کے بعد بابا جان کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو فوراً اس سے میری شادی پر تیار ہو گئے ورنہ شاید مجھے بھی چچا سکندر کی طرح ایک جنگ لڑنی پڑتی۔"

"ہونہہ۔" عارفہ بیگم سر جھٹک کر رہ گئیں۔

"امی پلیز! آپ اس طرح نہیں کریں۔ جب یہ طے ہے کہ میری شادی صباحت کے ساتھ ہی ہو گی

تو باباجان کے فیصلے اور میری پسند دونوں سے قبول ہیں تب تو میں [illegible] آپ کے پاس جا سکتی ہی۔" اس نے دھیرے سے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا تو رابعہ اس کی تائید کرتی ہوئی بولی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی۔ آپ کا [illegible] ای۔ بقول باباجان کے ڈاکٹر آسیہ بہت چالاک عورت ہے۔ [illegible] آپ جانتی ہیں۔ [illegible] آپ اس بچی کو بہو بنانے پر مجبور کر گئی ہیں تو وہ صاف انکار [illegible] اور باباجان [illegible]

"چلو ابھی امی کو آرام کرنے دو۔" اسے اپنی [illegible] سے اچھا نہیں لگا تو رابعہ کو ٹوکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "ایک تو سفر کی تھکان اوپر سے [illegible] امی کو پریشان کر رہی ہو۔"

"ہائیں!" رابعہ نے پوری آنکھیں پھیلا کر [illegible] ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کے ساتھ عارفہ بیگم کو اندر لے جانے کا اشارہ کیا۔

"چلیں امی۔ دیکھیں ہمارے لیے کون سا کمرہ ٹھیک رہے گا؟" رابعہ ماں کو اٹھا کر لے گئی تو وہ یونہی ٹہلنے کے انداز میں لاؤنج کا ایک چکر کاٹ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد رابعہ واپس آئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بھائی! مجھے تو بس آپ فوراً اس لڑکی سے ملوائیں۔ ایمان سے جب سے سنا ہے، میں تو اسے دیکھنے کو مری جا رہی ہوں۔ کیا بہت خوبصورت ہے؟"

"اب پتا نہیں تمہارے نزدیک خوبصورتی کیا ہے۔" اس نے فوراً صباحت کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز مجھے پسند ہو وہ تمہیں بھی اچھی لگے۔"

"کوئی نہیں۔ خوبصورت چیز دیکھنے میں سب کو خوبصورت ہی لگتی ہے۔ جیسے سکندر چچا کی بیٹی الماس۔ کیا وہ بھی اس جیسی ہے؟" رابعہ کا اشتیاق فطری تھا۔

"ہوں۔" سوچتے ہوئے انداز میں اس کی نظریں ایک نقطے پر مرکوز ہو گئیں۔ غالباً الماس اور صباحت کا موازنہ کرنے لگا تھا۔ الماس ہو بہو اپنی ماں کی تصویر تھی سوائے آنکھوں کے جن پر شاہ سکندر کی مہر لگی تھی اور ادھر صباحت کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا اس سے پہلے اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا لیکن اب دونوں چہروں کو ایک ساتھ سوچتے ہوئے وہ اس واضح مشابہت پر اپنے آپ مسکرا دیا تھا۔

"ارے! میں نے آپ سے کوئی اتنی مشکل بات تو نہیں پوچھی جو آپ گہری سوچوں میں ڈوب گئے۔" رابعہ کے ٹوکنے پر وہ ذرا سا چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے؟ ہاں وہ صباحت وہ بالکل الماس جیسی نہیں ہے بس تھوڑی سی مشابہت ہے دونوں میں۔ باقی تم خود دیکھ لینا۔"

"کب، کب ملوائیں گے اس سے؟" رابعہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں خود کہاں ملتا ہوں اس سے جو تمہیں ملواؤں گا۔ وہ خاصی بزدل لڑکی ہے یا شاید بہت محتاط۔ مجھے فون تک کرنے سے منع کر چکی ہے اور خود اسے جب بھی موقع ملتا ہے تو رنگ کر لیتی ہے اور اب جب بھی اس کا فون آئے گا میں تمہاری بات کرا دوں گا ٹھیک۔"

"کوئی ٹھیک نہیں۔ میں اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتی۔ آپ بس ابھی میری بات کرائیں اس سے۔" رابعہ کی بے صبری پر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگا تو وہ ضدی لہجے میں بولی۔



"کیوں؟ کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ وہ منع کر چکی ہے۔"

"اس نے آپ کو منع کیا ہے کیونکہ آپ مرد ہیں اور ابھی تو میں بات کروں گی ادھر کسی اور نے ریسیور اٹھایا تب بھی بڑے آرام سے کہہ سکتی ہوں کہ صباحت کو بلا دیں۔"

رابعہ نے کہا تو اس کا مطلب سمجھنے کے بعد بھی وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اسے ٹیلی فون سیٹ اٹھا لانے کا اشارہ کیا تھا۔

رابعہ فوراً اٹھی اور ٹیلی فون سیٹ لا کر اس کے قریب رکھ دیا تو چند لمحے توقف سے اس نے ریسیور اٹھا کر رابعہ کو تھما دیا پھر نمبر ڈائل کرنے کے بعد پوری توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ہیلو السلام علیکم۔"

"صباحت ہے؟"

"جی میں اس کی دوست ہوں رابعہ۔" پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھ کر شریر مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آ رہی ہے۔"

"لاؤ مجھے دو۔" اس نے فوراً ریسیور جھپٹ کر کان سے لگایا تو ادھر سے صباحت پوچھ رہی تھی۔

"ہیلو کون؟"

"میں ہوں علی۔" اس نے بڑے آرام سے سامنے ٹیبل پر یوں ٹانگیں سیدھی کیں جیسے اب اس سے لمبی گفتگو ہو گی۔

"میرے خدا! آپ نے میرا مطلب ہے میرے بھائی سے آپ نے۔" صباحت گھبراہٹ میں ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔

"ریلیکس صباحت! آپ کے بھائی سے میری سسٹر نے بات کی تھی۔" اس نے سمجھ کر اطمینان دلایا پھر کہنے لگا۔ "اصل میں میری سسٹر بہت دنوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ سے ملاقات کرا دوں اور میرے مسلسل ٹالنے پر اس وقت ناراض ہو گئی تو میں نے سوچا آپ سے بات کرا ہی دوں۔ اگر آپ خود کو مشکل میں محسوس کر رہی ہیں تو میں فون بند کر دیتا ہوں۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے میں خود آپ کو رنگ کرنے والی تھی، یہ بتانے کے لیے کہ میں اسلام آباد جا رہی ہوں اپنی کزن کی شادی میں۔"

"اچھا واپس کب آؤ گی؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"میرا خیال ہے تین چار دن میں واپسی ہو جائے گی۔" اس کے جواب پر وہ مطمئن سا ہو کر بولا۔ "اچھی بات ہے اور یہ میری سسٹر سے ذرا ہیلو ہائے کر لیں تا کہ اس کی ناراضگی دور ہو۔" اس نے ساتھ ہی اس نے ریسیور رابعہ کو تھما دیا۔

"جی میرا نام رابعہ ہے ابھی دو مہینے پہلے بی اے کا امتحان دیا ہے۔"

"یہاں نہیں دبئی میں۔ ہم لوگ عرصہ دراز سے وہیں مقیم تھے۔ بلکہ میرے فادر تو ابھی بھی وہیں ہیں۔ آپ کو علی بھائی نے نہیں بتایا!"

رابعہ سکھایا ہوا سبق اتنی سہولت سے دہرا رہی تھی کہ وہ بھی حیران ہو کر سن رہا تھا۔



صباحت سوٹ کیس بند کر رہی تھی کہ مدیحہ روک کر بولی۔

"ایک منٹ پہلے مجھے دیکھنے دو۔ میرے کون کون سے سوٹ رکھے ہیں؟"

"اُفوہ! اب تم ساری اپنی خراب کرو گی، کوئی ضرورت نہیں اسے کھولنے کی۔ تمہارے وہ سارے سوٹ رکھے ہیں جو تم نے کہے تھے۔" صباحت اس کا ہاتھ جھٹک کر سوٹ کیس لاک کرنے لگی لیکن اس نے پھرتی سے چابی جھپٹ لی۔

"خدا کے لیے مدو! صبح سے استری کر کر کے میری کمر اکڑ گئی ہے۔"

"تو میں کون سا ایک ایک کپڑا نکال کر دیکھوں گی۔" مدیحہ سوٹ کیس کھولتے ہوئے بولی پھر اس پر جھک کر اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ عمر اسے پکارتا ہوا آ گیا۔

"مدو! کہاں ہو مدو؟"

"کیا ہے؟" اس نے سوٹ کیس میں سے سر نکال کر اسے دیکھا۔

"جلدی سے اچھی سی چائے پلاؤ وہ بھی اپنے ہاتھ کی، تب بتاؤں گا کیا ہے۔" عمر نے کرسی پر بیٹھ کر سامنے بیڈ پر یوں ٹانگیں پھیلائیں جیسے واقعی اس کے حکم کی تعمیل ہو گی۔

"مت بتاؤ، مجھے کوئی شوق نہیں ہے سننے کا۔ کیا ہوا ہے کیا نہیں۔" مدیحہ نے حسب عادت کوئی نوٹس نہیں لیا۔

"تمہاری مرضی۔" عمر فوراً اٹھ کھڑا ہوا.... پھر جیب سے لفافہ نکال کر لہراتے ہوئے بولا۔ "میں نے کوئی بڑی فرمائش تو نہیں کی بس ایک کپ چائے۔"

"کس کا خط ہے؟" مدیحہ نے چلانے کے ساتھ لفافہ جھپٹنے کی کوشش کی لیکن عمر نے پھرتی سے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"تمہیں کیا۔"

"دیکھو عمر! اگر میرا ہے تو فوراً مجھے دے دو ورنہ" مدیحہ کے دھمکی آمیز انداز پر وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولا۔

"تمہارا ہی ہے، لیکن ملے گا چائے کے بعد۔"

"پلاؤں گی، ایک نہیں دس کپ پہلے خط دو۔"

"ناں۔ مجھے تمہارا اعتبار نہیں پہلے چائے" عمر کو جانے کب کب کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ لفافہ سونگھ کر بولا۔ "آہ کیا خوشبو ہے، لگتا ہے بڑے بھائی نے سارے جذبوں کو نچوڑ دیا ہے۔"

"اُف کتنے کمینے ہو تم میں ماموں جی سے تمہاری شکایت کروں گی اور احمر کو بھی لکھوں گی کہ تم کتنے بلیک میل کرتے ہو۔"

"سب کرو گی لیکن چائے نہیں بناؤ گی۔ چہ چہ۔ ایک نمبر کی کام چور۔" عمر نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لفافہ بیڈ پر پھینک دیا اور جانے لگا کہ وہ پکار کر بولی۔

"سنو، بوا پانچ بجے چائے بناتی ہیں۔ آ کر پی لینا۔"



"میرے گھر میں تو جیسے چائے کا کال پڑا ہے۔" عمر بری طرح تلملا گیا تھا۔

"جانے دو عمر! تمہیں پتا تو ہے اس کا۔ چلو تم نبیل بھائی کے کمرے میں، میں وہیں چائے لے کر آتی ہوں۔"

صباحت جو خاموشی سے دونوں کی تکرار دیکھ اور سن رہی تھی ہمیشہ کی طرح صورت حال کی نزاکت کا احساس کر کے عمر کو لے کر کمرے سے نکل گئی تو مدیحہ نے بیڈ پر سے لفافہ اٹھا کر بے اختیار ناک کے ساتھ لگایا اور خود ہی ہنس پڑی۔ پھر بیڈ پر گر کر لفافہ میں سے خط نکالا تھا۔

"کس نام سے پکاروں، کیا نام ہے تمہارا؟

اس میں میرا کوئی قصور نہیں، یہاں آ کر میں اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہوں شہ شہ۔ یہ مت سمجھنا کہ پڑھائی کی وجہ سے بلکہ حسین نظروں اور جلوؤں نے میرے ہوش بھلا دیے ہیں۔ کہاں کہاں سے اور کس کس کی طرف سے نظریں چراؤں، ادھر نیلا سمندر ہے ادھر نیلی آنکھیں۔ میں دونوں میں فرق کھوجنے لگتا ہوں۔ پھر اوپر دیکھتا ہوں پورے آسمان پر صرف ایک اکیلا چاند اس کے آس پاس دور دور کہیں کوئی ستارہ نہیں۔ شاید سارے ستارے زمین پر اتر آئے ہیں جب ہی تو اتنی جگمگاہٹ ہے مدو میرا کیا ہو گا اگر میں اپنے مقصد سے ہٹ گیا تو کس منہ سے واپس آؤں گا۔ دیکھو میرے لیے دعا کرنا۔ کرو گی ناں؟"

ہر سطر کے ساتھ اس کا دل ڈوبتا گیا تھا، پتا نہیں احمر نے سچ لکھا تھا یا اسے ستانے کو محض مذاق؟ کچھ بھی تھا وہ کتنی دیر بے حس و حرکت پڑی رہی۔ کیونکہ کیسی بھی ضدی اور خود سر سہی، تھی تو بہرحال لڑکی جس کی آنکھوں میں خواب سجائے گئے تھے اور سجانے والا خود ان کا دشمن ہو رہا تھا۔

"احمر کو ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔" کتنی دیر بعد اس نے سب مذاق سوچ کر خود کو سہارا دینے کی کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب ہو کر خط دوبارہ لفافے میں بند کیا پھر اسے اپنی الماری چھپا کر کمرے سے نکلی تھی۔

"کیا احمر بھائی نے ہر ایک پل کا احوال لکھ بھیجا ہے۔" صباحت نے اسے دیکھتے ہی چھیڑا تو وہ بس ذرا سا مسکرا سکی۔

"کم از کم مجھے تو پڑھوا دو۔ دیکھوں تو احمر بھائی نے اپنے جذبوں کو کس طرح؟"

"بکواس۔" وہ فوراً ٹوک کر بولی۔ "احمر کوئی دنیا سے نرالے تو نہیں ہیں جو ان کی تحریریں بھی انوکھی ہوں گی وہی باتیں جو سب لکھتے ہیں انہوں نے بھی لکھی ہیں۔"

"سب کیا لکھتے ہیں، مجھے تو یہ بھی نہیں پتا۔" صباحت اس کی اندرونی کیفیات سے بے خبر شوخی سے باز نہیں آئی۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ چڑ گئی تھی۔ بری طرح جھڑک کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی تو صباحت نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر موضوع بدلنے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

"اچھا سنو، تم نے سوٹ کیس بند کر دیا تھا یا ایسے ہی کھلا چھوڑ دیا ہے۔"

"پتا نہیں جا کر دیکھ لو۔" اس نے جیسے بادل نخواستہ جواب دیا تھا۔ اصل میں اب اس کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ احمر کے خط نے حقیقتاً اسے دکھ پہنچایا تھا حالانکہ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ ایسی دل جلانے والی باتیں تو اس نے کبھی مذاق میں بھی نہیں کی تھیں پھر اسے کیا ہو گیا تھا؟

"کہیں سچ مچ تو وہ..." اس کا ذہن ان ہی باتوں میں الجھ رہا تھا جب ہی صباحت کی مداخلت بے زار گزر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں بند ہونے کا وقت نہیں تھا۔ کیونکہ آسیہ آنے والی تھی اور اس کے آتے ہی سب نے یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

ایک بار اس نے سوچا کہ وہ کوئی بہانہ کر کے اسلام آباد جانے سے منع کر دے لیکن اس خیال سے کہ عین وقت پر خواہ مخواہ سب کا موڈ خراب ہو گا اس نے اپنی سوچ جھٹک دی پھر احمر کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش میں وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔ اس کے بعد اسلام آباد جا کر ہی اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ اب پتا نہیں جگہ کی تبدیلی نے اس کا دھیان بٹا دیا تھا یا کوئی اور بات جس سے وہ اپنے اصل رنگ میں آ گئی تھی۔

"اللہ مامی جی! آپ کا گھر کتنا خوبصورت ہے۔" سارا گھر دیکھنے کے بعد وہ سیما بھابھی کے پاس آ بیٹھی تھی۔ "پتا ہے میں نے چھٹیوں میں مما سے کہا تھا کہ مجھے اور صبا کو آپ کے پاس بھیج دیں لیکن مما مانی ہی نہیں۔ اس وقت اگر میں آتی تو اتنے بہت سارے دن آپ کے گھر رہتی۔ سچ مجھے تو یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"تم ابھی بھی بہت سارے دن رہنا۔" سیما بھابھی نے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا تو وہ مایوسی سے بولی۔

"اب نہیں رہ سکتی کیونکہ کالج کھلے ہیں اور اگلے مہینے سمسٹر ٹیسٹ بھی ہونے والے ہیں، البتہ آپ مما سے کہہ دیں کہ وہ اس بار ہمیں چھٹیوں میں ضرور بھیجیں۔"

"پہلے بھی آسیہ کو منع تو نہیں کرنا چاہیے تھا خیر اس بار میں خود تمہیں لینے آ جاؤں گی۔" سیما بھابھی نے اسے خوش کر دیا۔

"سچ مامی جی! بس جیسے ہی چھٹیاں ہوں گی میں آپ کو فون کر دوں گی اور آپ لینے آ جائیں گی تب مما بھی منع نہیں کر سکیں گی۔"

"ہوں، اصل میں آسیہ تم دونوں کے بغیر رہ نہیں سکتی۔"

"ہم دونوں نہیں، تینوں، نبیل بھائی کو بھی وہ کہیں نہیں جانے دیتیں۔" اس کے یاد دلانے پر سیما بھابھی بے ساختہ مسکرائیں۔

"ہاں تم تینوں۔"

"اور پتا ہے مامی جی میں..." آسیہ کے آ جانے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"مدحا تم یہاں بیٹھی ہو بیٹا! اماں جی نے تم سے کوئی کام کہا تھا۔" آسیہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"مجھ سے۔" اپنی طرف اشارہ کر کے اس نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں تو مما میں تو بہت دیر سے مامی جی کے پاس ہوں اور اس سے پہلے لان میں تھی اماں جی نے صبا سے کہا ہو۔"

"صبا سے کہتیں تو ان کا کام ہو چکا ہوتا۔" آسیہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ادھر ہونے کا مطلب آپ نے سمجھ لیا کہ..." وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کیا سمجھ لیا بیٹا! جا کر اماں جی سے پوچھو۔ شاید تمہارا نام لے کر کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے تم سے اپنی چادر کا کہا تھا۔" آسیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دھیرج سے کہا تو چادر کے ساتھ ہی اسے اماں جی کا کام یاد آ گیا لیکن اب اسے انجان ہی بننا تھا۔

"میں معلوم کرتی ہوں اماں جی سے۔" وہ مامی سے کہہ کر کمرے سے نکلی تو اپنی [illegible]



بجائے شرمندہ ہونے کے جھنجھلاتی ہوئی اماں جی کی چادر تلاش کرنے لگی جسے انہوں نے استری سے سکھانے کو کہا تھا اور اس نے عادت کے مطابق جانے کس کونے میں ڈال دی تھی۔

"کیا چاہیے؟" اشعر نے اسے اپنے کمرے میں آتے ہی متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے پا کر پوچھا تو وہ بے دھیانی میں بولی۔

"چادر"

"ہرے رنگ کی؟" اشعر نے شرارت سے کہا۔

"ہرے..." وہ چونک کر اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نہیں اشعر بھائی! اماں جی کی چادر۔ وہ جانے براؤن کلر کی تھی آپ نے دیکھی ہے؟"

"ہاں دیکھی بلکہ دو روز سے ریلنگ پر پھیلی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ ابھی بھی وہیں ہو گی لیکن میرا خیال ہے ابھی تک سوکھی نہیں ہوگی۔"

"وہ سکھانے ہی کے لیے اماں جی نے مجھے دی تھی اور میں پتا نہیں کہاں رکھ کر بھول گئی تھی چلو خیر۔" وہ پھر اصل کام چھوڑ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے سنا ہے آپ بھی باہر جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک سنا ہے۔"

"کیوں، میرا مطلب ہے آپ کو تو یہاں اچھی جاب مل گئی ہے پھر کیوں جا رہے ہیں؟"

"اسی جاب پر جا رہا ہوں آفس کی طرف سے ایک سال کی ٹریننگ کے لیے۔ اس کے علاوہ وہاں کچھ اور کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی ٹریننگ کے بعد وہاں مزید قیام کا خیال ہے۔" اشعر نے بہت سیدھے سادے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"یہ تو آپ یہاں بیٹھ کر کہہ رہے ہیں ناں، وہاں جاتے ہی آپ کے ارادے بدل جائیں گے۔ ایک سے دو سال پھر چار پھر..."

"کیوں کیا احمر نے؟" اشعر نے اس کی بات کاٹی تو وہ بھی فوراً بولی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں پتا میں تو بس سنی سنائی کہہ رہی ہوں کہ باہر جا کر لوگ گھر بار کیا اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ہیں۔"

"ہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن تمہیں احمر پر بھروسہ ہونا چاہیے۔" اشعر اس کا سر ہلا کر مسکرا دیا تو وہ کچھ خفیف سی ہو کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

لاؤنج میں لڑکیاں ڈھولک پیٹنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی توبیہ چلائی۔

"مدحا آ گئی۔ ڈھولک اسے دو آؤ ناں مدحو۔"

"مدحو سے اچھی میں بجا لیتا ہوں۔" ادھر سے گزرتے عمر نے رک کر فوراً مداخلت کی تو مدحا اسے دیکھ کر بولی۔

"کیوں کیوں لڑکیوں میں بیٹھنے کا شوق ہے؟"

"ارے تو لڑکیاں کوئی غیر تھوڑی ہیں سب اپنی ہیں۔" عمر دھڑلے سے سب کے درمیان بیٹھ گیا اور ڈھولک پر ہاتھ مارنے کے ساتھ شروع ہو گیا۔

"بنا او بنا! تیری ڈولی میں بیاؤں گا۔"

لڑکیاں تالیاں پیٹ کر اس کا ساتھ دینے لگیں تو وہ بھی رہ نہیں سکی۔ فوراً بیٹھ کر سب کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔



اگلے روز سمیہ رخصت ہو کر چلی گئی تو کچھ دیر رخصتی کے بعد کی فضا قائم رہی یعنی محسوس کی جانے والی اداسی تھی۔ خواہ کتنے لوگ ہوں پھر بھی پتا چلتا ہے کہ کوئی ایک چلا گیا ہے ایسے ہی ساری افراتفری اچانک ختم ہو گئی تھی۔ شام میں کپڑے بدلنے کے لیے جتنا شور اور جوش تھا اب اتنی ہی خاموشی اور کاہلی۔ مدیحہ نے کپڑے تو بدل لیے لیکن اتارے ہوئے کپڑوں کو تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھنے کا کام صباحت کے سر ڈال دیا اور اس کے احتجاج سے پہلے ہی کمرے سے نکل کر آئی تو آگے سیما بھابھی نے چائے کی ٹرے اسے تھما دی۔

"بیٹا! یہ اپنے ماموں جی کے کمرے میں دے آؤ اور دیکھنا کپ کم ہوں تو آ کر اور لے جانا۔"

"جی اچھا!" وہ ٹرے لیے شکیل بھائی کے کمرے میں آ گئی اور آسیہ کے سامنے ٹیبل پر ٹرے رکھ کر پوچھنے لگی۔ "مما اور کپ چاہئیں؟"

"چائے دو گی سب کو تو پتا چلے گا۔" آسیہ کہہ کر بڑے بھیا کی طرف متوجہ ہو گئی پہلے بھی وہ ان ہی کی بات سن رہی تھی۔ پتا نہیں کیا موضوع تھا اور وہ جتنا کام سے بھاگ رہی تھی اتنی پھنس گئی تھی ایک ایک کپ میں چائے ڈال کر باری باری سب کو تھماتی گئی۔ آخر میں نبیل اور اشعر رہ گئے اور ادھر تھرماس خالی ہو گیا تو وہ اشعر کو دیکھ کر بولی۔

"آپ تو چائے نہیں پئیں گے ناں؟"

"تم نہ پلانا چاہو تو اور بات ہے۔" اشعر نے کہا۔ ساتھ ہی اسے چائے لانے کا اشارہ بھی کیا تو وہ اسے گھورتی ہوئی تھرماس لے کر کچن میں آ گئی۔

"مامی جی، کپ تو کم نہیں ہوئے، چائے کم ہو گئی ہے اور اب آپ کسی اور کے ہاتھ بھجوا دیں کیونکہ مجھے اماں جی بلا رہی ہیں۔" وہ تھرماس سیما بھابھی کو تھما کر فوراً کچن سے نکل کر کمرے میں آ گئی جہاں صباحت اور ثمرہ سر جوڑے جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ دوسری طرف روبی، مریم اور ردا کے ساتھ مصروف تھی۔ عمر اور ندیم بھی وہیں موجود تھے لیکن ان سب کی طرف ان کی پشت تھی اور کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے پتا نہیں کس چیز پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ادھر ٹی وی بھی آن تھا اور غالباً سب ٹی وی دیکھ رہے تھے، لیکن درمیان میں خبریں آ جانے کے باعث سب کی توجہ اس سے ہٹ گئی تھی۔

"اس بے چارے کو نہیں سنتا تو بند ہی کر دو۔" وہ کہتی ہوئی ٹی وی بند کرنے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھی تھی کہ روبی چیخ پڑی۔

"نہیں مدحو! بند نہیں کرنا ابھی پروگرام کا بقیہ حصہ آئے گا۔"

"کوئی خاص پروگرام آ رہا تھا؟"

اس نے پوچھا لیکن روبی پھر اپنی باتوں میں مصروف ہو گئی تھی، اس لیے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ دیکھنے لگی تھی کہ شاہ سکندر کے نام پر اس کی نظریں فوراً ٹی وی اسکرین پر جا ٹھہریں۔ کسی سیمینار کی جھلکیاں تھیں اور اب یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اکثر ہی خبروں میں کہیں شاہ سکندر کی جھلک نظر آ جاتی تھی۔ جسے وہ اور صباحت اگر اکیلی ہوتیں تو شوق سے دیکھتی تھیں اور سب کی موجودگی میں قصداً انجان



بن جاتیں۔ اس وقت سب موجود تو تھے لیکن اتفاق سے کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ دھیان سے دیکھ بھی رہی تھی پھر جیسے ہی منظر بدلا اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا۔

"شاہ سکندر، یہیں اسلام آباد میں موجود ہیں۔"

"کیا بات ہے، تم ابھی سوئیں نہیں؟" شکیل بھائی کے کمرے سے نکلتے ہوئے آسیہ نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ وال کلاک کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ابھی سوا گیارہ ہوئے ہیں مما اور میں اکیلی تو نہیں جاگ رہی، اندر سب ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔"

"تھکتے نہیں ہو تم لوگ؟" آسیہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی تو وہ یونہی ٹہلتی ہوئی گلاس وال کے قریب آ کھڑی ہوئی اور باہر لان میں جلتے ننھے ننھے رنگ برنگے قمقموں کو دیکھنے لگی، شادی کا ہنگامہ سرد پڑنے کے ساتھ جانے کیسے ان کی روشنی بھی ماند پڑ گئی تھی۔

"صبا! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" عقب سے نبیل کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا تو وہ ایک لمحہ کو ٹھٹکے پھر مسکرا کر بولے۔

"سوری مدحو! کیا بات ہے یہاں کیوں کھڑی ہو اور باقی سب لوگ کیا سو گئے؟"

"نہیں، ٹی وی پر کوئی پروگرام آ رہا ہے، شاید وہی دیکھ رہے ہیں۔" وہ جواب دے کر دوبارہ رخ موڑ گئی تو قدرے توقف سے نبیل اس کے قریب آ کر پوچھنے لگے۔

"تمہارا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟"

"ہاں۔ اپنے آپ سے، اب خدارا مطلب مت پوچھنے کھڑے ہو جائیے گا۔" اس کے لہجے میں اچانک تنفر سمٹ آیا تھا جسے محسوس کر کے نبیل خاموش ہو رہے کیونکہ جانتے تھے کہ وہ بہت جلدی ضبط کا دامن چھوڑ کر چیخنے لگتی ہے۔

"نبیل بھائی!" کچھ دیر بعد اس نے خود ہی انہیں پکارا۔ "ایک بات مانیں گے۔"

"ہوں۔" نبیل بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ سوچتے ہوئے انداز میں ہوں کی آواز نکالی تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"وعدہ کریں۔ ٹالیں گے نہیں۔"

نبیل فوراً کچھ نہیں کہہ سکے، کیونکہ انہیں حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کبھی اس طرح ان کے ساتھ رازدارانہ انداز میں باتیں نہیں کی تھیں نہ کبھی اپنا کوئی مسئلہ انہیں بتایا تھا۔

"میری جگہ اگر صبا ہوتی تو آپ فوراً اس سے وعدہ کر لیتے۔ میری بات کیوں ماننے لگے آپ؟" وہ ان کی خاموشی سے مایوس ہو کر بولی۔

"نہیں، میں تم سے بھی وعدہ کر رہا ہوں بتاؤ کیا بات ہے؟" نبیل نے چونک کر فوراً کہا تو اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ آواز میں جلدی جلدی بولنے لگی تھی۔

"میں شاہ سکندر سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز مجھے ان کے پاس لے چلیں، وہ یہیں اسلام آباد میں ہیں۔ میں نے ابھی نیوز میں انہیں دیکھا ہے۔"

نبیل نے کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تھا۔ یہ لڑکی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، نہ جگہ دیکھتی تھی نہ موقع۔ بس جب جس وقت جو بات دماغ میں سما جائے اور اسے سمجھانا بھی بہت مشکل تھا۔ وہ حقیقتاً اندر سے بہت

پریشان ہو گئے تھے بمشکل خود پر قابو پا کر کہنے لگے۔

"دیکھو، شاہ سکندر کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے پہلے اپائنٹمنٹ لینا پڑے گا اور یہاں اسلام آباد میں ان کا مستقل قیام نہیں ہے، کسی تقریب میں آئے ہوں گے اور ضروری نہیں کہ اب تک یہیں موجود ہوں ان کی صبح کہیں ہوتی ہے شام کہیں اتنا تو تم بھی جانتی ہو گی۔"

"میں جانتی تھی آپ اسی طرح مجھے ٹال دیں گے۔" وہ ناراضگی سے بولی۔

"نہیں مدو! تم سمجھنے کی کوشش کرو اور میرا یقین کرو، میں نے تم سے وعدہ کیا ہے ناں تو کراچی جا کر میں اپنی سی ہر ممکن کوشش کروں گا کہ کسی طرح تمہیں ان سے ملوا سکوں۔ بس اس وقت تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو۔"

نبیل کے مضبوط لہجے پر وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر جیسے احسان کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کا یقین کر رہی ہوں لیکن اگر آپ نے کراچی جا کر مجھے چکر دینے کی کوشش کی تو؟"

"توبہ کرو، تمہیں کون چکر دے سکتا ہے؟"

نبیل نے فوراً کان کو ہاتھ لگایا پھر اسے سونے کی تاکید کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے تو وہ جانے اس کی بات پر عمل کرنے کے بجائے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اصل میں احمر کے خط کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں ترازو ہو گیا تھا اور بہت کوشش کے بعد بس کچھ دیر کو ہی وہ اپنا دھیان ہٹا پاتی۔ اس کے بعد پھر اسے ہی سوچنے لگتی۔ تو اس کے اندر توہین کا احساس انگڑائیاں لینے لگتا اور یہ اس کے اپنے احساسات تھے اپنی سوچ تھی اور شاید لاشعوری طور پر وہ فرار بھی ڈھونڈ رہی تھی۔

پھر اگلے روز سمیہ کے ولیمے سے فارغ ہوتے ہی اس نے واپسی کی رٹ لگا دی۔ حالانکہ سیما بھابھی کے بہت اصرار پر آسیہ مزید دو تین روز قیام پر آمادہ ہو چکی تھی لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئی اور منوا کر رہی تھی۔



اسلام آباد سے آنے کے بعد تیسرے روز صباحت کو فون کرنے کا موقع ملا تھا۔ مدیحہ سونیا کے ساتھ اس کی کسی دوست کے ہاں گئی ہوئی تھی اور نبیل ابھی نکلے تھے۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ آ کر علی جہانگیر کے نمبر ڈائل کرنے لگی، دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے بولی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"صباحت!" وہ خوشگوار سے احساس میں گھر کر بولا۔ "آپ کیسی ہیں؟ اور یہ آپ نے آنے میں اتنے دن لگا دیے۔"

"نہیں، آ تو میں تین چار روز پہلے ہی گئی تھی لیکن خیر چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی مسز کیسی ہیں؟" فوراً بات بدل گئی۔

"بالکل ٹھیک اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں بتائیں کیا کروں، اسے سیدھا آپ کے گھر لے آؤں یا؟"

"اف نہیں۔" وہ گھبرا کر فوراً بولی تھی۔ "گھر آنے کی بات نہیں کریں پلیز آپ کی مسز اگر میری فرینڈ ہوتیں تب تو بات بن سکتی تھی۔"



"پھر آپ ہی کہیں، بات کیسے بنے گی؟ میں نے اپنی والدہ اور بہن کو دبئی سے بلایا ہی اسی مقصد کے لیے ہے کہ یہ سلسلہ آگے بڑھے اور میری والدہ تو صبح شام مجھے ٹوکتی ہیں کہ میں کب انہیں آپ کے گھر لے کر جاؤں گا؟"

علی جہانگیر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مزید پریشان ہو گئی اور سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے تو قدرے توقف سے وہ پکار کر پوچھنے لگا۔

"ہیلو صباحت! کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے؟"

"نہیں مجھے کچھ پتا نہیں۔" وہ عاجزی سے بولی۔

"کیا پتا نہیں؟"

"جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ کی والدہ اور بہن اس طرح کیسے آ سکتی ہیں میرا مطلب، بغیر کسی جان پہچان کے؟ مما تو فوراً مجھ سے پوچھیں گی تب بتائیں میں کیا کہوں گی ان سے؟" اس نے ابھی اس نہج پر سوچا بھی نہیں تھا جب ہی اتنی پریشان ہو گئی تھی۔

"آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں؟ پرپوزل آنا کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ کوئی بھی آ سکتا ہے یا آپ کی مما نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے؟" علی جہانگیر نے دھیرج سے کہا۔

"پتا نہیں۔" وہ جز بز سی ہو گئی تھی لہجہ بھی روٹھا ہوا تھا۔

"ارے آپ تو برا مان گئیں۔ چلیں جانے دیں۔ میں خود ہی کوئی ایسی راہ نکالوں گا جس میں آپ کی مما آپ سے نہ پوچھیں اوکے۔" علی جہانگیر نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے اطمینان دلایا پھر کہنے لگا اب آپ میری ایک بات مان لیں اگر کوئی مشکل نہ ہو تو کل لائبریری آ جائیں۔ ٹھیک پانچ بجے میں وہیں ملوں گا۔"

"اور ٹھیک پانچ بجے اگر میں وہاں نہیں پہنچی تو سمجھ لیجیے گا کہ بہت چاہنے اور بہت کوشش کے باوجود نہیں آ سکی۔"

اور جانے کیسے کچھ ترنگ میں کہہ گئی پھر فوراً کریڈل پر ہاتھ بھی رکھ دیا۔ اس کے بعد ریسیور رکھتے ہوئے وہ اپنے آپ مسکرائی۔



اگلے روز کالج سے آتے ہی اسے شام کی فکر ہو گئی تھی گو کہ لائبریری کے نام پر ثوبیہ فوراً ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتی تھی، لیکن اس کی موجودگی میں وہ علی جہانگیر سے بات نہیں کر سکتی تھی جبکہ عمر اسے لائبریری تک چھوڑ کر چلا جاتا پھر گھنٹے بھر بعد لینے پہنچ جاتا تھا، اس لیے اس نے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا پھر نیچے چلی آئی تا کہ کسی طرح عمر کو تیار کر سکے۔

"سنو، تم ٹیوشن پڑھانے کس وقت جاتے ہو؟" اس نے عمر کے ڈیک میں جھانکتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا لیکن وہ بھی ایک کائیاں تھا فوراً بولا۔

"تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب میں نے کہاں جانے کی بات کی ہے؟" وہ ڈیک چھوڑ کر اس کی طرف گھومی تو وہ ہنس رہا تھا۔

"سب سمجھتا ہوں میں۔ اس وقت سونا چھوڑ کے میرے پاس آنے کا مطلب ہی یہی کہ تمہیں کہیں جانا ہو گا۔"

"تو تم نہیں لے جاؤ گے۔" اس نے اس انداز سے کہا جیسے سوچ لو تمہیں بھی کام پڑیں گے۔

"جانا کہاں ہے؟" عمر نے بھی سمجھ کر فوراً ہتھیار ڈال دیے کیونکہ ضرورت کے وقت وہی اس کے کام آتی تھی۔

"پہلے بتاؤ، لے جاؤ گے یا نہیں؟"

"یار! ایک تو تم۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "لے جاؤں گا افق کے اس پار بھی کہو گی تو وہاں بھی لے جاؤں گا۔"

"بس تو جاتے ہوئے مجھے پک کر لینا۔ کتنے بجے جاؤ گے؟" وہ خوش ہو کر بولی۔

"ساڑھے چار اور ایسا کرتا ہوں میں ایک گھنٹہ سو لیتا ہوں تم آ کر مجھے اٹھا دینا اور یہ ذرا پردے برابر کر دو۔" عمر دوبارہ لیٹ گیا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ پردے برابر کر کے اس کے کمرے سے نکل آئی۔

آپ سو رہی تھی، اس لیے اس نے نبیل کو عمر کے ساتھ لائبریری جانے کا بتا دیا اور ٹھیک ساڑھے چار بجے عمر کے ساتھ نکل آئی تھی۔ دس منٹ کا راستہ تھا۔ یوں اپنے تئیں وہ علی جہانگیر سے پہلے پہنچ گئی تھی لیکن اسے موجود دیکھ کر اس نے بے اختیار اپنی گھڑی پر نظر ڈالی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"پانچ بجنے میں سترہ منٹ۔"

"جی۔" کلائی نیچے گرا کر وہ بھی ذرا سا مسکرائی پھر ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے اس طرف بڑھنا چاہتی تھی کہ علی جہانگیر کے عقب سے نکل کر ایک لڑکی اس کے سامنے آ گئی۔

"یہ میری سسٹر ہے رابعہ۔" علی جہانگیر نے تعارف کرایا تو وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔ اس لیے ذرا کوئی پیش رفت نہیں کر سکی نہ سلام نہ ہاتھ بڑھایا۔

"شاید آپ کو مجھے دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی لیکن میں بہت خوش ہوئی ہوں۔" رابعہ نے اس کے خاموش رہنے پر قدرے جتا کر کہا۔

"شکریہ۔" وہ بمشکل سنبھل کر بس اسی قدر کہہ سکی۔

"چلیں، کہیں اور چلتے ہیں، یہاں تو۔" رابعہ نے اطراف میں دیکھ کر لوگوں کے ڈسٹرب ہونے کا اشارہ کیا

"نہیں، میں اور کہیں نہیں جا سکتی۔ میرا بھائی مجھے یہیں لینے آئے گا۔" اس نے کہہ کر علی جہانگیر کو دیکھا تو وہ سمجھ کر رابعہ کو ٹوکتے ہوئے بولا۔

"رابعہ! میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ یہ اکیلی کہیں نہیں جاتیں۔"

"ہمارے ساتھ اکیلی کہاں ہوں گی، کیوں صباحت۔" رابعہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

"آپ سمجھیں نہیں۔ اصل میں مجھے لائبریری کے علاوہ اور کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے اور یہاں تک بھی میں بھائی کے ساتھ آتی ہوں۔"

"چلو تم وہاں جا کر بیٹھو۔" علی جہانگیر نے اتنا کہہ کر رابعہ کو ٹیبل کی طرف دھکیل دیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ "آپ اس کی باتوں کو مائنڈ نہیں کیجیے گا۔"



"آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ آپ کی سسٹر بھی ساتھ ہوں گی۔" وہ اس کی بات ان سنی کر کے آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"کل تک ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا بس ابھی آتے ہوئے سوچا، اسے آپ سے ملوا ہی دوں۔ بہت تنگ کر رہی تھی، اگر آپ کو اس کا آنا اچھا نہیں لگا تو۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "بس میں اچانک کسی بات کو فیس نہیں کر سکتی۔"

"چلیں، آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"تھینک یو۔" وہ دوسری رو میں مڑ کر ریک دیکھنے لگی اور پھر جس کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اس سے پہلے ہی علی جہانگیر نے کھینچ لی اور کھول کر اوپر سے نیچے تک پورے صفحے پر نظر ڈالی پھر دھیمی آواز میں پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

کبھی یوں ملیں کوئی مصلحت کوئی خوف دل میں ذرا نہ ہو
مجھے اپنی کوئی خبر نہ ہو تجھے اپنا کوئی پتا نہ ہو
کبھی دھوپ دے کبھی بدلیاں دل و جاں سے دونوں قبول ہوں
مگر اس محل میں نہ قید کر جہاں زندگی کی ہوا نہ ہو
تیرے اختیار میں کیا نہیں مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں میرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

✿ ✿ ✿

عمر پھر اسی کا خط لہراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

مدیحہ نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ پہلے وہ چائے کا مطالبہ کرے گا، اس کے بعد بھی بہت عاجز کر کے خط اسے دے گا اس لیے پہلے ہی بول پڑی۔

"سنو، مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا میں چائے تو کیا تمہیں پانی بھی نہیں پلاؤں گی۔ بے شک خط اپنے پاس رکھو۔"

"یعنی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" عمر خجل سا ہو گیا تھا۔

"بالکل نہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"یار یہ سراسر زیادتی ہے مدو کہ بڑے بھائی تو تمہیں اتنا مانتے ہیں اور تمہیں کوئی پروا ہی نہیں۔" عمر نے احتجاج کیا۔

"تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے، سمجھے۔" وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "خط دینا ہے دو ورنہ جاؤ یہاں سے کیونکہ میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں کوئی بحث نہیں کر رہا، بس اتنا بتا دو کہ محض چائے پلانے کے ڈر سے تم ایسا کہہ رہی ہو یا واقعی تمہیں خط سے دلچسپی نہیں؟" عمر ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر الماری کھول لی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

"میں کیوں سمجھ لوں۔ سمجھنے والے تمہیں نہ سمجھے۔" عمر خط اس کی طرف پھینک کر کمرے سے نکل گیا تو اس نے فوراً الماری بند کر کے اپنے پیروں کے پاس سے لفافہ اٹھا لیا پھر بھاگ کر عمر کو پیچھے سے پکارا۔

"سنو عمر!"

عمر نے پلٹ کر دیکھا تو اسی کے انداز میں لفافہ لہرا کر ہنستی ہوئی بولی۔

"تھینک یو۔"

عمر سر پہ ہاتھ پھیرتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا تو اس نے دوبارہ کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا اور لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی، جیسے کھولنا بھی چاہتی ہو اور نہیں بھی کیونکہ گزشتہ خط سے وہ ابھی تک تپی ہوئی تھی اور اب پتا نہیں اظہر نے کیا لکھا تھا؟ متجسس ہونے کے باوجود اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ کھول کر پڑھے شاید اس لیے کہ اس نے ہمیشہ خود کو تسلیم کروایا تھا اور اب اپنی ذات کی ذرا سی نفی بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی دیر تک سوچنے اور ادھر سے ادھر ٹہلنے کے بعد اس نے لفافہ چاک کیا تھا۔

"پہلے میں نے تمہارے جواب کا انتظار کیا مدحوا لیکن پھر تمہاری بات یاد آئی کہ تمہیں ایک خط لکھنے میں کتنا عرصہ لگے گا۔ ویسے میں نے کوئی جواب طلب بات لکھی بھی نہیں تھی۔ بس اپنی کیفیات بیان کر دی تھیں جنہیں پڑھ کر پتہ نہیں تمہاری کیا کیفیت ہوئی۔ تم نے میرا مذاق اڑایا یا مجھ پر غصہ آیا۔ یہ ضرور لکھنا تاکہ آئندہ میں محتاط ہو جاؤں۔"

اور ہاں ثوبیہ نے مجھے سمیہ کی شادی کی تصویریں بھیجی ہیں ان میں تمہاری دو تصویریں ہیں دونوں میں صبا اور تم ساتھ ساتھ ہو اور میں تم سے یہ کہوں گا مدحوا کہ تم مصنوعی کے بجائے چاہے صبا کا اصلی تل نوچ کر اپنے چہرے پر سجا لو پھر بھی صبا نہیں بن سکتیں۔ آئندہ ایسی کوشش نہیں کرنا اور اگر تمہیں صبا بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔

"مائی فٹ میں کیوں صبا جیسی بننے لگی۔ جیسی، جی حضوری کرنے والی مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔"

اس نے بے حد تلملا کر خط پھاڑ ڈالا اور کتنی دیر اپنے آپ کھولتی رہی پھر اپنے آپ نارمل بھی ہو گئی اور خط کے ٹکڑے دیکھ کر پہلے حیران پھر پریشان سی ہو کر انہیں جوڑنے کی کوشش کرنے لگی تھی کہ دروازے پر دستک کے ساتھ صباحت کی آواز آئی وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

"مدحوا دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟"

اس نے جلدی سے سارے ٹکڑے اکٹھے کر کے لفافے میں ڈالے اور لفافہ الماری میں چھپانے کے بعد دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"زندہ ہوں، مری نہیں ہوں۔"

"مریں تمہارے دشمن۔" صباحت اندر آتے ہوئے بولی۔

"جانتی ہو۔ میرے دشمن کون ہیں؟" اس نے قدرے شوخی سے دیکھا تو صباحت چیخ پڑی۔

"خبردار جو اس گھر کے کسی فرد کا نام لیا تو۔"

"ہاہاہا۔" وہ ہنستی ہوئی بیڈ پر جا گری۔ پھر کہنی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر ٹکاتی ہوئی صباحت کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

"سنو، کبھی تم نے یہ خواہش کی ہے کہ تم میرے جیسی ہوتیں۔ یعنی تمہاری سوچیں، تمہاری عادات سب مجھ سے ملتیں؟"

صباحت نے بے اختیاری میں سر ہلایا تو وہ ایک دم بپھر کر اٹھ بیٹھی۔

"مجھے بھی ایسا کوئی شوق نہیں ہے کہ میں مدحیہ کی بجائے صباحت نظر آؤں اور تمہاری طرح ہر ایک



کی خوشی ناخوشی کی پروا کرتی پھروں۔"

"تو تم سے کس نے کہا ہے ایسا کرنے کو؟" صباحت نے الجھ کر پوچھا۔

"کسی نے نہیں لیکن چاہتے سب یہی ہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

"کوئی نہیں مجھے تو کبھی کسی نے نہیں کہا۔ تم پتا نہیں کیوں اپنے آپ سب سے شاکی ہو جاتی ہو؟ حالانکہ سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابھی بھی نیچے تمہارا ذکر ہو رہا تھا پتا ہے، مامی جی کیا کہہ رہی تھیں کہ عمر کے لیے بھی وہ تمہارے جیسی لڑکی ڈھونڈیں گی۔" صباحت کے سیدھے سادے انداز پر وہ مزید چڑ کر بولی۔

"تم اسے میری تعریف سمجھ رہی ہو۔"

"تعریف ہی کر رہی تھیں مامی جی کہ مجھے مدحو جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔"

"ہونہہ!" اس نے نخوت سے سر جھٹکا تو صباحت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

"ویسے اس وقت تمہیں کس بات کا غصہ ہے نیچے تو تم گئیں نہیں پھر نبیل بھائی نے کچھ کہا ہے؟"

"نبیل بھائی ہوتے کہاں ہیں آج کل؟ مجھے تو بس کھانے پر ہی نظر آتے ہیں۔" اس نے کہا پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ہوں اب کچھ۔ مجھ سے کترا رہے ہیں نبیل بھائی۔"

"کیوں، تم سے کیوں کترائیں گے؟" صباحت کو اس کا پل پل بدلتا موڈ سمجھ میں آ رہا تھا نہ اس کی باتیں۔

"بس ہے ایک بات، تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے میں آج نبیل بھائی سے نمٹ لوں۔" وہ پہلے صباحت کو دیکھ کر بولی پھر اپنے آپ جانے کیا بڑبڑانے لگی تھی۔

❁....❁....❁

علی جہانگیر بہت خاموشی سے رابعہ کی باتیں سن رہا تھا جو وہ صباحت کے بارے میں اپنی ماں سے کہہ رہی تھی۔

"ہے تو پیاری لیکن کچھ مغرور سی لگتی ہے یا پھر میرے سامنے پوز کر رہی تھی۔ زیادہ بات ہی نہیں کی اور علی نے بھی مجھے ٹوک کر ایک طرف بٹھا دیا تھا ورنہ میں اس سے اس کی ماں کی عادات اور مزاج کا ضرور پتا چلاتی۔"

"کیوں اس کی والدہ کے مزاج سے تمہیں کیا لینا دینا؟" علی جہانگیر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا تو اس سے پہلے عارفہ بیگم بول پڑیں۔

"کیوں نہیں ہے، پہلے تو ہمارا اس سے واسطہ پڑنا ہے۔ بقول باباجان کے بڑی چالاک عورت ہے اور تمہارے ابا کا کہنا ہے کہ بس پڑھی لکھی سمجھ دار ہے جیسے شہر کی دوسری عورتیں نظر آتی ہیں اور اس کے گھر والے بھی عام سے ہیں۔" عارفہ بیگم کچھ ناگواری سے کہہ رہی تھیں کہ فون کی بیل پر خاموش ہو گئیں۔

علی جہانگیر نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف باباجان تھے۔

"السلام علیکم باباجان!"

"جی ابا کا فون آیا تھا، انہوں نے امی کو ساری بات سمجھا دی ہے۔"

"میں بس ابھی لے جا رہا ہوں امی اور رابعہ کو بھی۔"

"جی [illegible]"

"خدا حافظ!" اس نے ریسیور رکھ کر گھڑی پر نظر ڈالی پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"چلیں امی، ڈاکٹر آسیہ آ چکی ہوں گی۔"

عارفہ بیگم اپنی چادر سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں پھر رابعہ کے ساتھ آگے بڑھی تھیں۔

کچھ دیر بعد علی جہانگیر کی گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی آسیہ کے کلینک کے گیٹ پر رکی تھی۔

"تم یہیں رک کر انتظار کرو گے یا؟" عارفہ بیگم نے اترتے ہوئے علی جہانگیر سے پوچھا۔

"اب پتا نہیں آپ کو کتنی دیر لگے اگر جلدی فارغ ہو گئیں تب۔" علی جہانگیر خود نہیں کچھ پایا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

"ٹھیک ہے پھر تم یہیں رکو۔" عارفہ بیگم خود انتظار کی زحمت سے بچنے کے لیے اسے انتظار میں چھوڑ کر رابعہ کے ساتھ گیٹ میں داخل ہوئیں پھر برآمدے سے آگے راہداری اس کے بعد کاؤنٹر سے نمبر لے کر ایک صوفے میں اطمینان سے دھنس کر بیٹھ گئیں اور بہت تیکھی نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ جبکہ رابعہ اچانک مشتاق ہو گئی تھی۔ اس کے اندر ایک تجسس سا جاگ اٹھا تھا۔ گلاس وال سے اندر آسیہ کو دیکھ کر فوراً عارفہ بیگم کا بازو ہلا کر سرگوشی میں بولی۔

"امی! وہ دیکھیں ڈاکٹر؟ کیا یہی سکندر چاچا کی؟"

"چپ۔" عارفہ بیگم نے بری طرح اسے گھورا تو وہ بسور کر بولی۔

"وہ کون سا سن رہی ہیں؟"

"سن بھی سکتی ہے اور تم اگر چپ نہیں بیٹھ سکتیں تو جاؤ بھائی کے پاس۔" عارفہ بیگم نے اسے مزید ڈانٹ بھی دیا جس پر وہ خاصی ناراض سی ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگی، اور کافی دیر بعد ان کی باری آئی تھی۔

عارفہ بیگم اپنے قدرے بھاری وجود کے ساتھ کھڑی ہوئیں اور پھر پہلے رابعہ کو آگے کر کے اس کے پیچھے آسیہ کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

آسیہ نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں دونوں ماں بیٹی کو دیکھتے ہوئے رابعہ کو سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیا، ساتھ ہی ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تو رابعہ اس کے قریب بیٹھ کر عارفہ بیگم کو یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی بیماری کے بارے میں وہی بتائیں گی۔

"جی!" آسیہ بھی عارفہ بیگم کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"یہ میری بیٹی ہے کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔ دیکھیں، کتنی کمزور ہو رہی ہے۔" عارفہ بیگم نے خاصی تشویش کے ساتھ کہا تو آسیہ رابعہ کو دیکھ کر ذرا سا مسکرائی پھر اس کی نبض تھام کر اپنے مخصوص انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیوں، ناشتا کیوں نہیں کرتیں؟" آسیہ کے نرم لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اس لیے کہ میں اٹھتی ہی بارہ بجے ہوں، اس وقت اگر ناشتہ کروں گی تو دوپہر کا کھانا رہ جائے گا، پھر امی کو یہ فکر ہو گی کہ میں کھانا نہیں کھاتی۔"

"تو آپ کی یہ روٹین کیوں ہے، پڑھتی نہیں ہو؟"

"پڑھ لیا، اس نے بی اے کا امتحان دیا ہے اور اب تو اس کی شادی کریں گے۔" رابعہ کے بجائے عارفہ بیگم نے جواب دیا تو آسیہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔



"تو پرابلم، اسے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ بچے جہاں پڑھائی ختم ہوئی اپنی روٹین خراب کر لیتے ہیں۔ آپ اسے دیر تک سونے سے باز رکھیں پھر یہ خود ہی سب کھانے پینے لگی اور بیٹا! آپ خود سمجھدار ہو، آپ کو اپنی امی کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔" آسیہ نے آخر میں رابعہ کو دیکھا تو وہ اکتی ہوئی بولی۔

"امی تو بس یونہی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"کیا کروں، ماں جو ہوں۔" عارفہ بیگم اٹھ کر رابعہ کی جگہ پر آ بیٹھیں اور اپنی تکلیف بتانے لگیں۔

"میری ٹانگوں میں بہت درد رہتا ہے خاص طور سے ایڑیوں میں۔" آسیہ نے پوری توجہ سے ان کی تکلیف سنی پھر پین اٹھا کر میڈیسن لکھنے سے پہلے پوچھا۔

"نام۔"

"بیگم عارفہ جہانگیر۔" عارفہ بیگم کے لہجے میں جانے کیسا تفاخر سمٹ آیا تھا۔

"بیگم عارفہ جہا۔" آسیہ کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا۔ چلتا ہوا قلم رک گیا اور بے اختیار انہیں دیکھ کر پوچھا تھا۔

"آپ شاہ پور سے آئی ہیں؟"



"شاہ پور! یہ کہاں ہے کراچی میں ہے؟" عارفہ بیگم نے انتہائی معصوم بن کر پوچھا۔

آسیہ فوراً جواب نہیں دے سکی تو قدرے توقف سے عارفہ بیگم خود ہی کہنے لگیں۔

"ہم تو یہاں گلشن راوی پر رہتے ہیں وہ بھی ابھی دو مہینے ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔ اس سے پہلے دبئی میں تھے میرے میاں ابھی بھی وہیں ہیں۔ ان کا اپنا بزنس ہے۔ اب سالوں سے وہاں جمے ہوئے ہیں تو ایسے تو نہیں آ سکتے نا۔ میں اپنے بیٹے اور اس بیٹی کی وجہ سے آ گئی ہوں۔ اس کی منگنی یہاں چچا کے گھر میں کی ہوئی ہے اور بیٹے کے لیے کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں ہوں۔ مل جائے تو پھر انشاء اللہ دونوں کی ساتھ شادی کر دوں گی۔"

آسیہ بالکل غیر ارادی طور پر ان کی باتیں سننے لگی تھی جب وہ خاموش ہوئیں تو یونہی سر ہلا کر پیڈ پر میڈیسن لکھنے لگی پھر صفحہ پھاڑ کر انہیں تھما کر بولی۔

"آپ یہ میڈیسن ایک ہفتے استعمال کریں اس کے بعد میرے پاس آئیے گا۔ اگر ضرورت ہوئی تو میں اور لکھ دوں گی۔"

"میں نے دبئی میں بہت علاج کرایا۔ جب تک دوا استعمال کرتی درد میں کمی ہوتی اور جہاں دوا چھوڑی پھر وہی تکلیف، آخر کہاں تک دوا کھاؤں تنگ آ گئی ہوں۔" عارفہ بیگم نے کہا۔

"اب انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔" آسیہ نے کہہ کر بیل کا بٹن پش کیا تو رابعہ اگلے مریض کی آمد کا اشارہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحبہ! میں پھر ایک ہفتے بعد آؤں گی۔" عارفہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں اور آسیہ کے متوجہ ہونے پر ناک سکیڑتی ہوئی رابعہ کے ساتھ باہر آ گئیں۔

علی جہانگیر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے اطمینان سے کھڑا تھا۔ انہیں آتے دیکھ کر بھی اس نے کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا تو رابعہ نے خود ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر پہلے عارفہ بیگم کو بٹھایا پھر دوسری طرف سے

آمنہ اپنے لیے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے بولی۔

"بھائی! کیا یہیں ڈیرہ ڈالنے کا ارادہ ہے۔"

"ہیں!" علی جہانگیر نے چونک کر اسے دیکھا پھر جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور بہت تجسس ہونے کے باوجود خود کو اس سے کچھ پوچھنے سے باز رکھ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اسپیڈ سے مین روڈ پر لے آیا تھا کہ عقب سے عارفہ بیگم اپنے آپ بولنے لگیں۔

"تو یہ کیسی چالاک عورت ہے بابا جان نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہ تو شکر ہے میں پہلے سے تیار تھی ورنہ یہیں معاملہ ختم ہو جاتا، ہے نا رابعہ؟"

"ہوں۔" رابعہ زور زور سے اثبات میں گردن ہلانے لگی۔

"کیا کیا ہوا تھا؟" علی جہانگیر اب رہ نہیں سکا اسپیڈ آہستہ کر کے مڑ کر عارفہ بیگم کو دیکھ کر پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

"بہت تیز عورت ہے۔ میں نے جیسے ہی اپنا نام بتایا، پوچھنے لگی شاہ پور سے آئی ہیں۔ بتاؤ بھلا دو چار دنوں کی بات تو نہیں ہے سالوں گزر گئے۔ سکندر نے کبھی کبھی اس کے سامنے میرا ذکر کیا ہوگا تو نام نہیں لیا ہوگا میرا، اور جہانگیر بھی ایک صرف تمہارے باپ کا نام تو نہیں ہے پھر بھی وہ ٹھٹک گئی تھی۔"

"اور آپ۔ آپ نے کیا کہا؟" علی جہانگیر نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

"ارے بھائی! امی نے تو کمال کر دیا۔" رابعہ فوراً بول پڑی۔ خاصا پرجوش انداز تھا۔ "حالانکہ میں گھبرا گئی تھی۔ لیکن امی نے اتنے سکون سے جواب دیا کہ ڈاکٹر آسیہ تو کیا اس کا..."

علی جہانگیر نے تنبیہی نظروں سے رابعہ کو دیکھا جس سے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"ایک ہفتے بعد بلایا ہے۔ اب دیکھو، کتنے عرصے میں بات بنتی ہے۔ ادھر بابا جان اتنے بے صبرے ہو رہے ہیں۔ جلدی میں معاملہ خراب ہو سکتا ہے یہ بات تم بابا جان کو سمجھا دینا۔"

عارفہ بیگم کہہ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگیں۔

علی جہانگیر نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

✿ ✿ ✿

صباحت گھٹنوں پر "خوشبو" کھولے بڑے انہماک سے اس پر جھکی ہوئی تھی۔

اپنی رسوائی تیرے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور کیا کیا دیکھوں
نیند آ جائے تو کیا محفلیں برپا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو کیا تنہائی کا صحرا دیکھوں
تو میرا کچھ نہیں لگتا ہے مگر جان حیات
جانے کیوں تیرے لیے دل کو دھڑکتا دیکھوں
بند کر کے مری آنکھیں وہ شرارت سے ہنسے
بوجھے جانے کا میں ہر روز تماشا دیکھوں

نبیل کی آمد خاموشی سے ہوئی نہیں تھی۔ اسٹک کی آواز [illegible]... کرسی کھینچ کر بیٹھے لیکن وہ



اتنی منہمک تھی کہ اسٹک کی آواز پر چونکی نہ کرسی گھسیٹے جانے پر۔ نبیل اسے متوجہ کرنے لگے تھے کہ پھر کسی خیال سے رک گئے اور بہت خاموشی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھنے لگے۔ کتنے لمحے یوں سرک گئے اسے نبیل تو کیا شاید اپنی خبر بھی نہیں تھی۔ پھر صفحے پلٹتے ہوئے سر اونچا کیا تو نہ صرف اچھل پڑی بلکہ بری طرح سٹپٹا بھی گئی تھی۔

"نبیل بھائی! آپ۔ آپ کب آئے؟"

"حیرت ہے تمہیں میری آمد کا پتا نہیں چلا۔" نبیل بالارادہ جتا گئے۔

"آپ آئے ہی اتنی خاموشی سے۔" اس نے بھی بے ساختہ کہا لیکن فوراً احساس بھی ہو گیا۔ "نہیں شاید میں بہت مگن تھی۔"

"ہوں۔ بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں، اتنی مگن ہو کہ اپنے آس پاس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ کوئی نئی کتاب، نظم آ گئی ہے یا کسی نئی بات کو پرانی کتابوں میں ڈھونڈنے لگی ہو۔" نبیل نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور مسکرائے بھی۔

"نہیں تو۔" وہ گھبرا گئی "میرا مطلب ہے۔ نئی بات کیا ہو سکتی ہے اور کتاب بھی نئی نہیں ہے۔ یہ پڑھیں، خوشبو۔"

"ذرا خوشبو کی تعریف کرو۔" نبیل نے کتاب اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا تو اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ دیر سوچنے کے بعد معذوری ظاہر کی۔

"نہیں۔ میں صرف اسے محسوس کر سکتی ہوں۔"

نبیل کی نظریں بظاہر کتاب پر تھیں لیکن سارا دھیان اس کی طرف تھا، اس کی بات سن کر کچھ بولے نہیں تو [illegible] وقت سے وہ انہیں متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

"نبیل بھائی! مدحت نے آپ سے کوئی کام کہا تھا؟"

"کس بارے میں؟" نبیل کو جانے یاد نہیں تھا یا قصداً انجان بن کر پوچھا تو وہ ذرا سے توقف سے [illegible]

بتانے لگی وہ یہ کہہ رہی تھی کہ آپ نے اس کا کام نہیں کیا جب ہی اس سے کترا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے وہ جو کام اس نے کہا ہے، وہ اتنا آسان نہیں ہے پھر بھی میں کوشش کر رہا ہوں۔" نبیل نے [illegible] سے کہا۔

"وہ کیا کام ہے؟ مجھے بتائیں۔" اس نے عادت کے مطابق فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

"ہاں تم تو ایسے۔" نبیل کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے پھر گہری سانس کھینچ کر بولے۔ "مدحت [illegible] جاتی ہے حالانکہ میں اپنی سی پوری کوشش کر رہا ہوں۔"

"[illegible] بات ہی۔ مجھے بھی تو بتائیں یا مدحت نے منع کیا ہے آپ کو؟" اس نے الجھ کر کہا۔

"نہیں اس نے تو منع نہیں کیا۔" نبیل نے پرسوچ انداز میں کہہ کر اسے دیکھا۔

"پھر [illegible] کیوں چھپا رہے ہیں؟"

"[illegible] اچھا نہیں رہا ہوں یہ کہ تم بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہو، اس لیے فی الحال تمہیں نہیں بتا رہا تھا۔"

"[illegible] میں پریشان نہیں ہوں گی۔" وہ فوراً بولی تھی۔ "جلدی سے بتائیں کیونکہ آپ نے مجھے تجسس

میں جلا کر دیا ہے اور جب تک میں جان نہیں لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہی اسے شاہ سکندر کے بارے میں جاننے کا دورہ پڑا ہے۔" نبیل نے بے حد سرسری انداز میں کہا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"آپ اور کیا جاننا چاہتی ہے وہ۔ مما نے سب بتا تو دیا ہے۔"

"ان کا اتا پتا تو نہیں بتایا اور وہی جاننا چاہتی ہے وہ۔" نبیل کا انداز ہنوز تھا جس پر وہ چیخ گئی۔

"یعنی آپ کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ہے اور مزید کوشش بھی کر رہے ہیں اتا پتا معلوم کرنے کی اس کے بعد کیا ہوگا یہ سوچا ہے آپ نے؟"

نبیل خاموشی سے اسے دیکھتے رہے بولے کچھ نہیں۔

"نہیں نبیل بھائی! آپ مدحو کا یہ کام نہیں کریں گے، اگر مما کو معلوم ہو گیا تو انہیں بہت دکھ ہوگا۔ یہ بات تو ہمیشہ آپ مجھے اور مدحو کو سمجھاتے رہے ہیں کہ ہمیں مما کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہیے پھر آپ کیسے؟" وہ بہت دکھ اور تاسف سے بول رہی تھی۔

نبیل نے ہونٹ بھینچ کر گہری سانس کو باہر آنے سے روکا تھا۔

"کچھ دن سکون سے گزرتے ہیں وہ پھر کوئی شوشہ چھوڑ دیتی ہے۔ شاید اسے سب کو پریشان کر کے مزہ آتا ہے۔ کہیں وہ سچ مچ تو پاگل نہیں ہے۔" نبیل کی خاموشی پر وہ اپنے آپ بولنے لگی تھی۔ "میں مما سے کہوں گی اسے کسی سائیکالوجسٹ کے پاس لے جائیں اور نبیل بھائی آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہو اور وہی دیکھ رہا ہوں۔" نبیل نے اپنی نشست کا انداز بدلتے ہوئے کہا۔

"تو کیا یہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہاں اب رونا بھی شروع کر دو۔" نبیل کو جانے کیوں غصہ آ گیا۔ "مدحو جیسے چلی گئی ہے نا شاہ سکندر کے پاس اور اب تم اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گی، اسی بات سے ڈرتی ہو نا تم اور پھوپھو بھی۔ تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ وہ اگر جائے گی بھی تو زیادہ دن وہاں رک نہیں سکے گی۔ اس لیے کہ وہ کسی ماحول میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس ماحول کو اپنی مرضی کے تابع رکھنا چاہتی ہے اور اس گھر میں تو پھر اس کی مرضی چل جاتی ہے کہ اس کا نہیں تو سب کو پھوپھو کا خیال رہتا ہے اور شاہ سکندر کے ہاں تو بالکل ہی برعکس ہوگا پھر بتاؤ وہ کیسے رہے گی وہاں؟"

"آپ یعنی آپ مدحو کی فیور کر رہے ہیں۔" وہ واقعی چکرا گئی تھی۔

نبیل نظریں چرا کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر کمرے کی طرف جاتے جاتے انہوں نے بے اختیار اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"نبیل بھائی!" اس نے عقب سے پکارا لیکن وہ ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے تو وہ سراسیمہ سی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❂ ❂ ❂

"صبا! وہ ذرا مما کے کمرے سے نیلے رنگ کا شاپر ان کے پاس لے جاؤ۔" مدیحہ نے کمرے میں



داخل ہوتے ہی کہا۔

"کہاں ہیں مما؟" صباحت نے وارڈ روب بند کر کے اسے دیکھا۔

"نیچے مامی جی کے پاس۔" مدیحہ بتا کر واش روم میں چلی گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو صباحت موجود نہیں تھی۔ اس نے بہت دھیمی آواز میں ٹیپ ریکارڈر آن کیا پھر بیڈ پر دراز ہو کر لیٹنا چاہتی تھی کہ فون کی بیل پر جھنجلا گئی۔

"بس خبر ہو جاتی ہے لوگوں کو کہ میں لیٹنے جا رہی ہوں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکلی اور ریسیور اٹھا کر خاصی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں احمر!" ادھر سے احمر کی آواز سنتے ہی یک لخت اس کا موڈ بدل گیا۔

"سوری میں سمجھی پتا نہیں کون۔ خیر چھوڑیں۔ آپ کیسے ہیں اور یہ اس وقت؟ میرا مطلب ہے آپ کے ہاں تو رات کا آخری پہر چل رہا ہوگا۔"

"ہاں صبح دور نہیں ہے اور میں نے سوچا چلو۔ صبح کے آغاز سے پہلے تم سے معافی مانگ لوں۔" احمر نے کہا تو وہ قدرے متعجب ہوئی۔

"کس بات کی؟" پھر فوراً ہی خود سے سمجھ کر کہنے لگی۔ "اچھا وہ جو آپ نے الٹے سیدھے خط لکھے ہیں تو جناب ان کے لیے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں سمجھ گئی تھی کہ۔"

"تم نہیں سمجھ رہیں۔" احمر نے ٹوک دیا۔

وہ ایک دم خاموش ہو گئی تو چند ساعتوں کے لیے جیسے کائنات تھم گئی تھی۔ پھر احمر نے اچانک دھماکہ کر کے محشر بپا کر دیا تھا۔

"مدحو میں یہاں شادی کر رہا ہوں۔"

وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی۔ جبکہ دل چاہ رہا تھا چیخ کر اسے برا بھلا کہے، جیسے ہمیشہ معمولی سی زیادتی پر بھی احتجاج کرتی رہی ہے ابھی بھی کرے لیکن ایک تو اس کے حلق میں گولہ سا اٹک گیا تھا دوسرے بے تکلفی کے ساتھ یہ خیال کہ شاید وہ مذاق کر رہا ہے۔

"تمہیں دکھ تو ہوگا مدحو! لیکن بہت جلدی تم اسے عام سی باتوں میں شمار کر کے بھلا بھی دو گی۔" ادھر احمر ایسا کہہ رہا تھا۔

"تم شروع سے ایسی ہی ہو، کسی بات کو زیادہ دیر تک خود پر طاری نہیں رکھتیں پھر بھی میں تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔ ہیلو تم سن رہی ہو نا؟"

اس نے دھندلائی آنکھوں سے ریسیور کو دیکھا پھر آہستہ سے کریڈل پر رکھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تو اس کے اندر ایک لاوا دہک رہا تھا۔ کوئی اور بات ہوتی تو ٹکڑے ٹکڑے سب کچھ تہس نہس کر دیتی لیکن ٹھکرائے جانے کا دکھ کم، توہین کا احساس زیادہ تھا جو اسے فوری ردعمل سے باز رکھ رہا تھا اور اندر دہکتی آگ چین بھی نہیں لینے دے رہی تھی۔ کچھ دیر وہ ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی پھر واش روم کا رخ کیا اور کتنی دیر شاور کے نیچے کھڑی رہی۔

"تم نے ٹھیک کہا احمر! میں کسی بات کو زیادہ دیر تک خود پر طاری نہیں رکھتی۔" اس نے تولیے سے بالوں کو جھٹکتے ہوئے سوچا پھر برش کرتے ہوئے وہ جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔ اس کے بعد کمرے سے نکلنے تک

اس کے قدم بوجھل تھے پھر تو جیسے بھونچال آ گیا۔ سیڑھیاں اترنے کے ساتھ چلانے بھی لگی تھی۔

"امی جی، سونیا آپی زبردست خوشخبری ہے۔ کہاں ہیں سب لوگ؟"

"کیا لاٹری نکل آئی ہے؟" عمر نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"امی جی کہاں ہیں؟" وہ ان سنی کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ادھر اماں جی کے کمرے میں لیکن پہلے خوش خبری میں سنوں گا، جلدی بتاؤ۔" عمر نے کہا تو وہ اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گئی اور اماں جی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولی۔

"خواتین و حضرات میں آپ کے لیے زبردست خبر لائی ہوں جسے سنتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑیں گے۔"

"مدحوا" آسیہ نے گردن موڑ کر اسے کچھ تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

"آپ سنیں تو مما!" وہ آسیہ سے کہہ کر باری باری سب کو دیکھنے لگی تو عقب سے عمر اس کے بال کو جھٹکا دے کر بولا۔

"اب بتا بھی دو۔"

"ایسے کیا بتا دوں۔ پہلے مٹھائی وغیرہ لاؤ اور ہاں ڈھولک بھی بجنی چاہیے کیونکہ احمر بھائی وہاں شادی کر رہے ہیں۔" وہ واقعی کمال ضبط کا مظاہرہ کر گئی تھی۔

آسیہ اور میمونہ بھابھی قدرے سناٹے میں آ کر اسے دیکھنے لگیں جبکہ صباحت اور سونیا کے ہونٹوں سے چیخ نما آواز میں "کیا" نکلا تھا اور اماں جی بس ایک لمحہ کو ٹھٹھکیں پھر اس پر بگڑ گئیں۔

"باؤلی ہو گئی ہو کیا، جو منہ میں آتا ہے بک رہی ہو۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں اماں جی! احمر بھائی نے ابھی ابھی فون پر بتایا ہے مجھے۔" اس نے زور دے کر کہا تو میمونہ بھابھی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"کک۔ کیا بتایا ہے اس نے؟"

"یہی کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔ اچھا ہے ناں، اماں جی اس گھر میں ایک انگریز لڑکی آ جائے گی جس کی آنکھیں نیلے سمندر جیسی ہوں گی اور۔"

وہ بولتی جا رہی تھی۔ کھنکتی ہوئی آواز اور درمیان میں کہیں کہیں کھلکھلاتی ہنسی جس نے سب کو شدید حیرت میں دھکیل دیا تھا۔

عمر نے آہستہ سے اس کا بازو تھاما اور کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"تمہیں یقین نہیں آ رہا، ابھی کال ملاؤ امریکہ کی اور پوچھ لو احمر بھائی سے۔" اس نے کہا تو عمر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے پوچھنے لگا۔

"اور اور کیا کہا بڑے بھائی نے؟"

"کچھ نہیں، بس یہی بتایا کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔" وہ عمر کی نظروں سے اندر ہی اندر جھجکنے لگی تھی۔

"اور تم اسے خوشخبری کہہ رہی ہو؟"

"کیوں! یہ خوشی کی خبر نہیں ہے اور [illegible]۔"



وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر جیسے اچانک سمجھنے کا اظہار کرتی ہوئی کہنے لگی۔

"اچھا اب مجھی سب کو میری خوشی پر حیرت ہو رہی ہے۔ یہی بات ہے ناں۔ چلو تو میں اداس سی شکل بنا لیتی ہوں۔ کہو تو آنکھوں میں آنسو بھی بھر لوں۔ لیکن یہ ہے بہت مشکل کام اور تم تو جانتے ہو میں کتنی سہل پسند ہوں۔"

عمر خاموشی سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیکھتا رہا۔ پیشانی سے ہونٹوں تک کہیں سے تو پتا چلے کہ کوئی قیامت ٹوٹی ہے لیکن وہ مدحیہ تھی بات بے بات قیامت برپا کر سکتی تھی تو چھپا بھی سکتی تھی۔ بڑی روانی سے بول کر عمر کو یوں دیکھنے لگی جیسے تمہیں کیا ہوا ہے؟ تبھی صباحت اور سونیا اماں جی کے کمرے سے نکلیں اور ان دونوں کو خاموش سے کھڑے دیکھ کر سونیا تیزی سے قریب آ کر پوچھنے لگی۔

"کیا پھر احمر بھائی کا فون آیا ہے؟"

"نہیں تو کیوں؟" وہ سونیا کی طرف گھوم کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"سچ بتاؤ مدحوا! تم مذاق تو نہیں کر رہیں یا ہو سکتا ہے احمر بھائی نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہو؟" سونیا اس کا کیوں نظر انداز کر کے کہنے لگی۔ "اگر سچ ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ یہاں امی کو فون کرتے۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔" عمر فوراً تائید کرتے ہوئے بولا۔ "یہ بڑے بھائی کی شرارت ہے۔ ضرور مدحو نے خط میں انہیں کوئی ایسی ویسی بات لکھی ہوگی جس کے جواب میں انہوں نے ایسا مذاق کیا۔"

"جی نہیں وہ بہت سنجیدہ تھے۔" اس نے لاپروائی سے کہہ کر صباحت کو دیکھا تو وہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"خیر جو بھی حقیقت ہے، وہ ماموں جی آ کر معلوم کر لیں گے۔"

"تب تک کے لیے مجھے اجازت دیجئے اللہ حافظ۔" مدحیہ ہنستی ہوئی بولی پھر صباحت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ اوپر لے گئی۔



بڑے صبر آزما لمحات تھے۔ خلیل بھائی کال بک کروا کر ٹیلی فون پر نظریں جمائے بیٹھے تھے ان کے ساتھ ابا جی، اماں جی، میمونہ بھابھی، نبیل اور آسیہ بھی وہیں موجود تھی۔ اس کے باوجود کمرے میں گہرا سکوت تھا جسے فون کی بیل نے ہی توڑا۔

"ہیلو!" خلیل بھائی نے فوراً ریسیور اٹھایا تھا۔ "ہاں احمر کیسے ہو بیٹا؟"

"یہاں سب ٹھیک ہیں تم بتاؤ شام میں فون کیا تھا تم نے؟"

"مدحو سے کیا کہا تھا؟"

"مدحو بالکل ٹھیک ہے۔ میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"کیا؟"

دوسری طرف سے احمر جو کچھ کہہ رہا تھا خلیل بھائی بظاہر بڑے سکون سے سن رہے تھے۔

"کیا کہہ رہا ہے؟" اماں جی سے صبر نہیں ہو سکا۔ ان کا بازو ہلا کر پوچھا لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئے اور احمر سے بولے۔

"لیکن تم نے یہاں کا کیوں نہیں سوچا، میں تمہاری پھوپھو کو کیا جواب دوں گا؟ تمہارے کہنے پر ہم نے تمہاری نسبت طے کی تھی، کوئی زبردستی نہیں ہوئی تھی تمہارے ساتھ اور تم بالکل غلط کہہ رہے ہو [illegible]

مسئلے حل نہیں ہوتے ویسے بھی اللہ کا شکر ہے ہمارے ساتھ کوئی ایسے مسائل نہیں ہیں، ہیلو ہیلو۔'' شاید لائن کٹ گئی تھی خلیل بھائی نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا پھر دکھ سے بولے تھے۔

''مجھے احمر سے ایسی امید نہیں تھی۔''

''تو کیا؟'' میمونہ بھابھی اسی قدر کہہ سکیں پھر رونے لگیں۔

''بھابھی! یہ کیا کر رہی ہیں؟'' آسیہ نے فوراً ٹوک کر ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا لیا پھر اپنے تئیں انہیں تسلی دینے لگی۔ ''احمر نادان نہیں ہے، ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ کچھ اچھا سوچ کر ہی اس نے یہ قدم اٹھایا ہوگا۔''

''اچھا سوچ کر اور یہاں منگنی کیا سوچ کر کی تھی اس نے؟ اس وقت بھی نادان تو نہیں تھا جو اسے اپنی نادانی کہہ سکے۔'' خلیل بھائی کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔

''بہت شرمندہ کیا ہے اس نے ہمیں۔'' میمونہ بھابھی نے آسیہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''خدا کے لیے بھابھی! یہ سب نہیں کریں۔'' آسیہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ ''ہم کوئی غیر نہیں ہیں۔ اس گھر کے سارے دکھ سکھ ہم نے ساتھ سہے ہیں۔''

''آسیہ ٹھیک کہتی ہے دلہن۔'' ابا جی تائید کرتے ہوئے میمونہ بھابھی سے کہنے لگے۔ ''تمہیں اس کے سامنے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ احمر جیسے تمہارا بیٹا ہے ویسے آسیہ کا۔ اس کے اس اقدام پر تم دونوں کو ردعمل ایک ہونا چاہیے۔ کسی نئے رشتے کو درمیان میں لا کر فاصلے مت پیدا کرو۔ پھر یہ سب قسمت کی باتیں ہیں۔ مدوا اور احمر کا جوڑ نہیں لکھا ہوگا اور شاید اسی میں بہتری ہوگی۔''

''شاید۔'' آسیہ نے دکھ سے سوچا۔ پھر موضوع بدلنے کی خاطر خاموش بیٹھے نبیل کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''بیٹا! آج چھٹی کے دن تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''جی، مجھ سے کچھ کہا۔'' نبیل نے چونک کر دیکھا۔

''کہاں رہے سارا دن؟'' اس بار ابا جی نے پوچھا۔

''ڈیڈی کی طرف چلا گیا تھا۔ دوپہر تک وہاں رہا اس کے بعد ڈیفنس ایک دوست کے پاس۔'' نبیل بتا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''چلیں پھوپھو! آپ نے کھانا لگا دیا ہوگا۔''

''ہاں چلو اور بھابھی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلیں اٹھیں، آپ بھی کھانا کھائیں۔'' آسیہ نے اٹھتے ہوئے میمونہ بھابھی کو بھی ساتھ کھڑا کیا پھر کمرے سے نکل کر نبیل کے ساتھ اوپر آ گئی۔ جو کھانا لگا رہی تھیں۔ جبکہ مدحیہ اور صباحت ٹی وی کے سامنے بیٹھی بڑے انہماک سے ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔

''مدوا آؤ بیٹا کھانا کھا لو۔'' آسیہ نے بالکل غیر ارادی طور پر صرف مدحیہ کو پکارا شاید اس لیے کہ اس کا ذہن مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''بس دو منٹ مما! اینڈ دیکھ لوں۔'' مدحیہ نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تبھی اشتہار بریک آ گئی پھر بقیہ خبرنامے کے بعد۔

''لو ہو گیا اینڈ۔'' صباحت اسے چھیڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کتنا بور کرنے لگے ہیں یہ پی ٹی وی والے۔ پورے دس منٹ ہیں نو بجنے میں اور ڈرامہ دیکھنا وقت ضائع ہو گیا ہوگا۔'' مدحیہ نے جھنجھلا کر ٹی وی بند کر دیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد ٹیبل پر آ کر بیٹھی اور آسیہ کو دیکھ کر کہنے لگی۔



''احمر بھائی سے بات ہو گئی آپ کی؟ میں نے سچ کہا تھا ناں؟''

''چلو کھانا کھاؤ۔'' آسیہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آیا اسے احساس نہیں ہے یا پوز کر رہی ہے۔

''واقعی مما! آپ کی بات ہوئی ہے احمر بھائی سے۔ کیا کہا انہوں نے؟'' صباحت نے پوچھا تو آسیہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں کہا اس نے تم دونوں کو فضول باتیں کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ کھانے کے وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتیں اور تمہیں اس سے کیا احمر نے شادی کی ہے یا نہیں؟''

''ہاں نہیں کیا؟'' مدحیہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے پھر صباحت کو کہنی مار کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

نبیل کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مدحیہ کی لاپروائی پر مزید متعجب ہوئے اور پھر کھانے کے دوران بار بار اسے دیکھتے رہے۔ اس وقت جب مدحیہ نے نیچے جا کر سب کو خوشخبری سنائی تھی، وہ موجود نہیں تھے تب ہی اب حیران ہو رہے تھے۔

صباحت اور مدحیہ پہلے کھانا ختم کر کے اٹھ گئیں، تب وہ آسیہ کو متوجہ کر کے پوچھنے لگے۔

''پھوپھو! کیا مدوا کو پہلے سے معلوم تھا وہ احمر کی شادی کا؟''

''ہاں، شام میں احمر کا فون آیا تھا۔ اسی نے اٹینڈ کیا تھا اور پتا نہیں اس نے کس انداز سے اسے بتایا کہ وہ خوشی سے بھاگتی ہوئی آئی تھی باقاعدہ سب کو خوشخبری سنائی۔'' آسیہ سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ ''ابھی نادان تو نہیں ہے جو اسے احساس نہ ہو یا پھر کچھ زیادہ سمجھدار ہو گئی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟''

نبیل کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں اس لیے بس سر ہلا کر رہ گئے۔

''چلو یہ بھی اچھا ہے کہ اس نے محسوس نہیں کیا۔ گو کہ احمر نے اچھا نہیں کیا مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بلکہ اب تو میں یہ کہوں گی کہ اچھا ہوا اس نے اسی وقت یہ قدم اٹھا لیا۔ اگر شادی کے بعد۔''

آسیہ نے اچانک کسی خیال سے جھرجھری لی تھی پھر نبیل کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر چلی گئی۔

نبیل کو آسیہ کا جانا غنیمت لگا ورنہ انہیں اٹھنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی پڑتی جو کہ اس وقت بہت مشکل تھی، شاید زندگی میں ایسے موڑ آتے ہی اس لیے ہیں کہ انسان اپنی اوقات پہچان لے کہ وہ کتنا بے بس ہے۔ نبیل اسی کے فلسفے میں الجھنے لگے تھے کہ صباحت نے دبے پاؤں آ کر بہت دھیرے سے انہیں پکارا۔

''نبیل بھائی!'' نبیل بری طرح چونک گئے تھے۔

''آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔ کیا بوا سے مزید کسی ڈش کی فرمائش کرنی ہے؟'' صباحت نے ان کے سامنے سے برتن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈش تو نہیں البتہ چائے کی فرمائش تم سے کروں گا اور سنو چائے ذرا اسٹرانگ ہو۔''

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے پھر اپنے کمرے میں آ کر بیٹھے اور احمر کے بارے میں سوچنے لگے۔ سب کی طرح ان کا ذہن بھی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ احمر وہاں شادی کر سکتا ہے لیکن جھٹلایا یوں نہیں جا سکتا تھا کہ اپنے بارے میں یہ اطلاع خود احمر نے دی تھی جس کے مزاج میں کوئی رنگینی نہیں تھی جس کی بنا پر کہا جاتا کہ وہ تو تھا ہی ایسا۔ بلکہ اس کی تعریف تو یہ تھی کہ وہ شروع سے خاصا سمجھدار اور ذمہ دار لڑکا تھا اس لیے اس کا یہ حماقت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"تجمل بھائی چائے۔" صباحت نے انہیں متوجہ کر کے کپ تھمایا تھا۔

"سنو، وہ مدحو کیا کر رہی ہے؟" انہوں نے چائے کا کپ لے کر پوچھا تو صباحت سمجھتے ہوئے بھی بے دلی سے بولی۔

"سو رہی ہے۔"

"اتنی جلدی۔" وہ حیران ہوئے۔ "ابھی تو دس بھی نہیں بجے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟"

"ہاں کہہ رہی تھی سب مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں جیسے میں کوئی عجوبہ ہو گئی ہوں۔" صباحت مدحیہ کی بات دہرا کر ذرا سا ہنسی پھر کہنے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے مدحو اور احمر بھائی نے مل کر کوئی سازش کی ہے اور ہم سب کو بیوقوف بنا رہے ہیں، ہے ناں۔"

"پتا نہیں۔" تجمل کا انداز نہ سمجھنے والا تھا۔

"کیوں؟ مدحو کے اطمینان سے پتا نہیں چل رہا۔ اتنی بڑی بات پر اگر وہ ہنگامہ کھڑا نہ کرتی تب بھی مجھ سے تو ضرور کچھ کہتی، جیسے احمر بھائی کے جانے کے دنوں میں اداس تھی تو مجھ سے اس نے کہا تھا کہ احمر کے جانے کے بعد اسے کچھ اچھا نہیں لگے گا اور آج تو یہ تک نہیں کہا کہ احمر نے اچھا نہیں کیا۔" صباحت نے کہا تو تجمل کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔

"چلو تم اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالو اور جا کر سو جاؤ۔ مجھے صبح کے لیے لیکچر تیار کرنا ہے۔"

"آپ بھی بس۔" وہ منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بڑبڑاتی ہوئی گئی تھی۔

تجمل نے چائے کا کپ خالی کر کے رکھا پھر ٹیوب لائٹ آف کر کے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر آ بیٹھے اور ٹیبل لیمپ آن کر کے سامنے فائل کھول لی لیکن کتنی دیر بعد بھی صفحے سادہ کے سادہ تھے۔ بالکل ان کے ذہن کی طرح جس میں کوئی سوچ سما ہی نہیں رہی تھی۔ البتہ نظروں کے سامنے سے جانے کب کب کے واقعات یوں گزر رہے تھے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ یہاں تک کہ ایک ہی نکتے پر مرکوز رہ کر ان کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تو ایک لحظہ کو انہوں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کھولیں تو جیسے طویل نیند سے بیدار ہوئے ہوں۔ کچھ حیران ہو کر اپنی انگلیوں میں دبے پین کو دیکھا پھر اسے رکھنے کے ساتھ ٹیبل لیمپ بھی آف کر دیا اور چیئر کی بیک پر سر ٹکا کر مدحیہ کے بارے میں سوچنے لگے کہ اسے واقعی احساس نہیں ہے یا بقول آسیہ کے کچھ زیادہ سمجھدار ہو گئی ہے اور ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ ہلکی سی آہٹ نے ان کی سوچوں کو منتشر کر دیا اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا انہوں نے ٹیبل لیمپ آن کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کسی خیال کے تحت رک گئے اور بہت احتیاط سے کہ کوئی آہٹ نہ ہو اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ کر اسی احتیاط سے باہر جھانکا تو ستاروں کی مدھم روشنی میں ایک ہیولا سا نظر آیا جس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔

"مدحیہ!" کچھ دیر غور سے دیکھنے کے بعد جہاں ان کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی وہاں ان کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی کہ یہ وہ لڑکی تھی جو چھین لیا جاتی تھی اور کبھی اپنی اس حرکت پر نادم بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور آج کس بری طرح رو رہی تھی شاید اپنی بے بسی پر یا شاید احمر کی بے وفائی پر جانے کیا بات تھی جو وہ چیخ چیخ کر احتجاج کرنے کے بجائے بے آواز آنسو بہا رہی تھی جو براہ راست ان کے دل پر گرنے لگے تھے۔

بہت چاہنے کے باوجود وہ اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکے، کیونکہ اس سے کچھ بھی نہیں تھا



انہیں سامنے دیکھ کر بے قابو ہو سکتی تھی اور رات کے اس پہر وہ کس کس سے کیا کیا کہتے یہی سوچ کر وہ بہت خاموشی سے اپنی جگہ پر آ کر لیٹے تو ان کا دل اس کے آنسوؤں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔



علی جہانگیر آج جتنی جلدی گھر جانا چاہتا تھا اتنی ہی آفس میں دیر ہو گئی تھی۔ پھر گھر آتے آتے نو بج گئے تھے۔ برآمدے میں قدم رکھتے ہی اس نے رابعہ کو پکارنا شروع کر دیا اور لاؤنج میں آیا تو وہ کوئی غیر ملکی چینل دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ اس کی آواز پتا نہیں سنی نہیں یا جان بوجھ کر دھیان نہیں دے رہی تھی اس نے بڑھ کر ٹی وی کا پلگ ہی کھینچ دیا تب وہ چیخ پڑی۔

"کیا کر رہے ہیں بھائی، لگا دیں ناں۔"

"شٹ اپ!" اس نے قدرے غصہ دکھا کر اسے خاموش کر دیا پھر صوفے پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔ "امی کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔" رابعہ کی روٹھی ہوئی آواز آئی۔

"خیریت!" اس نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی۔ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟"

"اصل میں تو آپ یہی پوچھنا چاہتے ہیں اور میں تفصیل سے اس وقت بتاؤں گی جب آپ ٹی وی آن کریں گے۔" رابعہ نے فوراً سمجھ کر کہا تو اس نے پھر پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

"بالکل نہیں۔ ہر وقت ٹی وی، ٹی وی، کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔"

"کیوں نہیں، آپ کے کام سے گئی تو تھی امی کے ساتھ، بیمار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو بیمار ظاہر کرنا پھر ڈاکٹر آسیہ کا لیکچر سننا لیکن آج تو وہ خود مریض لگ رہی تھیں۔" رابعہ نہ بتانے کا کہہ کر بھی بتانے لگی تھی۔ "اور کچھ پریشان بھی لگ رہی تھیں۔ امی کی باتوں پر کوئی توجہ ہی نہیں دی اور فوراً نسخہ لکھ کر ہاتھ میں تھما دیا۔"

"اس سے یہ کیسے سمجھ لیا تم نے کہ وہ پریشان تھیں؟" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"ان کے چہرے سے لگ رہا تھا پھر بار بار بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو جھٹکا دے رہی تھیں جیسے کسی پریشانی کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یوں۔" رابعہ نے باقاعدہ آسیہ کی طرح کر کے دکھایا تو وہ اندر سے کچھ بے چین سا ہو گیا اور اسی سوچتے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔

"کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟"

"یہ تو ہم نے نہیں پوچھا کیونکہ ابھی اتنی زیادہ جان پہچان تو نہیں ہوئی ان سے۔" رابعہ نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر کہا تو اس نے چونک کر دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا تم کھانا لگواؤ میں چینج کر کے آتا ہوں۔"

رابعہ نے اٹھنے کی زحمت نہیں کی وہیں سے کرم دین کو پکار کر کھانا لگانے کو کہہ دیا۔

علی جہانگیر کا ذہن آسیہ کی پریشانی کو سوچتے ہوئے صباحت تک جا پہنچا تھا کہ کہیں اس کے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کی وجہ سے آسیہ پریشان ہے؟ چینج کرتے ہوئے اور پھر کھانے کے دوران بھی وہ مسلسل قیاس کرتا رہا۔ کتنی باتیں تھیں اور ہر بات کے اختتام پر سوالیہ نشان جس سے اس کی بے چینی سوا ہو گئی تب جلدی سے کھانا ختم کر کے وہ رابعہ کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

کچھ دیر بعد رابعہ اس کے پیچھے آئی تو وہ فوراً ٹیلی فون سیٹ اپنے قریب کھینچ کر بولا۔
"یہاں آؤ، ذرا صباحت کو بلا دو۔"
"اور اگر ادھر سے صباحت ہی نے ریسیور کیا تب کسے بلانا ہے؟" رابعہ اپنی بات پر خود ہی ہنسی تھی جس نے ان سنی کر کے ریسیور اسے تھمایا پھر نمبر ڈائل کر کے اسے دیکھنے لگا تھا۔
"ہیلو!" دوسری طرف مدیحہ تھی۔
"ہیلو صباحت! میں ہوں رابعہ۔" رابعہ آواز سے دھوکا کھا کر جتنی خوش ہو کر بولی ادھر سے اتنا ہی تیکھا لہجہ تھا۔
"لیکن میں صباحت نہیں ہوں۔"
"پھر آئی مین پلیز صباحت کو بلا دیں۔" رابعہ قدرے بوکھلا گئی تھی۔
ادھر سے ریسیور پٹخنے کی آواز آئی تو رابعہ نے ناگواری سے ریسیور کو گھورا پھر علی جہانگیر کو دیکھ کر بولی۔
"پتا نہیں کون پاگل ہے؟"
"لاؤ مجھے دو۔" علی جہانگیر نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا تبھی ادھر سے صباحت نے ریسیور اٹھایا تھا۔
"جی کون؟"
"علی! کیسی ہیں آپ۔"
"بالکل ٹھیک۔" صباحت کی آواز بہت دھیمی ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے رابعہ کو جانے کا اشارہ کیا پھر اس سے کہنے لگا۔
"بہت دنوں سے آپ نے فون نہیں کیا تو میں نے سوچا میں ہی آپ کی خیریت معلوم کر لوں، سب ٹھیک تو ہے ناں؟"
"جی۔" صباحت کے مختصر جواب پر وہ چڑ گیا۔
"جی۔ آپ کو اندازہ ہے کہ میں کس شدت سے آپ کے فون کا انتظار کرتا ہوں۔ کیا کرتی رہتی ہیں سارا وقت آپ۔ اتنا نہیں ہو سکتا کہ"
"علی پلیز، اس طرح بات نہیں کریں۔" اس کے عاجزی سے ٹوکنے پر وہ ہونٹ بھینچ گیا۔ پھر چند لمحے توقف سے گہری سانس کھینچ کر بولا۔
"آئی ایم ساری، ایک تو آپ، خیر چھوڑیں۔ یہ بتائیں لائبریری کب جا رہی ہیں؟"
"فی الحال کوئی پروگرام نہیں۔"
"اور اگر میں کہوں کل کا پروگرام رکھ لیں۔"
"نہیں اور پلیز اصرار نہیں کیجئے گا۔" کیونکہ آج کل مما کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کہیں جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔" صباحت نے منع کرنے کے ساتھ سبب بتایا تو وہ جو بھی جاننا چاہتا تھا بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔
"کیا ہوا آپ کی مما کو؟"



"بس وہ میری سسٹر۔" وہ اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی۔
"آپ کی سسٹر بھی ہیں؟" اس نے کچھ حیران ہو کر پوچھا تو ادھر وہ ہنس پڑی۔
"کیوں کیا میری بہن نہیں ہو سکتی؟"
"سگی۔" وہ ابھی بھی حیران تھا۔ جس پر وہ محظوظ ہو کر بولی۔
"نہیں سوتیلی۔"
"تو کیا۔" وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گیا۔ غالباً پوچھنے جا رہا تھا کہ آسیہ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ لیکن فوراً احساس ہونے پر خاموش ہو گیا اور پھر فوراً بات بھی بنا گیا۔ "ابھی شاید آپ کی سسٹر نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔"
"جی کوئی بدتمیزی تو نہیں کی اس نے؟"
"مجھ سے تو بات نہیں ہوئی۔ رابعہ بات کر رہی تھی اور میرا خیال ہے اس کے ساتھ بھی کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ کیوں کیا بہت بدتمیز ہے؟" اس نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔
"نہیں بس موڈی ہے۔"
"تو اس موڈی کی وجہ سے آپ کی مما کا موڈ آف ہے۔"
"ہاں بس۔"
"چلیں تو جب ان کا موڈ ٹھیک ہو تب آپ خود مجھے رنگ کیجئے گا اور اس میں زیادہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔ اوکے۔"
"اللہ حافظ!" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو وہ ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔



آسیہ واقعہ مدیحہ کے ہاتھوں سخت پریشان تھی۔ جو اپنی تلخ کلامی، طنزیہ جملوں اور حرکتوں سے سارے گھر کا ماحول خراب کرنے پر تل گئی تھی۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ تو وہ پہلے بھی نہیں کرتی تھی اور اب تو اور بدلحاظ ہو گئی تھی۔ غالباً احمر کی بے وفائی کا بدلہ وہ اس طرح لے رہی تھی کہ میمونہ بھابھی کو بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ آتے جاتے بھی ان پر طنز کرتی اور کبھی بظاہر ہمدرد بن کر انہیں مشورہ دیتی کہ سونیا آپی کے لئے کوئی اور رشتہ ڈھونڈ لیں کیونکہ اشعر بھائی بھی باہر گئے ہوئے ہیں، کیا پتا وہیں سے میم لے آئیں اور بے چاری میمونہ بھابھی چور سی بن جاتیں۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ قصور تو کسی کا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی سب اس کے سامنے مجرم بنے ہوئے تھے۔ اور آسیہ نے زندگی اسی گھر میں گزاری تھی۔ کبھی میمونہ بھابھی کے ساتھ تلخ کلامی تو کیا اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اور کسی رنجش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نند بھاوج والا رشتہ تو لگتا ہی نہیں تھا۔
حقیقتاً سگی بہنوں سے بڑھ کر محبت ملی تھی اسے میمونہ بھابھی کی طرف سے اور ایسی محبت کرنے والی مشفق خاتون کے ساتھ مدیحہ کی بدتمیزیوں پر اس کی پریشانی فطری تھی۔ گو کہ میمونہ بھابھی اس سے کہہ چکی تھیں کہ وہ مدیحہ کی باتوں کا برا نہیں مانتیں۔ اسے حق ہے یہ سب کہنے کا۔ لیکن آسیہ کے نزدیک یہ اس کا حق نہیں بلکہ اس کی طرف سے ناحق زیادتی تھی جو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی تھی اور آسیہ اس وقت سے خائف تھی کہ ادھر برداشت کی حد ختم ہو گئی تو پھر عمر بھر کی محبتیں مٹی میں مل جائیں گی اور ایسا وہ نہیں چاہتی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ مدیحہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے اور اسے باز رکھنے کے لئے آسیہ نے اپنا ہر حربہ آزما ڈالا غصہ، پیار سے غصے سے یہاں تک کہ خود کو اس کے سامنے بہت عاجز اور مجبور بھی ظاہر کیا لیکن اس پر کچھ اثر نہیں

ہوا اور اس وقت تو آسیہ نے جیسے ہار مان کر اس سے پوچھا تھا۔

"مجھے بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو آخر؟"

"میں کچھ نہیں چاہتی مما! ہاں! اگر آپ مجھ سے اتنی تنگ ہیں تو مجھے میرے باپ کے پاس بھیج دیں۔" اس کے اتنے آرام سے کہنے پر آسیہ کچھ دیر کو سناٹے میں آ گئی تھی۔

صباحت نے سہم کر نبیل کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں سے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"اس کی کیا گارنٹی ہے کہ باپ تمہیں اپنے پاس رکھ لے گا؟" سناٹے سے نکل کر آسیہ نے خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ یقین سے بولی۔

"انکار بھی نہیں کریں گے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے مدحو! اس شخص کو اگر تم سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو وہ پہلے تمہیں مجھ سے چھین کر لے جا سکتا تھا اور نہ لے جانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے دل میں اور گھر میں بھی کہیں تمہاری جگہ نہیں ہے اور تم اتنی نادان نہیں ہو جو سمجھ نہ سکو۔ اپنے دل سے یہ خیال نکال دو ورنہ۔"

آسیہ کا ضبط جواب دینے لگا تھا جب ہی متنبہ کرتی ہوئی کمرے سے نکل آئی اور اپنے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاک کر کے بیڈ پر ڈھے گئی۔ اور کتنی دیر سیدھی لیٹی چھت پر گھورتی رہی۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں۔ جبکہ ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"پھوپھو!" دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ نبیل نے پکارا۔ دوسری اور پھر تیسری بار جب پہلے اس کی آنکھوں میں حرکت ہوئی پھر اٹھ کر سست روی سے جا کر دروازہ کھولا تو نبیل نے تشویش سے پوچھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا پھوپھو!"

"ہاں!" اس نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی پھر سامنے سے ہٹ کر نبیل کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

"بہت پریشان کرنے لگی ہے مدحو آپ کو۔" نبیل نے اندر آتے ہوئے بس یونہی کہہ دیا۔

"کتنا بھی پریشان کرے میں اسے شاہ سکندر کے پاس نہیں جانے دوں گی یہ بات تم اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ تنفر سے کہتی ہوئی تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو! وہ خود سمجھتی ہے۔ آپ بس اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" نبیل نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کب تک۔ جب سب مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"

"نہیں، آپ سے کوئی ناراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ احمر نے اس کے ساتھ جو سنگین مذاق کیا ہے اس پر اس کا یہی ردعمل ہو سکتا ہے۔"

دھیرج سے کہتے ہوئے نبیل کی نظروں میں اس رات کی مدحیہ تھی جو خود کو بہت مضبوط ظاہر کرتے کرتے شاید تھک گئی تھی جو سب سے چھپ کر رات کی تاریکی میں بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

"لیکن بیٹا! احمر کے اس فعل میں یہاں کا کوئی فرد شریک نہیں ہے۔ یہ وہ بھی جانتی ہے۔ پھر کیوں؟"

"کیا کرے وہ! احمر سامنے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے گھر والے نشانہ بن رہے ہیں۔ آپ ایسا کریں۔ کچھ دنوں کے لئے اسے شکیل چچا کے پاس اسلام آباد بھیج دیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نبیل نے



مشورے پر وہ کچھ دیر غور کرتی رہی پھر دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کہنے لگی۔

"ٹھیک کہا تم نے۔ لیکن تم کچھ مت کہنا اس سے کیونکہ ہمارے کہنے پر وہ کبھی نہیں جائے گی۔ میں آج رات میں شکیل بھائی کو فون کر کے انہیں ساری بات بتا کر کہوں گی کہ وہ خود آ کر اسے لے جائیں۔"

"ہاں، مدحو کے لئے ابھی یہی بہتر ہے۔ ماحول کے ساتھ آب و ہوا کی تبدیلی اس پر اچھا اثر ڈالے گی۔" نبیل اٹھتے ہوئے بولے۔ "چلیں اب آپ آرام کریں۔"

"آرام کا وقت نہیں ہے بیٹا! کلینک جانا ہے۔" آسیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا پھر نبیل کے جاتے ہی وارڈروب سے کپڑے نکال کر واش روم کا رخ کیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ تیار ہو کر کلینک جانے کے لئے نکلی تب بھی وہ... مضطرب تھی۔ مدحیہ کو اسلام آباد بھیجنا ٹھیک بھی لگ رہا تھا اور اس کی عادات و مزاج کی وجہ سے پریشان بھی تھی۔ کیونکہ شکیل بھائی کی زندگی... میں ڈسپلن کے قائل۔ جبکہ مدحیہ کا مزاج ہی الگ تھا۔ اپنے ہر عمل میں آزاد، کسی قسم کی کوئی پابندی اس سے برداشت ہی نہیں ہوتی تھی اور نہ گھر کے کام کاج سے اسے کوئی دلچسپی تھی۔

اب پتہ نہیں مدحو وہاں کتنے دن رہ سکے گی اور کہیں شکیل بھائی اور سیما بھابی کے لئے کوئی پرابلم نہ کھڑی کر دے۔

مناسب اسپیڈ سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل انہی سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ راستے پر نظر رکھتی لیکن کلینک کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ انہی سوچوں میں بہت آگے تک نکل گئی۔ جب سگنل پر گاڑی روکی تب احساس ہوا کہ کلینک تو پیچھے رہ گیا۔ اپنی بے خبری پر کڑھتی ہوئی سگنل کھلتے پر گاڑی اسپیڈ سے بھگا کر راؤنڈ اباؤٹ سے دوسری سڑک پر آئی تھی کہ روڈ کراس کرتی ہوئی ایک عورت اچانک سامنے آ گئی جسے بچانے کے چکر میں اس کی گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ وہاں کوئی نہیں تھا پھر بھی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا۔ جبکہ ہاتھ بالکل ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ کتنی دیر اسے خود پر قابو پانے میں لگی اس کے بعد ایک اور مصیبت کہ گاڑی اسٹارٹ ہو کے نہیں دی۔ بار بار کوشش کر کے وہ تھک گئی تو نیچے اتر کر رکشے کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی، تبھی وائٹ شیروا اس کے بالکل قریب آن رکی اس نے توجہ نہیں دی۔ لیکن جب اسے مخاطب کیا گیا تب چونک کر دیکھنے لگی۔ چہرہ کچھ شناسا سا تھا۔ ذرا سا ذہن پر زور دیا تو نام بھی یاد آ گیا۔ وہ رابعہ تھی۔ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب! کہاں جائیں گی آپ، آئیے ہم ڈراپ کر دیں گے۔"

آسیہ نے ہلا ارادہ ذرا سا جھک کر رابعہ کے ساتھ ڈرائیونگ پر بیٹھے علی جہانگیر کو دیکھا پھر رابعہ کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"نو پرابلم بیٹا، بس یہیں کلینک جانا ہے۔"

"ہم اسی راستے پر تو جا رہے ہیں۔ آئیے پلیز۔" رابعہ نے اتر کر اس کے لئے دروازہ کھولا تو وہ اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"اصل میں میری گاڑی۔"

"او گاڈ! ایکسیڈنٹ ہوا ہے کیا؟" رابعہ نے فوراً پوچھا۔

"نہیں اللہ کا شکر ہے۔ ہر طرح سے بچت ہو گئی۔ بس اس میں کچھ خرابی ہو گئی ہے کلینک سے

ورکشاپ فون کردوں گی وہاں سے کوئی مکینک آ جائے گا۔"

"پھر تو آپ کو جلدی کلینک پہنچنا چاہئے۔" رابعہ نے اس انداز سے کہا جیسے اسے جلد وہاں پہنچانا بھی ہے اور ساتھ اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تو اس نے مزید پس و پیش نہیں کی۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔" رابعہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہی علی جہانگیر کا تعارف کروانے لگی۔ "[illegible] اے سی ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی پروموٹ ہو کر ڈی سی کہلائیں گے۔"

"ماشاء اللہ" علی جہانگیر پر نظر ڈالتے ہوئے آسیہ کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اور جب یہ ڈی سی ہو جائیں گے تب میں اپنی فرینڈز کی شاندار سی دعوت کروں گی۔ آپ بھی آئیے گا۔ آئیں گی ناں۔" رابعہ کو حقیقتاً موقع مل گیا تھا۔

"میں تمہاری فرینڈز میں تو شامل نہیں ہو سکتی بیٹا!" آسیہ منع نہیں کر سکی تو حامی بھی نہیں بھری۔

"ان کی مدرز بھی ہوں گی اور ان میں تو آپ شامل ہو سکتی ہیں، میں آپ کو اسپیشلی انوائیٹ کروں گی اور اگر آپ نہیں آئیں تو میں پارٹی ہی کینسل کر دوں گی۔"

رابعہ کے پرجوش انداز پر وہ ذرا سا مسکرا کر رہ گئی کیونکہ علی جہانگیر نے اس کے کلینک کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

"اوکے بیٹا! تھینک یو۔" وہ رابعہ کے مزید اصرار کرنے سے پہلے شکریہ ادا کر کے اتر آئی اور پیچھے گیٹ بھی بند کر لیا تھا۔

پھر اسی رات آسیہ نے شکیل بھائی کو فون کر کے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے ساتھ مدیحہ کو لے جانے کو کہا تو شکیل بھائی نے نہ صرف فوراً حامی بھر لی بلکہ دو دن بعد آ بھی گئے تھے۔ ایک تو انہیں آسیہ کا خیال تھا دوسرے کچھ اپنی غرض بھی تھی کہ ثمینہ کی شادی اور احمر کے باہر جانے سے خصوصاً اماں جانی بھی بہت اکیلی ہو گئی تھیں۔ وہ خود سارا دن تو آفس میں ہوتے لیکن شام میں واپسی پر وہ بھی محسوس کرتے تھے اس لئے پہلی فرصت میں آ پہنچے تھے۔ شام کا وقت تھا۔

اس وقت آسیہ گھر پر نہیں تھی اور شکیل بھائی نے اماں جی اور ابا جی تک سے آسیہ کے فون کا ذکر نہیں کیا اس کے برعکس جیسے پہلے آفس ٹور پر ایک آدھ دن کے لئے آیا کرتے تھے ابھی بھی یہی ظاہر کیا تھا۔ وہ ابا جی کے پاس ان کے کمرے ہی میں بیٹھے تھے باری باری سب آ کر انہیں سلام کر کے جا چکے تھے۔ صباحت کے ساتھ مدیحہ بھی آئی تھی۔ یوں جیسے زبردستی لائی گئی ہو اور واقعی صباحت اسے زبردستی لائی تھی۔

"بیٹا! آپ کی مامی جی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔" شکیل بھائی، مدیحہ کے لٹھ مارنے والے انداز میں سلام کا جواب دے کر کہنے لگے۔ "کہہ رہی تھیں، مدیحہ کی چھٹیاں ہو گئی ہوں تو اسے لے آئیے گا۔ چلو گی نا؟"

"ابھی چھٹیاں نہیں ہوئیں اور ہوں گی بھی تو مما نہیں جانے دیں گی۔" مدیحہ کا روٹھا ہوا لہجہ سب سے ناراضگی ظاہر کر رہا تھا۔

"کیوں نہیں جانے دیں گی بھئی، آپ کہو تو میں ابھی آپ کو ساتھ لے چلوں آسیہ منع کر کے تو دیکھے۔" انہوں نے اسے اپنائیت کا احساس دے کر کہا تو اس سے پہلے صباحت بول پڑی۔

"ابھی نہیں ماموں جی! امتحانوں کے بعد لے جائیے گا اسے۔"

"کیوں بھئی۔ امتحان ابھی سے شروع ہو گئے؟" مدیحہ نے یوں سر جھٹکا جیسے اسے صباحت کی مداخلت



سخت ناگوار گزری ہو۔

"میں کوئی اعتراض، کوئی عذر نہیں سن رہا صباحت! آسیہ کی طرف سے سنوں گا۔ چلو آپ تیاری کرو صبح کی فلائیٹ سے آپ کو میرے ساتھ جانا ہے۔"

"سچ سچ ماموں جی! آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے؟" مدیحہ کی خوشی میں بے یقینی بھی تھی۔

"مما منع کریں گی تب بھی۔"

"تب بھی۔" ان کے یقین دلانے پر اس نے گردن اکڑا کر صباحت کو دیکھا جیسے اب اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ پھر بھاگتی ہوئی اوپر آئی اور اسی وقت الماری میں سے اپنے کپڑے نکال نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" کچھ دیر بعد صباحت کمرے میں داخل ہوئی اور دیکھنے کے باوجود ٹوک گئی۔

"تیاری، تم جلدی سے سوٹ کیس خالی کر دو۔" وہ اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔

"وہ تو میں کر دوں گی۔ لیکن بہتر یہ ہے پہلے تم مما سے پوچھ لو۔" صباحت نے بڑھ کر کپڑے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ماموں جی پوچھیں گے۔ مجھے تو وہ صاف منع کر دیں گی۔"

"ٹھیک منع کریں گی۔ ادھر امتحانوں میں صرف دو مہینے رہ گئے ہیں، تمہیں خود سوچنا چاہئے۔ مما تمہارے بھلے ہی کی بات کرتی ہیں۔" صباحت نے دھیرج سے اسے سمجھانا شروع کیا تھا کہ وہ کھٹاک سے الماری بند کر کے اس کی طرف پلٹ کر ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔

"بس رہنے دو بہت ہو گیا میرا بھلا، اب کچھ برا ہو جانے دو۔"

"اللہ نہ کرے جو کچھ برا ہو۔ تمہارے ساتھ تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" صباحت بڑبڑاتی ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ تو وہ سر جھٹک کر خود ہی سوٹ کیس اتار کر خالی کرنے میں لگ گئی۔

آسیہ اپنے وقت پر کلینک سے لوٹی تو کچھ دیر نیچے ہی بیٹھی پھر شکیل بھائی کے ساتھ اوپر آئی تھی۔ جس سے مدیحہ اور اطمینان سے ہو گئی کہ اسے آسیہ سے اپنے جانے کے متعلق بات نہیں کرنی پڑے گی۔ ورنہ ساری تیاری کے بعد بھی اندر سے خائف تھی۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ آسیہ خود اسے بھیج رہی ہے تو یقیناً اس کی ضد میں وہ خود جانے سے منع کر دیتی اور آسیہ ظاہر ہے اس کی ماں تھی۔ اسے اچھی طرح سمجھتی تھی تبھی تو اسے شبہ بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے سامنے شکیل بھائی کے ساتھ کتنی بحث کے بعد اسے بھیجنے پر رضامند ہوئی تھی۔



مدیحہ کے جانے کے بعد ماحول کی کشیدگی تو کیا کم ہوتی بلکہ اور اداسی چھا گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سب کے درمیان وہی ایک رابطہ تھی ہر وقت اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر، کبھی اچھے موڈ میں، کبھی عمر کے ساتھ تکرار اور ادھر بات بے بات چلانا۔ بس اسی کی آواز گونجا کرتی تھی اور اب ایک دم خاموشی تھی۔

صباحت صبح کالج جانے کے لئے نیچے اترتی تو سب کو سلام کرتی ہوئی ثوبیہ کے ساتھ باہر نکل جاتی اور واپسی میں اسی طرح سیدھی اوپر آ جاتی۔ حالانکہ وہ شروع سے مدیحہ کے رویوں کی تلافی کرتی آئی تھی اور ابھی بھی کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس سے کیا کہے، کیونکہ مدیحہ نے کسی وقت بھی خاص طور سے احمر کا نام لے کر کسی پر کچھ نہیں جتایا تھا بلکہ سب نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا تھا اور یہ کوئی قابل فخر بات نہیں تھی کم از کم اس کے لئے۔ بعض اوقات انسان سرخرو ہو کر بھی سرنگوں ہی رہتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ

تھا۔ مدیحہ تو چلی گئی تھی لیکن وہ اندر سے شرمندہ تھی اور کسی کو اپنے سامنے شرمندہ دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لئے سب سے کٹ کر رہ گئی تھی۔

کتنے دن ہو گئے تھے مدیحہ کو گئے ہوئے۔ اس کا کسی بات میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کتنی سوچتی امتحان قریب ہیں۔ اسے پڑھنا چاہئے لیکن اس پر بھی عمل نہیں کر پا رہی تھی اور نہ ہی اس نے علی جاہ کو فون کیا تھا صرف اس لئے کہ وہ ملنے پر اصرار کرے گا تو اسے لائبریری جانے کے لئے تو پھوپھو یا عمر سے کہنا پڑے گا اور اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی منع نہیں کرے گا پھر بھی وہ کترا رہی تھی۔

عجب ہو گئے پچھلے سے دن تھے اور چھٹی کا دن آ کر بور کر دینے والا تھا۔ ناشتے کے بعد اس نے سوچا کہ آج کا دن اپنے کمرے کی صفائی کرنے میں گزارے گی۔ لیکن اس کام میں اسے صرف پندرہ منٹ لگے کیونکہ مدیحہ تو تھی نہیں جو ہر شے یونہی پھینک دیا کرتی تھی اور اس کا پھیلاوا سمیٹنے میں وقت لگتا تھا۔ وہ تب بھی کر رہی تھی اور اب جلد فارغ ہونے پر بھی کڑھ رہی تھی پھر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"تمہیں چھٹی کے دن بھی چین نہیں ہے۔" وہ ان سنی کر کے ان کی رائٹنگ ٹیبل کی گرد احتیاط سے صاف کرنے لگی۔ پھر کھڑکی سے باہر ڈسٹر جھاڑ کر پلٹی تو انہیں تیار دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"آپ چھٹی کے دن کہاں جا رہے ہیں؟"

"پاپا کی طرف جاؤں گا پھر وہاں سے۔"

"ڈیفنس۔" اس نے فوراً کہا تو نبیل چونک کر دیکھنے لگے۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"آپ ہی سے اکثر سنا ہے کہ پہلے پاپا کی طرف گیا تھا پھر وہاں سے ڈیفنس ایک دوست کے پاس۔" اس کے سیدھے سادے انداز پر نبیل مطمئن ہو کر بولے۔

"ہاں، دوست کے پاس۔" پھر بات بدلنے کی خاطر پوچھنے لگے۔ "پھوپھا کیا کر رہی ہیں؟"

"پتا نہیں، اپنے کمرے میں ہیں۔ مجھے لگتا ہے نبیل بھائی، مما مدیحہ کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ دیکھیں کتنے دن ہو گئے ہیں وہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ امتحانوں کی فکر بھی نہیں ہے اسے۔ آپ اسے بلانے کی کوئی تدبیر کریں ناں۔"

"وہ ہم میں سے کسی کے کہنے پر نہیں آئے گی۔" نبیل نے کہا۔

"تو پھر شکیل ماموں سے کہیں۔ وہی اسے چھوڑ جائیں۔ ورنہ مما کو آپ جانتے ہیں، کسی دن اچانک ان کا پارہ ہائی ہو گیا تو اسی وقت روانہ ہو جائیں گی یہاں سے اور مدیحہ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی لے آئیں گی۔" انہوں نے اپنے تئیں نبیل کو اس وقت سے خائف کیا لیکن وہ مسکرا کر بولے۔

"فکر نہیں کرو۔ ایسا نہیں ہو گا، کیونکہ پھوپھو نے خود اسے بھیجا ہے۔"

"ماموں جی کے مجبور کرنے پر ناں۔"

"نہیں بلکہ شکیل چچا کو پھوپھو نے اسی مقصد سے بلوایا تھا کہ وہ آ کر مدیحہ کو لے جائیں۔ یہاں اس کی بدتمیزیاں حد سے بڑھتی جا رہی تھیں اس لئے، سمجھیں۔" آخر میں نبیل نے اس کا سر ہلایا تو وہ کچھ کر رونے لہجے میں بولی۔

"یہ بات آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟ میں خوامخواہ پریشان رہی۔"



"کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم ایسے ہی پریشان رہتی ہو خوامخواہ۔" نبیل کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"بہت خراب ہیں آپ۔ میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی۔" وہ مزید روٹھ کر ان کے کمرے سے نکلی تھی کہ وہیں ٹھٹک کر رہ گئی۔

سامنے سے رابعہ آ رہی تھی اور اس کے پیچھے عارفہ بیگم بھی تھیں۔



اس سے پہلے کہ رابعہ اسے مخاطب کرتی اس نے الٹے پیروں دوبارہ نبیل کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"ہائیں، تمہیں کیا ہوا؟" نبیل برش رکھ کر پلٹے تو اسے دروازے کے ساتھ لگے دیکھ کر تشویش سے پوچھا تو وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

"کک... کچھ نہیں۔"

"پھر یہ دروازہ کیوں بند کر لیا کون آ رہا ہے؟"

"کوئی نہیں، آپ کے کمرے میں کون آ سکتا ہے۔ وہ تو شاید مما کے پاس، لیکن میں نہیں جانتی انہیں۔ پتا نہیں کون ہیں؟ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" بوکھلاہٹ میں وہ پہلے سے اپنی صفائی پیش کرنے کھڑی ہو گئی۔

"کسے نہیں دیکھا؟ کیا کہہ رہی ہو۔ ہٹو مجھے دیکھنے دو۔" نبیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اپنی اٹنگ اٹھا کر اسے سامنے سے ہٹنے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے بولی۔

"جی نہیں۔ آپ نہیں دیکھیں گے، وہ خواتین ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، تم نے پھر کوئی حماقت کی ہے۔ بلکہ نقصان، اب کیا توڑا ہے؟" نبیل کو ایک دم گلدان والا واقعہ یاد آ گیا لیکن وہ کچھ نہیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے تم کسی خاتون کو گلدان توڑ کر پریشان تھیں اور اب ان خواتین کا جانے کیا نقصان کر آئی ہو جو وہ یہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ حالانکہ میں نے تم سے اسی وقت کہا تھا کہ آئندہ ایسی کوئی بات ہو تو مجھے فوراً بتا دینا۔" نبیل نے اپنے طور پر سمجھ کر تنبیہ شروع کر دی تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نبیل بھائی! میں نے کسی کو کوئی نقصان نہیں کیا۔"

"پھر چھپ کیوں رہی ہو؟"

"کہاں چھپ رہی ہوں۔ سامنے تو کھڑی ہوں۔" وہ ان کی جرح سے عاجز آ گئی۔

"میرے نہیں ان کے سامنے جاؤ۔ تب میں سمجھوں گا کہ تم نے کچھ نہیں کیا یا پھر ابھی بھی وقت ہے۔ مجھے سچ سچ بتا دو تاکہ پھوپھو کے سامنے میں تمہارا دفاع کر سکوں۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو، جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں خوامخواہ پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہاں نہیں تو۔" وہ روٹھے لہجے میں بولتی ہوئی ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اچھا تو یہاں کہاں بیٹھ رہی ہو؟ جاؤ پھوپھو سے پوچھ کر آؤ کہ انہیں کوئی کام تو نہیں ہے پھر میں جاؤں۔" انہوں نے ٹوک کر کہا۔

''آپ وہیں سے پوچھتے ہوئے چلے جائیں۔''

''بیوقوف لڑکی! پھوپھو کے پاس خواتین موجود ہیں۔ میں نہیں جا سکتا چلو اٹھو جلدی کرو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔ تو وہ سمجھ گئی کہ اب اس کی ایک نہیں چلے گی، اس لیے مزید پس و پیش ترک کر کے بڑبڑاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی اور کچھ راہداری میں رک کر خود پر قابو پایا پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی بولی۔

''مما! وہ نبیل بھائی کہہ رہے ہیں۔ کوئی کام ہو تو بتا دیجئے۔ وہ بڑے ماموں کی طرف جا رہے ہیں۔''

''یہ آپ کی بیٹی ہے۔'' آسیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عارفہ بیگم نے اس سے پوچھ لیا۔

''جی۔'' آسیہ انہیں جواب دے کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ''ہاں بیٹا! نبیل سے کہو اس وقت تو کوئی کام نہیں ہے البتہ شام میں وہ ذرا جلدی آ جائے تو۔''

''جی اچھا۔'' وہ آسیہ کی بات پوری سنے بغیر وہیں سے پلٹ آئی اور نبیل کو اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے دیکھ کر آہستہ آواز میں بولی۔

کوئی کام نہیں ہے، بس شام میں جلدی آ جایئے گا۔''

''کیوں؟''

''مجھے کیا پتا مما کہہ رہی ہیں۔'' وہ ان کے قریب سے نکل کر کمرے کے اندر آ گئی۔

''اچھی بات ہے۔'' نبیل چلے گئے تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس کھینچی پھر دروازے سے ذرا سا سر نکال کر انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

جب وہ سیڑھیاں اتر گئے تب کچھ مطمئن سی ہو کر اس نے ٹیرس کی طرف جانے کا سوچا تاکہ وہاں سے عارفہ بیگم کی باتیں سن سکے اور ابھی اپنی سوچ پر عمل کرنے کے لیے وہ خود کو تیار کر رہی تھی کہ بوا چائے کی ٹرے اٹھائے راہداری میں نمودار ہوئیں، جنہیں دیکھتے ہی اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور آ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔

اس کے اندر جتنا تجسس تھا اس سے زیادہ وہ پریشان ہو رہی تھی کہ اگر آسیہ نے ان لوگوں کے بارے میں اس سے پوچھ لیا تو وہ کیا جواب دے گی۔ گو کہ علی جہانگیر نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ کوئی ایسی راہ نکالے گا جس میں آسیہ اس سے کوئی سوال نہ کرے۔ اب پتا نہیں وہ اس میں کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ یہ تو ان خواتین کے جانے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا اور اتنی دیر تک وہ مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔ تجسس، پریشانی، خوف وہ کسی ایک احساس کو بھی دبا نہیں پا رہی تھی کہ مزید اندیشے سر ابھارنے لگے تھے۔ تب ہی دروازہ کھلنے کے ساتھ بوا کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کون ہے بوا؟''

''میں۔'' رابعہ اندر آتے ہوئے بولی۔ ''میرے آنے پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

وہ خاموش رہی۔

''اصل میں خواتین کی باتوں سے میں بور ہو گئی تھی اور تھینکس گاڈ کہ تمہاری امی نے محسوس کر لیا اور مجھے تمہارے پاس بھیج دیا کیا کر رہی تھیں؟'' تو وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔



''کچھ نہیں۔''

''لیکن کچھ سوچ تو ضرور رہی ہو گی۔'' رابعہ کے معنی خیز مسکراہٹ سے نظریں چرا کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی، جبکہ اندر دل ایک مخصوص لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ جس سے چہرہ گلابی ہو گیا تو رابعہ ہنستی ہوئی بولی۔

''تم نہ بتاؤ پھر بھی میں جانتی ہوں۔ ویسے آج ہم اس مقصد سے نہیں آئے بلکہ میں تمہاری امی کو۔''

آسیہ اور عارفہ بیگم کے آنے سے رابعہ کی بات ادھوری رہ گئی اور وہ بھی فوراً بیڈ سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور عارفہ بیگم کو سلام بھی کیا تو وہ آگے آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے آسیہ سے بولیں۔

''ماشاء اللہ۔ بہت پیاری بیٹی ہے۔ اسے بھی لے کر آیئے گا۔''

''جی آنٹی! میں بھی یہی کہنے والی تھی۔ اسے ضرور ساتھ لایئے گا۔'' رابعہ نے فوراً تائید کے ساتھ اصرار سے کہا۔

''ہوں دیکھو۔'' آسیہ اپنے کسی خیال میں تھی۔

''اچھا تو ہمیں اجازت دیجئے۔ اب انشاء اللہ آپ سے ملاقات رہے گی، کیونکہ میری بیٹی تو آپ کی دیوانی ہو گئی ہے۔'' عارفہ بیگم مزید راہ و رسم بڑھانے کے لیے جو کلمات ادا کر رہی تھیں رابعہ ان کی تائید کرتی تھی۔

آسیہ کے لبوں پر نرم مسکراہٹ تھی پھر ان دونوں کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل گئی۔ تو وہ کسی معمول کی طرح چلتی ہوئی دروازے تک آ کر رک گئی۔ جب آسیہ انہیں زینے تک چھوڑ کر واپس آئی تو اسے خاموش کھڑے دیکھ کر اپنے آپ کہنے لگی۔

''میری چہیتی تھیں۔ اپنے ہاں کی کسی تقریب میں انوائیٹ کرنے آئی تھیں، حالانکہ میں نے کل فون پر ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ میں کہیں آتی جاتی نہیں ہوں، پھر بھی خیر آج چھٹی کا دن ہے شام تک شاید موڈ بن جائے تم چلو گی۔''

''میں۔'' اس نے چونک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ پھر اچانک کسی خیال سے منع کر دیا۔ ''نہیں مما! آپ چلی جایئے گا۔''

آسیہ قدرے پرسوچ انداز سے سر ہلاتی اپنے کمرے میں چلی گئی تو وہ مطمئن ہو کر مسکرائی تھی۔

◉ ◉ ◉

علی جہانگیر نے اپنے ایک دو خاص دوستوں کو ہی انوائیٹ کیا تھا۔ اور بس انہیں ریسیو کرنے گیٹ پر آیا تھا پھر ان ہی کے ساتھ ہال کمرے میں آ بیٹھا اور اس نے قصداً اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی تھی جہاں دروازے کی طرف اس کی پشت ہو گئی تھی، کیونکہ رابعہ نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ آسیہ کے ساتھ صباحت بھی ضرور آئے گی اور اس لڑکی کو دیکھ کر کیونکہ اسے خود پر اختیار نہیں رہتا تھا اس لیے اس نے دروازے کی سمت پشت کر لی تھی کہ کہیں پہلے ہی مقام پر اس کی بے اختیاری آسیہ کو چونکا نہ دے۔ بہر حال اس احتیاط کے باوجود اس کا دھیان دروازے ہی کی طرف تھا جہاں سے وقفے وقفے سے رابعہ کی مہمان خاتون یا لڑکی کے ساتھ داخل ہوتی اور اسے عارفہ بیگم کے پاس چھوڑ کر واپس چلی جاتی۔ علی جہانگیر نے ایک بار بھی گردن موڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ اس کی آمد خواہ کتنی خاموشی سے ہوتی وہ محسوس کر سکتا تھا اور وہ اسی انتظار میں بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سات بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے جب رابعہ نے غالباً اسے مطلع کرنے کے لیے دروازے سے ہی عارفہ بیگم کو پکارا تھا۔

"امی! آ گئی آسیہ۔"

علی جہانگیر خود کو روکتے روکتے بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور دوستوں سے ایکسکیوز کرتا ہوا ادھر بڑھا پر آسیہ کے ساتھ اسے نہ دیکھ کر وہ سخت مایوس ہوا اور اسی عالم میں آگے آیا تو عارفہ بیگم اسے مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا! یہ ڈاکٹر آسیہ ہیں اور ڈاکٹر صاحبہ یہ میرا بیٹا ہے علی۔"

"السلام علیکم۔" علی جہانگیر نے سلام کرنے کے ساتھ ساتھ آسیہ کے ساتھ کھڑے نبیل کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"مجھے نبیل کہتے ہیں۔" نبیل نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" عارفہ بیگم نے نبیل کو دیکھتے ہوئے آسیہ سے پوچھا۔ تو وہ فخر سے بولی۔

"جی ہاں میرا بیٹا ہے۔"

"اچھا میں سمجھی آپ کی بس وہی ایک بیٹی ہے۔ وہ آئی نہیں آپ کے ساتھ۔" عارفہ بیگم کو ایک دم صباحت کا نہ آنا محسوس ہوا۔

"نہیں، اس کے ایگزام قریب ہیں۔ اس کی تیاری میں لگی ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ یہ ساری باتیں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں۔ پلیز ڈاکٹر صاحبہ آپ تشریف رکھیں۔ اور نبیل صاحب آپ ادھر جائیں۔"

علی جہانگیر نے احساس کرتے ہوئے کہا اور نبیل کو لے کر اپنے دوستوں کی طرف آ گیا اور صرف ان ہی کا خیال کر کے اسے بیٹھنا پڑا ورنہ اس محفل میں اب اسے پتہ نہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک کے لمحات جتنے کیف آگیں تھے۔ اب اتنی ہی اذیت تھی۔ رہ رہ کر صباحت پر غصہ آ رہا تھا اور بہت بیٹھنے کے باوجود اس کی طرف سے دھیان بھی نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ادھر بات کیا ہوئی، وہ جواب کیا دیتا۔ آخر اس کے دوست جنید نے ٹوک دیا۔

"کہاں الجھے ہو یار؟ میں اتنی دیر سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم مسلسل ہمیں اگنور کر رہے ہو اور اب انہیں بھی۔" اس کا اشارہ نبیل کی طرف تھا۔ وہ چونک کر اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتا ہوا نبیل کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟"

"گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہوں، اس کے علاوہ بھی سارا وقت پڑھنے پڑھانے میں گزرتا ہے۔" نبیل نے سادہ سے انداز میں بتایا تو ان کے قریب ہی ان کی انگلی کو دیکھتے ہوئے۔ علی جہانگیر نے اپنا چہرہ میں اپکا لیں۔ جیسے اسے حیرت ہوئی ہو۔ پھر فوراً موضوع بدل گیا۔

"مجھے لگتا ہے، میں نے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"اتفاق سے میں بھی اس وقت سے یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے۔" پرسوچ انداز میں کہتے ہوئے نبیل کو اچانک یاد آ گیا۔ "ہاں لائبریری میں۔ ایک دو بار وہیں دیکھا ہے۔"

"مائی گاڈ! کہیں صباحت کے ساتھ تو نہیں دیکھ لیا۔" اس نے سوچا اور قدرے رک کر بولا۔ "ہو سکتا ہے اس نے بھی وہیں دیکھا ہو۔"

"بھائی! آپ کا فون ہے۔" عقب سے رابعہ نے پکارا تو وہ دل ہی دل میں شکر کرتا ہوا ان سے



معذرت کر کے فوراً اٹھ کر لابی میں آ گیا۔

"ہیلو علی جہانگیر اسپیکنگ۔"

"تھینک یو۔" ادھر سے صباحت کی قدرے ہنستی ہوئی آواز آئی تو اس کی ساری کوفت پل میں رخصت ہو گئی لیکن بظاہر خفگی سے گویا ہوا۔

"کس بات کا شکریہ ادا کر رہی ہیں؟"

"خود ہی سمجھ جائیں۔"

"سوری۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔" اس نے صاف انکار کر دیا لیکن ذہن پر زور بھی دینے لگا تھا۔

"ابھی امما تک پہنچنے کے لئے آپ نے جو بھی طریقہ اختیار کیا۔ میں وہ سب تو نہیں جانتی۔ آپ نے جو مجھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی، اس کے لئے تھینک یو آگین۔"

اس نے وضاحت کے ساتھ دوبارہ شکریہ ادا کیا تو وہ شاکی ہو کر بولا۔

"لگتا ہے آپ کو میرا اعتبار نہیں تھا اور اسی لئے آپ آئیں بھی نہیں۔"

"نہیں علی! میرے نہ آنے کا سبب بے اعتباری نہیں بے اختیاری ہے۔" وہ بڑی سادگی سے اعتراف کر گئی جس سے اس کی ظاہری خفگی پل میں ہوا ہو گئی بے ساختہ مسکرا کر بولا۔

"وہ اقبال نے کیا کہا ہے کہ اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل۔"

"جی ہاں میں نے اسی پر عمل کیا ہے۔" وہ ہنسی۔

"گڈ اور اس کے اگلے مصرعے پر عمل کا کب تک ارادہ ہے؟" اس نے محظوظ ہو کر پوچھا تو وہ بے ساختہ بولی۔

"اس پر پہلے عمل ہو چکا۔"

علی جہانگیر کا دلکش قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ ادھر وہ سٹپٹا گئی۔

"میں فون بند کر رہی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"بیوقوف!" وہ ریسیور رکھ کر لابی سے نکلا تو رابعہ سب مہمانوں کو کھانے کے لئے لان میں لے جا رہی تھی۔ وہ وہیں رک کر آسیہ کو دیکھنے لگا۔ وہ سفید ساڑھی میں بڑی باوقار اور سب میں نمایاں لگ رہی تھی۔

علی جہانگیر بالکل غیر ارادی طور پر اسے شاہ سکندر کے ساتھ سوچنے لگا تو اس کے ذہن کے کینوس پر برسوں پہلے کی شبیہہ ابھرنے لگی، جو ایک دن شاہ سکندر کے ساتھ اس کے کانوینٹ آئی تھی۔ اس وقت اگر وہ کسی شاعر کا خیال ہو سکتی تھی تو اس وقت بھی خوبصورت غزل کے سانچے میں ڈھلی تصویر لگ رہی تھی۔ میک اپ سے بے نیاز سادہ چہرہ اور سیدھی مانگ کے ساتھ ڈھیلی ڈھالی چوٹی۔ زیورات کے نام پر کانوں میں ٹاپس تھے اور کلائی میں رسٹ واچ۔ علی جہانگیر کو اس عورت کے بجائے اپنے چچا شاہ سکندر پر رحم آنے لگا، تب ہی رابعہ اس کے قریب آ کر بولی۔

"بھائی! یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ وہاں چلیں نا ڈاکٹر آسیہ کے پاس، آخر آپ کو انہیں متاثر کرنا ہے۔"

"اوں ہوں۔ میں شاید انہیں متاثر نہیں کر سکتا۔" اس نے پرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں، کیا کمی ہے آپ میں ماشاءاللہ۔"

"شٹ اپ۔" "میں تو آپ کی تعریف کر رہی ہوں اور آپ۔"

"فضول باتیں نہیں کرو، چلو جاؤ۔" اس بار اس نے قدرے سختی سے ٹوکا اور اسے وہیں بڑبڑاتے چھوڑ کر اپنے کمرے کا رخ کیا۔



"مامی جی! سوچ رہی ہوں کہ میں یہاں بہت بور ہو گئی ہوں پھر بھی واپس کراچی نہیں جاؤں گی۔" مدیحہ نے بیڈ کے قریب فلور کشن کھینچ کر اس پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے کہا تو سیما بھابھی ایک نظر اس پر ڈال کر بولیں۔

"ہاں تو بیٹا! کون کہہ رہا ہے ابھی تمہیں واپس جانے کو، جب تک دل چاہے رہو۔"

"میرا مطلب ہے، میں یہیں پڑھنا چاہتی ہوں اور اس کے بعد جاب بھی یہیں کروں گی۔ آپ مما سے کہیں میرا یہیں کسی کالج میں ایڈمیشن کرا دیں اور ساتھ ہاسٹل میں بھی۔"

سیما بھابھی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی جسے روکنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں مامی جی! مجھے یہاں آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ آپ مجھے ایک مہینہ اور برداشت کر لیں گے اس کے بعد۔"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔" اسے حد درجہ سنجیدہ دیکھ کر سیما بھابھی کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ ٹوکتے ہوئے کہنے لگیں۔ "پتہ ہے جب تم پیدا ہوئی تھیں۔ ہم نے اسی وقت آسیہ سے کہا تھا کہ تمہیں ہمارے پاس چھوڑ دے۔ اگر اس وقت وہ ہماری بات مان لیتی تو تم شروع سے یہیں ہوتیں تو کیا میں تمہیں بوجھ سمجھتی ایسا کیسے سوچ لیا تم نے؟"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔" وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں۔ تم یہاں پڑھنا چاہتی ہو تو ہاں تو ہو جائے گا تمہارا ایڈمیشن اور اس کے لئے ہمیں آسیہ سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں تم۔ لاحول ولا میں تو تمہیں بہت عقلمند سمجھتی تھی لیکن تم تو آسیہ سے بھی زیادہ احمق ہو۔"

"مما تو احمق نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ہیں" وہ ان کی خفگی سے خائف ہو کر بولی۔

"احمقوں کا کوئی خاص شعبہ نہیں ہوتا۔ یہ ہر شعبے میں پائے جاتے ہیں۔ بے شک اپنے سبجیکٹ میں ماسٹر ہو جائیں دوسرے معاملات میں احمق ہی رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنی مما کو دیکھ لو۔ تعلیمی میدان میں اتنی ذہین کہ ہمیشہ فرسٹ پوزیشن لی لیکن زندگی کے دوسرے معاملات میں اتنی ہی احمق ثابت ہوئی۔"

سیما بھابھی پہلے اس کی بات پر مذاق میں شروع ہوئی تھیں۔ لیکن پھر آسیہ کا ذکر کرتے ہوئے سنجیدہ ہو گئیں۔ "میں ابھی بھی آسیہ کو دیکھتی ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ یا تو شاہ سکندر کے ساتھ کمپرومائز کر لیتی یا پھر۔"

"آپ کا مطلب ہے، مما کو دوسری شادی کر لینی چاہئے تھی؟" سیما بھابھی کے خاموش ہو جانے پر اس نے سمجھ کر پوچھا تو وہ نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پھر کیا اچھا نہیں کیا مما نے؟"



"یعنی کہ تمہیں شروع سے میرے پاس نہیں چھوڑا۔" سیما بھابھی بڑی خوبصورتی سے بات بنا گئیں اور پیار سے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگیں۔ "خیر اب تم میرے پاس ہو اور میں تمہیں ہرگز واپس نہیں جانے دوں گی۔ تم یہیں پڑھو گی اور یہیں تمہاری شادی ہو گی ٹھیک۔"

وہ سر جھکا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔

"تم اگر پہلے کہتیں تو اب تک تمہارا ایڈمیشن ہو بھی چکا ہوتا۔ خیر میں آج ہی شکیل سے کہوں گی۔"

"ان سے پہلے آپ مما سے پوچھ لیں۔" وہ منمنائی۔

"تم کہتی ہو تو پوچھ لیں گے ان سے بھی۔" سیما بھابھی کو اس وقت وہ چھوٹی سی معصوم بچی لگ رہی تھی اور وہ اسی طرح اسے بہلا رہی تھیں۔



سردیوں کی راتیں ایک تو جلدی شروع ہو جاتی ہیں دوسرے سناٹا بھی چھا جاتا ہے۔ ابھی آٹھ بجے تھے اور لگ رہا تھا جانے کتنی رات بیت گئی ہو۔ وہ عشاء کی نماز پڑھنے جا رہی تھی جب آسیہ کا فون آیا تھا کہ اسے آنے میں دیر ہو جائے گی اس لئے وہ کھانا کھا لے۔

وہ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئی تو بوا نے اس سے کھانا لگانے کا پوچھا اور اسے بھوک تو لگ رہی تھی۔ لیکن نبیل بھی نہیں تھے اس لئے منع کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کھا لیں بوا! میں جب نبیل بھائی آئیں گے ان کے ساتھ کھا لوں گی۔"

"آسیہ تو آنے والی ہو گی ناں؟"

"نہیں مما کا فون آیا تھا۔ وہ دیر سے آئیں گی اور آپ کو ان کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کھانا کھائیں اور لحاف میں جائیں۔ مما کے لئے کھانا میں گرم کر دوں گی اور یہ نبیل بھائی پتہ نہیں کہاں رہ گئے ہیں؟"

آخر میں وہ بڑبڑاتی ہوئی نبیل کو دیکھنے کی غرض سے بالکونی کا دروازہ کھولنے لگی تھی کہ فون کی بیل پر دروازہ چھوڑ کر لاؤنج میں آ گئی۔

"اب تو حرے میں ہو گے تم سب۔" دوسری طرف مدیحہ تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئی۔

"بہت تنگ کرتی تھی ناں میں، تم سب کو، سچ بتاؤ کتنے نفل شکرانے کے پڑھے تم نے اور تمہارے۔"

"بکواس اور فوراً واپس آؤ۔ میں بہت بور ہو گئی ہوں اور اداس بھی۔" اس نے ٹوک کر کہا۔

"میرے بغیر؟" مدیحہ کی حیرت میں ڈوبی آواز آئی۔

"اور نہیں تو کیا۔"

"اچھا کبھی آ جاؤں گی تم سے ملنے۔ فی الحال تو تم میرے ڈاکومنٹس بھیج دو کیونکہ میں یہاں کالج میں ایڈمیشن لے رہی ہوں۔" مدیحہ نے اس پر احسان کرتے ہوئے کہا تو وہ چیخ پڑی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ارے سیدھی سادی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ میری انٹر کی مارکس شیٹ اور سرٹیفکیٹ بھیج دو۔"

"ہرگز نہیں۔ یہاں امتحان ہونے والے ہیں، تم فوراً واپس آؤ۔"

"نہیں حیا۔ میں اب وہاں نہیں آؤں گی، میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ تم مما کو ابھی بتا دینا اور کہنا۔ مجھے

واپس بلانے کی کوشش نہ کریں اور اگر انہوں نے میرے ساتھ اس سلسلے میں کوئی زبردستی کی تو میں پچ مچ اپنے باپ کے پاس چلی جاؤں گی۔"

مدیحہ نے ایک دم سنجیدہ ہو کر اپنی ہمیشہ والی وارننگ دہرائی تو وہ رو پڑی۔

"تم بہت بری ہو مدحو! تمہیں ذرا احساس نہیں کہ۔"

"کیوں کروں میں احساس بتاؤ؟ میرے ساتھ جو ہوا اس پر دوسرے کو احساس کیوں نہیں دلایا جاتا، میری تقدیر کیوں سمجھ لیا جاتا ہے اور تم کس حساب سے میری دادی اماں بننے کی کوشش کرتی ہو۔ بڑی عقل ہے تمہارے پاس اونہہ۔" مدیحہ نے تنفر سے فون بند کر دیا تھا۔

"مدحو! مدحو!" اس نے بے قراری سے کریڈل پر ہاتھ مارا پھر مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ نبیل کی آواز پر ہاتھ نیچے گرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کس کا فون تھا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"مدحو کا۔"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"مجھے نہیں پتا، اس سے پوچھ لیں۔" اس کی آنکھیں پھر چھلکنے کو ہو رہی تھیں۔ اس لئے جلدی سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"صبا!" نبیل اس کے پیچھے چلے آئے۔ "یہ کیا بیوقوفی ہے۔ تم جانتی تو ہو مدحو کو پھر اس کی باتوں پہ رونے کا مطلب۔ مجھے بتاؤ اب کیا کہا ہے اس نے؟"

"فیصلہ کیا ہے کہ نہیں آئے گی۔ وہیں پڑھے گی، اپنی مارکس شیٹ وغیرہ منگوائی ہے اس نے کہہ رہی تھی اگر مما نے زبردستی کی تو وہ سچ مچ شاہ سکندر کے پاس چلی جائے گی۔" اس نے روتے ہوئے بتایا تو نبیل گہری سانس کھینچ کر بولے۔

"پتا نہیں کب سدھرو گی تم دونوں۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ فوراً بولی۔

"تم کر ہی کیا سکتی ہو سوائے رونے کے اور اسے دھمکانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ بس ساری زندگی میں کچھ کرتی رہنا تم دونوں۔" نبیل کو جانے کیوں غصہ آ گیا تھا۔

وہ جلدی جلدی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"شاہ سکندر کے پاس جائے گی وہ ضرور جائے۔ آخر پاپا ہے اس کا۔ تمہیں اگر باپ سے ملنے کا شوق نہیں ہے تو اسے تو مت روکو، جانے دو۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ تمہیں بھی جانا چاہیے۔"

"ہاں جاؤں گی میں بھی جاؤں گی۔" لیکن اس طرح نہیں جیسے مدحو بات بے بات دھمکی دیتی ہے مما کی اجازت سے جاؤں گی۔" وہ کہہ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو پہلی بار نبیل بجائے اسے چپ کرانے کے اس کے کمرے سے نکل گئے۔

کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا تو ہاتھ نیچے گرا کر بہت حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا پھر ان کے پیچھے جانے کا بس سوچ کر رہ گئی۔ لیکن ہمت نہیں ہوئی کیونکہ ان کا غصہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کے رونے پر تو یا مدیحہ پر، کسی پر بھی ہو اس طرح تو وہ کبھی نہیں کرتے تھے کہ اسے روتا چھوڑ کر چلے جائیں۔



وہ ان کے رویے پر الجھتی ہوئی ادھر ادھر ٹہلنے لگی پھر اچانک کھانے کا خیال آیا تو سب بھول کر ان کے کمرے میں آ گئی۔

"نبیل بھائی! آپ کے لئے کھانا گرم کروں؟"

وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل کے پاس کھڑے تھے۔ اس کی سمت ذرا سی گردن موڑ کر پوچھنے لگے۔

"تم نے کھا لیا؟"

"نہیں، اکیلی کیسے کھاتی؟"

"کیوں، پھپھو کہاں ہیں؟"

"کلینک، فون آیا تھا ان کا کہ انہیں دیر ہو جائے گی اور اتنی دیر تو ہو گئی ہے، ابھی تک نہیں آئیں۔" اس نے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آ جائیں گی، تم کھانا گرم کرو۔" انہوں نے سرسری انداز میں کہہ کر رخ موڑ لیا تو وہ وہیں سے پلٹ کر کچن میں آ گئی۔ کھانا گرم کیا پھر ٹیبل پر رکھ کر نبیل کو بلا لائی اور ابھی دونوں نے کھانا شروع کیا تھا کہ آسیہ آ گئیں۔

"تم لوگ اب کھانا کھا رہے ہو۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میرا انتظار نہیں کرنا۔" آسیہ نے تعجب کے ساتھ کہا تو وہ صاف گوئی سے بولی۔

"آپ کے انتظار میں دیر نہیں ہوئی مما! نبیل بھائی بھی نہیں تھے اور آپ کو پتا ہے، میں اکیلی نہیں کھاتی۔"

آسیہ نے چیئر کھینچتے ہوئے نبیل کو دیکھا لیکن پوچھا نہیں کہ انہیں کہاں دیر ہوئی۔

"وہ مما! مدحو کا فون آیا تھا۔" قدرے توقف سے اس نے اسی قدر کہا تھا کہ آسیہ نے فوراً پوچھا۔

"اچھا، کب آنے کو کہا ہے اس نے۔"

اس نے کچھ ٹھٹکا کر نبیل کو دیکھا لیکن وہ بہت انجان نظر آئے جیسے سنا ہی نہیں، تب وہ اندر ہی اندر خائف ہو کر بولی۔

"آنے کو تو نہیں کہا بلکہ وہ تو وہیں رہنے کی بات کر رہی تھی۔"

"کیا مطلب؟" آسیہ کا منہ کی طرف جاتا ہوا ہاتھ درمیان میں ہی رک گیا۔

"مجھے نہیں پتا مما! وہ کہہ رہی تھی وہیں کالج میں ایڈمیشن لے گی۔"

آسیہ نے جانے کیوں خاموشی اختیار کر لی اور کھانے میں مصروف ہو گئیں جس سے وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

"تو کیا مما! آپ اسے وہیں رہنے دیں گی؟"

"نہیں آ جائے گی وہ بلکہ میں خود لے آؤں گی اسے۔ اگلے ہفتے ڈاکٹرز کنونشن میں مجھے اسلام آباد جانا ہے واپسی میں اسے بھی لیتے آؤں گی۔" آسیہ نے دھیرج سے اسے اطمینان دلایا پھر نبیل کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

"نبیل! تم کل چار بجے گھر پر ہی رہنا۔ کچھ مہمان آئیں گے۔"

"کون؟" نبیل نے کچھ بے دھیانی میں پوچھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ اس روز جن کے ہاں ہم لوگ گئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ۔''

آپیہ ایک دم خاموش ہو گئی تو نبیل نے غالباً کچھ سمجھ کر بے اختیار اسے جن نظروں سے دیکھا، اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور فرار کا ایک ہی راستہ نظر آیا۔ فوراً برتن سمیٹ کر کچن کی راہ لی لیکن اس کا تجسس عروج پہنچ گیا تھا۔ ایسے میں اسے مدیحہ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اب اس مقام پر وہ اسے ہمراز نہ بھی بناتی تب بھی اس کے ذریعے سے ایک ایک بات اسے معلوم ہو سکتی تھی۔

پھر رات دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔ جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔ محبت کی جس شاہراہ پر وہ چل پڑی تھی کبھی اس کی منزل صاف نظر آتی اور کبھی درمیان میں خدشات گھیر لیتے اور محبت کی راہ گزر تو ایسی ہی ہوتی ہے خوش رنگ پھولوں سے ڈھکی ہوئی۔ پتا ہی نہیں چلتا کہاں کانٹے چھپے ہیں۔ بہر حال اگلے دن کالج سے آ کر اس نے گھر کا کونہ کونہ چمکا دیا لیکن اس وقت وہ بری طرح جھنجلا گئی جب مہمانوں کو اوپر بلانے کے بجائے آپیہ خود نیچے چلی گئی اور نبیل کو بھی وہیں بلا لیا۔ وہیں دیکھتی رہ گئی، پھر اس انتظار میں ٹہلنے لگی کہ کسی وقت اسے بھی بلایا جائے گا لیکن ایسا بھی نہیں ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد نبیل واپس اوپر آئے تو ان کی آہٹ کی آواز سنتے ہی وہ جلدی سے کتاب کھول کر بیٹھ گئی۔

''صبا!'' نبیل نے اس کے دروازے پر آ کر پکارا تو وہ منتظر ہونے کے باوجود بھی چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''جی بھائی!''

''وہ اماں جی اپنے کرتے کا پوچھ رہی ہیں۔''

وہ سن کر بھی یوں کھڑی تھی جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ شاید اس لیے کہ اس کی سماعتیں کچھ اور سننا چاہتی تھیں۔

''کیا بات ہے۔ سلا نہیں؟'' نبیل کے ٹوکنے پر وہ چونک کر بولی۔

''نہیں سل گیا۔ وہ تو میں نے کل ہی دی دیا تھا۔ بس ابھی دے رہی ہوں۔''

''مجھے نہیں۔ نیچے اماں جی کو دے آؤ۔'' نبیل کہہ کر وہیں سے پلٹ لیے تو وہ بے اختیار ان کے پیچھے لپک کر بولی۔

''اور وہ مہمان۔''

نبیل نے رک کر دیکھا تو بری طرح سٹپٹا گئی۔

''وہ میرا مطلب ہے نیچے مہمان ہیں۔''

''چلے گئے۔'' نبیل بغیر کچھ بتائے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے تو وہ اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑائی۔

''یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' پھر الماری میں سے کرتا نکال کر نیچے آئی تو آپیہ، اماں جی اور میمونہ بھابھی سے جانے کیا بات کر رہی تھی جو اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ جس سے اس کا دھڑکتا ہوا دل ٹھہرنے لگا۔ بہت محتاط سی ہو کر اماں جی سے بولی۔

''اماں جی! آپ کا کرتا۔''

''خوش رہو، بیٹی بھی ٹانک دیے ہیں؟'' اماں جی نے اس کے ہاتھ سے کرتا لیتے ہوئے پوچھا۔



''جی، اللہ کرے آپ کو پسند آ جائے۔'' اس نے ثوبیہ کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا اور وہ نظر نہیں آئی تو ممانی سے پوچھنے لگی۔

''ثوبیہ کہاں ہے مامی جی؟''

''وہ عمر کے ساتھ بازار گئی ہے۔ بیٹھو ابھی آتی ہو گی۔''

''پھر آ جاؤں گی'' وہ پلٹی تھی کہ میمونہ بھابھی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سنو، ہم سے کوئی ناراضگی ہے کیا؟''

''ارے مامی جی! میں آپ سے ناراض ہونے کی جرأت کر سکتی ہوں بھلا، ہرگز نہیں۔ وہ تو امتحانوں کی وجہ سے ذرا پابندی ہو گئی ہوں ورنہ آپ کو دیکھے بغیر تو میرا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا پوچھ لیں ممانی سے۔''

اس نے میمونہ بھابھی کی گردن میں بازو ڈالتے ہوئے کہا وہ اس کا گال تھپک کر بولیں۔

''میں جانتی ہوں۔''

''بس تو دعا کریں بخیر و خوبی ہو جائیں۔''

''اللہ کرے، ثوبیہ نے بھی ہوا بنایا ہوا ہے امتحانوں کو اور اس کے تو بس ہی نہیں پورے ہوتے اور کیا ہوتے ہیں پانچ سال دس سال بچپن۔ پتا نہیں کیا پڑھتے ہو تم لوگ۔ ہم تو سیدھے سیدھے کتابیں پڑھتے اور امتحان دیتے تھے یہ الم غلم نہیں جمع کرتے تھے۔''

''آپ کا زمانہ اور تھا مامی جی۔'' وہ ان کے الم غلم کہنے پر ہنستی ہوئی بولی۔

''ہاں قبل مسیح کے ہیں ہم لوگ چلو جاؤ اپنی پڑھائی کرو تم۔'' میمونہ بھابھی نے اس کی کمر پر دھپ جماتے ہوئے کہا تو وہ اسی طرح ہنستی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

۞ ۞ ۞

''السلام علیکم بابا جان! شاہ سکندر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ بابا جان فون پر جانے کس سے بات کر رہے تھے۔ ہاتھ سے شاہ سکندر کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تو وہ جو اس وقت خاصی فراغت سے آئے تھے۔ آرام دہ انداز میں بیٹھ کر سائیڈ سے اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے۔

''ہوں۔'' چند منٹ بعد بابا جان متوجہ ہوئے اور انہیں متوجہ کرنے کے لیے ہنکارا بھر کر بولے۔ ''کوئی خاص خبر ہے؟''

''پرانا اخبار ہے۔'' انہوں نے اخبار تہ کر کے واپس وہیں رکھ دیا پھر بابا جان کو دیکھ کر مسکرا کر بولے۔ ''خاص خبریں اخباروں میں نہیں چھپتیں۔''

جوابا بابا جان کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''آپ سنائیں، وہ جو بھابھی بیگم کراچی سینٹل ہوئی ہیں انہوں نے کچھ معاملہ آگے بڑھایا یا نہیں؟'' شاہ سکندر غالباً اسی مقصد سے آئے تھے جب ہی فوراً اصل موضوع کی طرف آ گئے۔

''ابھی ہم علی سے اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے۔ اس نے بتایا ہے آج دلہن بیگم باقاعدہ اس کا رشتہ لے کر گئی تھیں۔''

''پھر کیا جواب دیا آپ نے؟'' شاہ سکندر بے صبری کا مظاہرہ کر گئے جس پر بابا جان نے بڑی کھوجتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا پھر قصداً سرسری انداز میں بولے۔

"سوچنے کو وقت مانگا ہے اس نے اور پھر اپنے بھائیوں سے مشورہ بھی ضرور کرے گی ان کے ورپہ جو بیٹھی ہے اب تک۔"

"لیکن وہ کسی پر بوجھ تو نہیں ہے۔" شاہ سکندر بلا ارادہ کہہ گئے۔

"یہ تو وہی جانتے ہوں گے، بہر حال ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم صرف تمہاری بیٹی کے لئے فکر مند ہیں۔ اگر آسیہ بیگم نے اسے اپنے ہی خاندان میں بیاہ دیا تو یہ اس بچی پر بڑا ظلم ہوگا۔ ساری زندگی اسے اپنے باپ دادا کے طعنے سننے پڑیں گے۔ ہمیں اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دراصل اس کی رگوں میں دوڑتا ہمارا خون ہے۔ جس کی وجہ سے ہم بن دیکھے اس کے لئے فکر مند ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے بھی باپ دادا کا طعنہ سہنا عذاب ہوگا۔ یہ بالکل فطری بات ہے۔ اس لیے جب تک وہ بچی اپنے لوگوں میں نہیں آ جاتی ہمیں چین نہیں آئے گا۔" بابا جان نے بڑی خوب صورتی سے انہیں تاریک پہلو سمجھا کر کہا تو وہ اندر ہی اندر جز بز ہو کر بولے۔

"پتا نہیں بابا جان! اس بچی کے دل میں ہمارے لیے کیا ہے۔ محبت، نفرت یا کچھ بھی نہیں؟"

"بونے والوں نے تو نفرت کا بیج ہی بویا ہوگا۔ خیر تمہیں اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہاں آ کر انشاء اللہ خوش ہی ہوگی اور ہاں تم نے الماس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

بابا جان نے محض ان کا دھیان بٹانے کی خاطر دوسری بیٹی کا ذکر چھیڑ دیا تو وہ چونک کر کہنے لگے۔

"الماس تو بہت چھوٹی ہے بابا جان! ابھی تو میٹرک کیا ہے اس نے۔ اور میرا ارادہ اسے ڈاکٹر بنانے کا ہے۔ ماشاء اللہ ذہین ہے، آسانی سے میڈیکل میں جا سکتی ہے۔"

"ہوں۔" بابا جان نے سوچتے ہوئے انداز میں ہوں کی آواز نکالی پھر کافی دیر بعد بولے۔ "اچھی بات ہے۔"

شاہ سکندر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں چلتا ہوں بابا جان! آپ آرام کریں۔"

بابا جان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تو وہ انہیں شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل آئے اور جب اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو آگے مہر النساء منتظر کھڑی تھی۔ دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"شاہ! آپ نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔"

شاہ سکندر کچھ بولے نہیں لیکن مجسم سوالیہ نشان بن گئے تھے۔

"کیا یہ سچ ہے کہ شہر میں آپ کی کوئی اولاد ہے جسے بابا جان یہاں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں۔"

وقت نے مہر النساء کے غرور میں اضافہ ہی کیا تھا اور اب تو خاصے جارحانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" شاہ سکندر مختصر جواب دے کر مسہری پر جا بیٹھے تو وہ تلملا کر ان کی طرف بڑھی۔

"کیوں، اس کی ماں مر گئی ہے کیا؟"

"شٹ اپ مہر النساء۔" وہ بے اختیار چلائے پھر فوراً ہونٹ بھینچ کر خود قابو پانے کے بعد کہنے لگے۔

"جسے بابا جان یہاں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں، وہ میری بیٹی ہے اور مجھ پر اتنا ہی حق رکھتی ہے جتنا الماس۔ لیکن میں نے اسے کیا دیا؟ یہ تو نہیں تھا کہ میرے پاس دینے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر وہ محروم رہی تو صرف تمہاری وجہ سے۔ تمہاری وجہ سے مہر النساء! بابا جان نے مجھے مجبور اور بے بس



کر کے مجھ سے وہ کچھ کروا دیا جو میں نہیں چاہتا تھا اور میں تو ابھی بھی اتنا مجبور ہوں کہ خود جا کر اپنی بیٹی کو نہیں لا سکتا۔ اسے لانے کے لئے بابا جان کو تدبیریں کرنی پڑ رہی ہیں۔ خدا معلوم اتنے برسوں بعد انہیں یہ خیال کیسے آیا کہ میری اور بھی کوئی اولاد ہو سکتی ہے اور یہ کہ اسے اس کا حق ملنا چاہیے۔ کتنی عجیب بات ہے پہلے خود اسے محروم کیا اور اب خود ہی۔"

ان کی ذرا سی ہنسی میں استہزا آمیز دکھ تھا۔

مہر النساء بڑے ضبط سے سن رہی تھی۔ ان کے خاموش ہونے پر تڑخ کر بولی۔

"ٹھیک ہے بابا جان کو اگر اس کا خیال آ ہی گیا ہے تو اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ جو اس کا حق دینا والا ہو وہیں بھجوا دیں۔"

"پھر تو بابا جان کو سب سے پہلے مجھے بھجوانا پڑے گا۔" شاہ سکندر کو جانے کیا سوچ محظوظ کر گئی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"سمجھ کر بھی نہ سمجھو تو اور بات ہے البتہ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ بچی میرے لئے کسی طرح بھی الماس سے کم نہیں، تم بے شک اس سے کوئی تعلق نہ رکھنا لیکن اسے کوئی زک پہنچانے کی بھی کوشش نہ کرنا۔" شاہ سکندر کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سخت تنبیہ تھی۔

"ہونہہ!" مہر النساء نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "وہ آئے گی تب نا۔"

"ضرور آئے گی۔" یقین سے کہتے ہوئے شاہ سکندر جانے کہاں کھو گئے تھے۔



وہ اس وقت بہت موڈ بنا کر پڑھنے بیٹھی تھی کہ عمر نے بہت خاموشی سے آ کر اس کے سر پر ہاؤ کی آواز نکالی تو وہ اچھل پڑی پھر دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر ناراضگی سے بولی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو؟"

"ہاہاہا!" عمر نے قہقہہ لگا کر اس کا مذاق اڑایا۔

"دیکھو۔ سیدھی شرافت سے چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں مما کو پکار کر تمہاری خوب کھنچائی کرواؤں گی۔" اس نے اس کے قہقہے سے بری طرح چڑ کر دھمکی دی تو وہ بجائے مرعوب ہونے کے اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ہنسی روک کر معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تو چلا جاؤں گا سیدھی شرافت سے۔ تم بتاؤ تم کون سے طریقے سے جاؤ گی؟"

"میں کیوں جاؤں گی۔ میرا کمرہ ہے یہ۔"

"میں کمرے سے نہیں گھر سے جانے کی بات کر رہا ہوں سنا ہے تمہارے لئے کسی نامی گرامی کا پروپوزل آیا ہے۔" عمر کی معنی خیزی میں شوخی بھی شامل ہو گئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ "نامی گرامی" پر اچھل پڑی۔

"لو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ کسی اے سی، ڈی سی کا رشتہ آیا ہے کہ نہیں۔"

عمر نے سیدھے بیٹھتے ہوئے رعب سے کہا تو وہ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

"مجھے کیا پتا؟"

"سچ کہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کل کوئی مہمان آئے تو تھے۔ لیکن مجھے نہیں پتا، وہ کس لیے آئے تھے۔ ممانے انہیں نیچے ہی بٹھایا تھا پھر نبیل بھائی کو بھی وہیں بلا لیا۔" وہ رک رک کر بتا رہی تھی کہ عمر نے ٹوک دیا۔

"بس مان لیا تمہیں نہیں پتا۔"

"بس مان لیا ناں۔ اب جاؤ مجھے پڑھنے دو۔" اس نے دل ہی دل میں شکر کرتے ہوئے دوبارہ کتاب اٹھائی۔

"کیا کرو گی پڑھ کر؟ وہ ڈی سی تم سے نوکری تو نہیں کروائے گا اور اگر کروائی بھی ہوئی تو اپنے علاقے پر تمہیں کہیں تھانے وارنی لگوا دے گا۔"

"کیا؟" اس نے چیخنے کے ساتھ کتاب عمر کے سر پر دے ماری۔ "بہت ہی کمینے ہو تم تھانیدارنی لگو تم بیوی کو اور اپنی سالی کو اور۔"

"ساس کو۔" عمر نے فوراً لقمہ دیا۔

"ہاں بہت اچھے لگے تھانیدارنیوں میں گھرے ہوئے۔ ادھر سے وہ مارے گی ادھر سے وہ" وہ بولے جا رہی تھی اور عمر ہنسے جا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تب بڑی معصوم سی شکل بنا کر بولا۔

"ان ساری باتوں کے لئے ڈی سی ہونا ضروری ہے جو کہ میں نہیں ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں تم ان سے کہنا، وہ تمہاری یہ ساری خواہشیں پوری کر دیں گے۔"

وہ سمجھ گئی کہ وہ باز آنے والا نہیں ہے اس لیے ایک دم خاموشی اختیار کر لی اور کچھ بے نیازی بھی دکھانے لگی۔

"ارے، اصل بات بتانا تو میں بھول ہی گیا۔" قدرے توقف سے عمر نے اچھل کر اپنے تئیں اسے چونکا دیا لیکن اس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"ایمان سے صبا! تم سنو گی تو حیران ہو جاؤ گی بلکہ تمہیں یقین بھی نہیں آئے گا خود میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں کر رہا۔" عمر نے مزید تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس بار کامیاب ہو گیا۔

"کیا، کیا دیکھا ہے؟" وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"وہ اپنے نبیل بھائی۔ آج میں نے انہیں طارق روڈ پر ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔" عمر نے اس کی طرف جھک کر جتنی آہستہ آواز میں بتایا، وہ اتنی زور سے چیخی۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"جو چاہے قسم لے لو۔"

"نبیل بھائی! لڑکی کے ساتھ۔" وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اور لڑکی بھی خاصی ماڈرن، بلیک جینز پر آف وائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئی تھی اور بہت اترا اترا کر چل رہی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی ان تک پہنچنے کی لیکن برا ہو ٹریفک کا میرے روڈ کراس کرنے تک وہ دونوں کار میں بیٹھ کر میری نظروں کے سامنے سے نکل گئے۔"

عمر نے جوش سے بتاتے ہوئے آخر میں مایوسی کا اظہار کیا۔

"میں ابھی پوچھتی ہوں نبیل بھائی سے۔" وہ اٹھنے لگی تھی کہ اس نے روک دیا۔



"ان سے کیا پوچھو گی؟"

"یہی کہ ان کے ساتھ لڑکی کون تھی؟" وہ سادگی سے بولی۔

"جلدی کیا ہے۔ ذرا صبر سے کام لو اور دیکھو کہ وہ خود سے کب بتاتے ہیں؟"

"وہ پتا نہیں کب بتائیں گے میں اتنا صبر نہیں کر سکتی۔" وہ واقعی کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری مرضی لیکن خبردار جو میرا نام لیا تو میں صاف مکر جاؤں گا کہ میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔" عمر نے تنبیہ کے ساتھ کہا تو وہ جاتے جاتے رک کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے تم نے جھوٹ بولا ہے۔"

"جھوٹے پر خدا کی لعنت۔" وہ حلفیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" اس نے پھر جانے کے لئے قدم بڑھائے تو عمر ایک ہی جست میں اس سے پہلے کمرے سے نکل گیا اور وہ بھی رکی نہیں۔ اس کے پیچھے نکل کر پہلے اسے بھاگتے اور سیڑھیاں اترتے دیکھا پھر نبیل کے دروازے پر دستک دینے کے بعد اندر جھانک کر پوچھنے لگی۔

"آپ سو تو نہیں رہے؟"

نبیل بیڈ پر تکیہ اونچا کر کے سینے تک کمبل اوڑھے لیٹے ہوئے کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"میں آپ کو ڈسٹرب کرنا تو نہیں چاہتی تھی۔ لیکن۔" وہ اندر آ کر رک گئی۔

"کہو کیا بات ہے؟" نبیل نے نرمی سے کہا پھر بھی وہ ہچکچا گئی۔ "مجھے یہ پوچھنا تھا کہ آج آپ طارق روڈ گئے تھے؟"

"نہیں کیوں؟" صاف انکار کے ساتھ نبیل کے کیوں نے اسے مزید بوکھلا دیا۔ بڑبڑانے کے انداز میں عمر کو گالیاں دینے لگی تو وہ کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے بولے۔

"کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ، یہاں آؤ۔"

"نہیں میں جا رہی ہوں۔"

"صبا!" انہوں نے رعب سے پکارا تو بہت دھیرے دھیرے آگے آتی ہوئی بولی۔

"مجھے نہیں پتا، وہ عمر کہہ رہا ہے کہ اس نے آپ کو طارق روڈ پر دیکھا تھا ایک لڑکی کے ساتھ۔ میں نے اس کی بات کا بالکل یقین نہیں کیا نبیل بھائی۔"

"اسی لیے مجھ سے تصدیق کرنے آئی ہو۔" نبیل کے چھیڑتے ہوئے لہجے نے اس کا چہرہ روشن کر دیا تھا۔



یہ نہیں تھا کہ آپا نے بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا۔ اسے شروع سے ان کی فکر تھی اور چاہتی تو یہ تھی کہ دونوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر کسی قابل بنانے کے بعد ان کی شادیاں کرے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی پڑھائی میں اتنی اچھی نہیں تھی۔ بہت محنت کے بعد بس یہ تھا کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتی تھیں اور ظاہر ہے آپا کے لئے ان کا یہ رزلٹ خاصا مایوس کن تھا اور بہت جلد اس نے ان کی اعلیٰ تعلیم کا خواب چھوڑ کر یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ دونوں کو گریجویشن کرا کر ان کی شادی کر دے گی، اس کے خیال میں بیکار لڑکیوں کی عمریں نکالنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ایک سال پہلے جب مدیحہ کی منگنی ہوئی تھی تو وہ کیونکہ گھر کی بات تھی اس لیے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ شادی بیاہ کے معاملات طے کرتے ہوئے اسے کن مراحل سے گزرنا ہوگا۔ آناً فاناً جیسے مدیحہ کی بات طے ہوگئی تھی اس کا خیال تھا صباحت کے لئے بھی جب کوئی اچھا رشتہ آیا، وہ اسی طرح اس کے فرض سے سبکدوش ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے ہی احمر نے باہر شادی کر کے اس کے دل کو جو دھچکا پہنچایا تھا اس سے رشتوں پر سے اگر اس کا اعتماد نہیں اٹھا تھا تب بھی وہ بہت محتاط ضرور ہوگئی تھی اور یہ جان لیا تھا کہ بیٹیوں کی شادی آسان بات نہیں ہے اور اب صباحت کے لئے جو یہ پروپوزل آیا تھا اس کے بارے میں اس کا خیال تھا مکمل چھان بین کا کام عدیل بھائی کے سپرد کرے گی لیکن اتفاق سے ان دنوں عدیل بھائی اپنے بزنس ٹور پر جاپان گئے ہوئے تھے اور اسے کوئی اتنی جلدی بھی نہیں تھی پھر اسے بھی اسلام آباد جانا تھا۔

اس نے سوچا وہاں سے واپس آنے کے بعد عدیل بھائی سے بات کرے گی اور کیونکہ یہ طے تھا کہ اس نے جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا اس لیے عارفہ بیگم کو بھی اس نے کوئی امید افزا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود چار دن نہیں گزرے تھے کہ وہ پھر آن موجود ہوئیں۔ اتفاق سے اسی شام چھ بجے اس کی اسلام آباد کی فلائٹ تھی اور چار بجے عارفہ بیگم کی آمد پر وہ خاصی جز بز ہوئی۔ اپنی پیکنگ کا کام صباحت کو سونپ کر وہ بڑی عجلت میں نیچے آئی اور عارفہ بیگم سے ابتدائی رسمی کلمات بھی خاص عجلت میں ادا کر کے کہنے لگی۔

"اصل میں مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ چھ بجے میری فلائٹ ہے۔ آپ اگر آنے سے پہلے فون کر دیتیں تو آج زحمت کرنے سے بچ جاتیں۔"

"زحمت کیسی؟ اپنی غرض سے آئی ہوں اور بار بار آؤں گی۔ آج آپ مصروف ہیں تو کوئی بات نہیں میں چلی جاتی ہوں۔"

عارفہ بیگم نے برا مانے بغیر کہا تو وہ عجلت پر اندر ہی اندر نادم سی ہو کر فوراً بولی۔

"ارے نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے کہ کھڑے کھڑے آپ کو رخصت کر دوں۔ آپ پلیز تشریف رکھیں۔ ایک گھنٹہ ہے میرے پاس۔"

"شکریہ۔" عارفہ بیگم بیٹھتے ہی پوچھنے لگیں۔ "اسلام آباد کس سلسلے میں جا رہی ہیں؟"

"ایک سیمینار کا دعوت نامہ ہے۔ اس میں شرکت کرنی ہے اور میرے ایک بھائی وہاں رہتے ہیں۔ ایک دو دن ان کے پاس رہوں گی۔" اس نے سہولت سے بتایا۔

"اور آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں۔۔۔ وہ بھی آپ کی طرح ڈاکٹر ہیں کیا؟" عارفہ بیگم نے بظاہر بڑی سادگی سے پوچھا تو چند لمحوں کے توقف سے وہ بہت سنبھل کر بولی۔

"جی نہیں۔ میرے شوہر نہیں ہیں۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی ہماری علیحدگی ہوگئی تھی۔"

"اوہ!" عارفہ بیگم نے افسوس کا اظہار کیا پھر پوچھنے لگیں۔ "پھر آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟"

"جی نہیں۔ اور پلیز کیوں کا سوال نہیں اٹھایئے گا۔" اس نے کہہ کر گھڑی دیکھی جیسے کیوں کا جواب دینے کے لئے اس کے پاس وقت نہ ہو۔

"ظاہر ہے۔ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ لیکن بیٹی کا تو باپ سے ملنا ہوتا ہوگا۔" عارفہ بیگم جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

"نہیں۔" آسیہ نے اختصار سے کام لیا اور یوں دیکھنے لگی جیسے اب وہ کیوں کا سوال ضرور اٹھائیں گی۔



لیکن اس کے برعکس وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولیں۔

"اس کا مطلب ہے، بیٹی کی ماں بھی آپ ہیں اور باپ بھی۔"

"جی۔"

"پھر بھی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں آپ اس کے باپ سے مشورہ تو کریں گی بلکہ ضرور کرنا چاہیے تا کہ بعد میں وہ کوئی۔" عارفہ بیگم نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

آسیہ خاموش رہی۔

"خیر آپ کی مرضی۔ ہمیں اس سے کیا سروکار؟ ہم نے آپ کو دیکھا، آپ کی بیٹی کو دیکھا۔ آپ ماشاء اللہ تعلیم یافتہ سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔ بیٹی کی پرورش اور تربیت آپ نے کی تو یقیناً اس میں آپ کا عکس ہوگا۔ اب اس کا باپ خواہ کیسا بھی ہو؟" عارفہ بیگم کی بات جاری تھی کہ وہ بول پڑی۔

"معاف کیجئے گا۔ میری بیٹی کا باپ ایسا ویسا شخص نہیں ہے۔ آپ نے اپنے ڈی سی بیٹے کے لئے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ وہ ہیلتھ منسٹر شاہ سکندر حیات کی بیٹی ہے۔"

عارفہ بیگم نے کوشش سے آنکھیں پھیلائی تھیں۔ تب ہی میمونہ بھابھی چائے لے کر آ گئیں اور غالباً اندر داخل ہوتے ہوئے انہوں نے عارفہ بیگم کی پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ لی تھیں جب ہی اشارے سے آسیہ سے پوچھا کہ انہیں کیا ہوا۔ جواباً آسیہ نے کچھ نہیں کا اشارہ کیا اور جلدی سے ٹرالی اپنی طرف کھینچ کر چائے بنانے لگی تو عارفہ بیگم جیسے اپنے آپ سے بولیں۔

"نام سنا ہوا لگ رہا ہے اور شاید ٹی وی پر بھی دیکھا ہے۔ اپنے بیٹے سے پوچھوں گی وہ ضرور جانتا ہوگا۔"

"کسے؟" میمونہ بھابھی نے بے خبری کے باعث فوراً پوچھا۔

"ان کے شوہر۔ میرا مطلب ہے صباحت کے باپ کو۔ کیا نام بتایا ہے ان کا؟" عارفہ بیگم حد کر رہی تھیں یا شاید آسیہ کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ جب وہ ٹرالی میمونہ بھابھی کی طرف دھکیل کر اٹھ کر چلی آئی۔

"مما! میں نے آپ کی تمام چیزیں سوٹ کیس میں رکھ دی ہیں پھر بھی آپ دیکھ لیں۔ کچھ رہ تو نہیں گیا۔"

صباحت نے اسے دیکھتے ہی سوٹ کیس کھول کر کہا تو وہ اچٹتی نظر ڈال کر بولی

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"چیک تو کر لیں مما!"

"فار گاڈ سیک بیٹا! میں کون سا لمبے عرصے کے لئے جا رہی ہوں۔ چھوڑو یہ سب اور جاؤ دیکھو ٹیبل لگا کر رکھا ہے؟"

اس نے جھنجھلا کر صباحت کو کمرے سے نکال دیا اور سوٹ کیس بند کر کے وہیں بیٹھ گئی۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ ہو رہی تھی اور ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ دل چاہا اسی وقت عارفہ بیگم کو صاف جواب دے دے کہ اسے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔

"آسیہ!" میمونہ بھابھی اسے پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ کچھ گم صم حالت میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں چلی آئیں؟" میمونہ بھابھی نے ٹوکا تو وہ پھٹ پڑی۔

"سنا نہیں تھا آپ نے۔ کیا کہہ رہی تھیں وہ بلکہ جب سے آئی ہیں، بیٹی کا باپ باپ کئے جا رہی ہیں جبکہ

میں نے کہہ دیا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر بھی۔"

"پھر بھی وہ پوچھیں گی اور جو بھی آئے گا، پوچھے گا تم صرف یہ کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتیں کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں... بے شک تمہارا تعلق ٹوٹ گیا لیکن بیٹیوں کا کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، چاہے وہ اس سے ملیں نہ ملیں، تمہیں بہر حال بیٹیوں کو ان کے باپ کے نام سے متعارف کرانا ہے خصوصاً ایسے نازک موقعوں پر، سمجھیں۔ اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو ورنہ..."

میمونہ بھابھی نے دھیرج سے سمجھاتے ہوئے اس کا کندھا دبایا تو بس گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"چلو اٹھو۔ سفر پر جا رہی ہو۔ فریش ہو کر جاؤ۔" میمونہ بھابھی نے اس کے چہرے پر چھائی افسردگی دور کرنے کی خاطر فوراً ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تو وہ ان کی اس کوشش پر زبردستی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر بہت کوشش سے بھی وہ اپنا دھیان نہیں ہٹا سکی تھی۔ عارفہ بیگم سے زیادہ میمونہ بھابھی نے اسے چند جملوں میں جھنجھوڑ دیا تھا اور اسے خود پر حیرت بھی ہو رہی تھی کہ وہ اس حقیقت سے کیسے نظریں چرا رہی ہے کہ بے باپ کے نام کی اولاد کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔

"کہیں احمر نے اس لیے تو مدحہ کو نہیں ٹھکرا دیا کہ؟"

سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اس اچانک خیال سے اسے بڑے زور کا دھچکا لگا تھا۔ بہت ضبط کرتے کرتے بھی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ جسے چھپانے کے لیے اس نے سیٹ کی بیک پر سر رکھ کر پلکوں کے در بند کیے تو اندر جانے کتنے در کھل گئے جنہیں بند کرتے کرتے وہ نڈھال ہو گئی۔ آنکھوں میں مچلتا پانی کوئی راستہ نہ پا کر دھیرے دھیرے اس کی پلکیں بھگونے لگا اور اس سے پہلے کہ اسے احساس ہوتا بہت مانوس آواز نے آہستگی سے اس کی سماعتوں پر دستک دی تھی۔

"آر یو آل رائٹ؟"

ایک لمحہ کو وہ اپنا وہم سمجھی لیکن آواز کے ساتھ مانوس خوشبو بھی سانسوں میں اتری کہ دوسرے پل اس نے چونک کر پلکوں کے در کھول دیئے۔

شاہ سکندر قدرے تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔



اتنے قریب اس ستم گر کی موجودگی سے آسیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ کیونکہ فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ بمشکل تمام خود پر قابو پا کر اس نے کچھ غیر محسوس طریقے سے پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر بیک سے سر ہٹا کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے" شاہ سکندر ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے غالباً یہ ڈر تھا کہ آنکھیں جھپکنے سے سپنا ٹوٹ جائے گا۔

آسیہ نے ان کی بات کا جواب دیا نہ چہرے پر کوئی تاثر ابھرا بلکہ یوں جیسے وہ اس سے نہیں کسی اور سے مخاطب ہوں۔

"آسیہ پلیز اتنی انجان نہ بنیں، میں آج بھی اس وعدے کا پابند ہوں، خود سے آپ کے راستے میں نہیں آیا۔ یہ چند گھنٹوں کی ہم سفری قسمت کی مہربانی ہے یا ستم ظریفی، میرے لیے بہر حال اس کا ایک ایک پل انمول ہے۔ میں آپ کا تاحیات ممنون رہوں گا اگر جو آپ ناراضگی اور نفرت سے نظریں چرا کر فقط اس سفر میں اور کچھ نہیں تو دوست ہی سمجھ کر بات کریں مجھ سے۔" شاہ سکندر کے انداز میں، لہجے میں عاجزی تھی۔



وہ بے اختیار ذرا سی گردن موڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دو اجنبی بھی ساتھ بیٹھے ہوں تو بات کر لیتے ہیں ہم میں تو کبھی آشنائی تھی۔" شاہ سکندر کا مقصد کچھ جتانا یا دلانا نہیں تھا بس یوں ہی کہہ گئے تھے پھر بھی اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی جس پر وہ فوراً معذرت کرتے ہوئے بولے۔

"آئی ایم سوری، میرا مطلب ہے، ہم بھی اجنبیوں جیسی باتیں تو کر سکتے ہیں جیسے سب سے پہلے مجھے یہ پوچھنا چاہیے کہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"اسلام آباد" اس کے ہونٹوں نے بے اختیار جنبش کی تھی ایسے ہی بے ساختہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ کچھ کنفیوز سی ہو کر نظریں چرا گئی۔

"اسلام آباد کس کے پاس؟" شاہ سکندر نے بڑے محظوظ انداز میں فوراً اگلا سوال کر دیا تو وہ جیسے ہتھیار ڈال کر بولی۔

"بھائی کے پاس۔"

"کتنا عرصہ قیام رہے گا وہاں؟"

"یہی کوئی چار پانچ دن۔"

"پھر واپس کراچی۔"

"جی۔"

"کراچی میں کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

"گھر اور کلینک۔"

"آپ ڈاکٹر ہیں۔"

"جی۔"

"ویری گڈ ویسے مجھے ڈاکٹروں سے ایک شکایت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ابھی میں سگریٹ نکالوں گا اور آپ مجھے اس کے نقصانات پر لیکچر دینا شروع کر دیں گی۔" شاہ سکندر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اسے دکھایا تو وہ سمجھ کر بولی۔

"جی نہیں آپ شوق سے پئیں، میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔"

"تھینک یو۔" انہوں نے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور اسے لائٹر دکھانے کے بعد کہنے لگا۔

"میں ایک بار امریکہ جا رہا تھا۔ ایسے ہی میرے ساتھ ایک خاتون بیٹھی تھیں۔ اٹھارہ گھنٹے کے سفر میں انہوں نے مجھے ایک سگریٹ نہیں پینے دی۔ میں جیسے ہی سگریٹ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ رکھتا وہ فوراً ٹوک دیتیں وہ میری زندگی کا بدترین سفر تھا۔"

"ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا۔"

"جی ہاں ہمیشہ تو آپ جیسے ہمسفر نہیں ملتے۔" انہوں نے دھوئیں کے مرغولوں میں سے اسے دیکھا تھا۔ فقط قریب اور اتنی دور، جیسے زندگی روٹھ جائے تو منانا ناممکن۔ ان کا دل چاہا، اس سے پوچھیں اتنے برس اس نے کیسے

گزارے؟ ابھی ان کے سنگ گزرے لمحات کو یاد کیا۔

وہ محبتیں

وہ چاہتیں

وہ روٹھنے منانے کی ادائیں

وہ جان دینے کی باتیں

وہ جو دل کی بستی میں ہر نئے دن کے آغاز پر ان کے نام کا پھول کھلاتی تھی ان کا کیا ہوا؟

کچھ باقی ہے یا سب نفرتوں کی آندھیوں کی نذر ہو گئے۔

اے کاش وقت کا پہیہ الٹا چلنے لگے۔ میں سارے ماہ و سال سمیٹ کر پھر اسی مقام پہ جا کھڑا ہوں جہاں میرے ہاتھ میں اس دیوی کا ہاتھ تھا۔ اور میں اسی محبت سے اسے پکاروں۔

''آمی!'' انہوں نے بے اختیار پکار لیا تو وہ جو پہلے ہی ان کی نظروں کی تپش سے نروس سی ہو رہی تھی۔ اپنی جگہ سن ہو گئی۔

''سوری۔'' انہیں فوراً ہی احساس بھی ہو گیا۔ ''میں جانے کس وقت میں کھو گیا تھا۔ ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی۔''

''میرے خدا۔'' اسے اپنے بدن پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں تب ہی ہوسٹس نے چائے کی ٹرے سامنے کی تو وہ دو کپ اٹھا کر ایک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

''چائے لیجئے۔''

اس نے بہت خاموشی سے کپ تھام لیا اور ایک سپ لے کر شیشے سے باہر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا آسمان نہ زمین، خلا کا بھی بس احساس تھا۔ کتنی دیر وہ محض ان سے بچنے کی خاطر یوں ہی رخ موڑے بیٹھی رہی۔ صرف شاہ سکندر کو اسے متوجہ کرنے کے لئے پکارنا پڑا۔

''ایکسکیوزمی ڈاکٹر آمنہ۔''

وہ سیدھی ہو بیٹھی لیکن ان کی طرف دیکھا نہیں۔

''وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ کی بیٹی کیسی ہے؟'' انہوں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے لئے شاید یہ بات غیر متوقع نہیں تھی جب ہی بہت سکون سے بولی۔

''ٹھیک ہے۔''

''پڑھتی ہے؟'' فطری تجسس کے ساتھ ان کے بے ساختہ سوال شروع ہو گئے۔

''جی، دو ہفتے بعد اس کے تھرڈ ایئر کے امتحان ہیں۔''

''اس کے بعد آئی مین اس کے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟''

''شادی۔''

''کوئی اچھا پرپوزل ہے یا تلاش کرنا پڑے گا۔'' وہ اب براہ راست اسے دیکھنے لگے تھے۔

پرسوچ انداز میں ذرا سا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آمنہ کی نظروں میں علی جہانگیر کا وجیہہ سراپا آن رکا۔ اس کے ساتھ ہی اسے عارفہ بیگم کی باتیں یاد آنے لگیں جن میں وہ بھابھی کا سمجھانا تو وہ انہیں، وہ الجھتی ہوئی پھر کوشش میں پڑ گئی۔



''اپنی پرابلم۔'' انہیں اس کا ہر انداز ازبر تھا۔

''تو... نو پرابلم آپ پرپوزل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ تو ہے ایک پرپوزل اگر میں اس کی طرف سے مطمئن ہو گئی تو انشاء اللہ جلد صبا کی شادی کر دوں گی پھر۔'' وہ ایکدم ہونٹ بھینچ گئی اچانک خیال آیا تھا کہ انہیں صرف ایک بیٹی کی خبر ہے۔

''کون، کون ہے آئی مین وہ لڑکا کیا آپ کی فیملی میں ہے؟'' شاہ سکندر پورے دھیان سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''نہیں غیر لوگ ہیں۔ اس کے والد کا دبئی میں بزنس ہے اور لڑکا یہاں کراچی میں غالباً اسسٹنٹ کمشنر یا شاید ڈپٹی، بہرحال اس کے بارے میں مکمل چھان بین کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں گی۔'' اس نے سہولت سے بتا کر انہیں دیکھا تو وہ فوراً بولے۔

''میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں یعنی اگر آپ کہیں تو اس لڑکے کے بارے میں معلومات وغیرہ۔''

وہ فوراً جواب نہیں دے سکی۔ حالانکہ صرف جی یا نہیں کہنا تھا لیکن وہ سوچنے میں لگ گئی کہ یہ کام ان سے کہنا چاہیے یا نہیں۔

''اطمینان رکھیں کم از کم بیٹی کے معاملے میں تو'' میں کوئی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ اچھا ہی سوچوں گا، اچھا ہی چاہوں گا۔'' اس بار انہوں نے ''آپ کی بیٹی'' کہنے سے قصداً گریز کرتے ہوئے ایک طرح سے جتا دیا کہ وہ ان کی بھی بیٹی ہے اور اس نے سمجھ کر ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

''لڑکے کا نام علی ہے۔ علی جہانگیر۔ کراچی میں گلشن روڈ پر رہائش ہے۔ اس کے ساتھ اس کی والدہ اور ایک بہن ہے۔ والد کے بارے میں بتا چکی ہوں دبئی میں ہوتے ہیں۔ اب اس کے بارے میں جو آپ معلوم کرنا چاہیں، آئی مین خاندان۔ اس لڑکے کا ذاتی کیریکٹر وغیرہ اور اگر آپ کو وہ مناسب لگے تو مجھے بتا دیجئے گا۔ میں اس کے حق میں فیصلہ دے دوں گی۔''

''ہوں۔'' انہوں نے گہری سانس کے درمیان ہوں کی آواز نکالی پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے پین اور چھوٹی سی ڈائری نکال کر لڑکے کا نام پتا لکھا پھر اس سے پوچھنے لگے۔

''اور آپ سے میں کہاں کونٹیکٹ کروں؟''

وہ اپنے کلینک کا نمبر لکھوا کر بولی۔

''شام پانچ سے آٹھ بجے تک مجھ سے اس نمبر پر بات ہو سکتی ہے۔''

''اس کے علاوہ؟'' انہوں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا لیکن وہ ایکدم نروٹھی بن گئی۔

''کہیں نہیں۔''

''اوکے، میں بہت جلد علی جہانگیر کے بارے میں ساری معلومات آپ تک پہنچا دوں گا۔'' انہوں نے ڈائری اور پین واپس اندرونی جیب میں رکھا پھر اسے دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگے۔ ''آپ یہ بتائیے، اپنی بیٹی کی شادی میں مجھے انوائٹ کریں گی یا نہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے بے مروتی کی حد کر دی اور شاہ سکندر نے پہلے بھی کہیں کیوں کا سوال نہیں اٹھایا تھا۔ ابھی بھی خاموش ہو رہے تو ایک محسوس کی جانے والی دیوار درمیان میں حائل ہو گئی تھی۔

سفر تمام ہونے کو تھا لیکن اب منزل کہیں نہیں تھی اور ان دونوں کے اندر کوئی جستجو بھی نہیں تھی کیونکہ ان کا المیہ یہ تھا کہ انہیں منزل پہلے مل گئی تھی اور سفر بعد میں۔ جسے زندگی کی آخری سانسوں تک جاری رہنا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ جانے کون سے وقت میں کھو گئے تھے۔ چونکے اس وقت جب مائیک پر سیٹ بیلٹ باندھنے کی درخواست کی جا رہی تھی۔

شاہ سکندر نے اسے یوں دیکھا جیسے پھر جانے کب ملاقات ہو اور وہ انجان سی بن کر بیلٹ باندھنے میں مصروف ہوگئی۔ اس کے بعد اپنا پرس کھول کر اس میں جھانکنے لگی۔ یوں ہی ادھر ادھر ہاتھ مار کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی پھر شیشے کے ساتھ پیشانی ٹکا کر دھند میں لپٹے اسلام آباد کی روشنیاں دیکھنے میں لگ گئی۔ ان آخری لمحات میں جانے کیا ہو رہا تھا۔ پہلے بھی پلین لینڈ ہوتے وقت اس کا دل نہیں ڈوبا تھا۔ یقیناً کوئی اور بات تھی۔ پلین رن وے پر دوڑتا ہوا رک گیا۔ وہ تب بھی اسی طرح بیٹھی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ پرواز یہیں تک تھی۔" شاہ سکندر نے بغیر اسے مخاطب کیے کہا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی پھر جلدی سے بیلٹ کھول کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن آگے شاہ سکندر کی ٹانگیں راستہ روکے ہوئی تھیں اور وہ اطمینان سے اپنا بریف کیس بند کرنے میں مصروف تھے۔

"ایکسکیوزمی۔" اس نے متوجہ کیا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور راستہ دینے کی بجائے فوراً کھڑے ہو کر اس سے آگے چلنے لگے۔ سیڑھیاں اترنے تک وہ ان کے پیچھے پیچھے تھی پھر ایکدم بڑھ کر آگے جانے لگی کہ وہ پکار کر بولے۔

"آپ خدا حافظ نہیں کہیں گی؟"

"خدا حافظ۔" وہ ایک پل میں خود پر قابو پا کر اعتماد سے مسکرائی تھی۔



وہ بہت ڈرتے ڈرتے نبیل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی لیکن وہ موجود ہی نہیں تھے۔ جس پر وہ اطمینان کا سانس لے کر کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ دو دن ڈسٹنگ نہیں کی تھی تو اتنی گرد جمع ہوگئی تھی۔ بیڈ کی چادر بھی میلی لگ رہی تھی۔ ڈسٹنگ کے بعد اس نے الماری میں سے دھلی ہوئی چادر نکال کر بچھائی پھر تکیے کا غلاف بدل کر جانے کیا بڑبڑاتی ہوئی پلٹی تو دروازے پر نبیل کو کھڑے دیکھ کر گھبرا کر ہکلانے لگی۔

"وہ میں' کمرہ گندہ ہو رہا تھا۔ میں، میں نے سوچا۔"

نبیل کچھ بولے نہیں۔ دروازے سے ہٹ کر اسے نکل جانے کا اشارہ کیا تو وہ ایک دم روہانسی ہوگئی۔

"میرا کیا قصور ہے مجھے تو عمر نے بتایا تھا۔ آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟"

"کوئی خفا نہیں ہوں میں، بس جاؤ یہاں سے۔" وہ آگے آتے ہوئے بولے۔

"کیوں جاؤں؟ میں کہیں نہیں جا رہی۔" وہ وہیں بیڈ پر ڈھے گئی۔

"صبا مجھے اس وقت تنگ نہیں کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔"

"پریشان؟" وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ "آپ پریشان ہیں نبیل بھائی، کس بات سے۔ مما نے کچھ کہا ہے لیکن مما تو یہاں نہیں ہیں پھر، پھر کس نے؟"

"اف، ایک تو تم پتا نہیں کیا چیز ہو۔" نبیل نے اپنا سر تھام لیا۔

"آپ کچھ بھی کہیں، میں جب تک آپ کی پریشانی نہیں جان لوں گی یہاں سے ہلوں گی ہی نہیں۔"



دوبارہ بیٹھ گئی۔ تو نبیل سر جھٹک کر واش روم میں چلے گئے۔

وہ انتظار کرنے کے ساتھ اپنے آپ قیاس بھی کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ جیسے ہی نکلے فوراً شروع ہوگئی۔

"آپ میری عادت سے اچھی طرح واقف ہیں نبیل بھائی پھر اس طرح کیوں کر رہے ہیں؟ ٹھیک ہے میں آپ کی پریشانی دور نہیں کر سکتی لیکن۔"

"بس۔" نبیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولے۔ "میرا یقین کرو، مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔"

"زبان کچھ غلط پھسل گئی میری بہن! کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ سمجھیں یا نہیں؟" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ جما کر زور سے ہلایا تو وہ بھولپنے کے انداز سے پوچھنے لگی۔

"اور آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟"

"کس بات سے؟"

"وہ جو عمر کے کہنے میں آ کر میں نے آپ سے لڑکی کا پوچھا تھا۔" وہ ایسی ڈری ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی جیسے اس بات سے ابھی وہ مجھ سے اکھڑ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"وہ بھی احمق ہے اور تم بھی۔ اور میں احمقوں سے ناراض نہیں ہوتا۔"

"لیکن آپ عمر سے پوچھیے گا ضرور کہ اس نے ایسی بات کیوں کی؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"پوچھ لوں گا۔ ابھی تم مجھے چائے پلاؤ پھر مجھے جانا بھی ہے۔" انہوں نے کہا تو اس نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

"کہاں؟"

"کہاں کا کیا مطلب؟ یعنی اب تم میرے آنے جانے پر پابندی لگاؤ گی؟"

"میں کیوں پابندی لگاؤں گی؟ میں تو اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ۔۔۔"

"جاؤ، دیکھو کس کا فون ہے۔" نبیل نے فون کی بیل سن کر اسے ٹوک دیا۔

"بہر حال کہیں بھی جائیں۔ جلدی واپس آئیے گا۔ مجھے آج آپ سے پڑھنا ہے۔" وہ کہتی ہوئی بھاگ کر لابی میں آ گئی۔

"ہیلو۔"

"صباحت شاہ سے بات ہو سکتی ہے۔" ادھر سے علی جہانگیر نے اس کی آواز پہچان کر دلکش انداز میں کہا تو وہ بھی اترا کر بولی۔

"جی نہیں، وہ تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، آپ تو ہیں ناں۔ میں آپ سے بات کر لیتا ہوں۔" ادھر بڑا شگفتہ لہجہ تھا۔

"مجھ سے کیا بات کریں گے؟"

"وہی جو صباحت سے کرنی تھی۔"

"یہ تو سراسر فاؤل ہے۔" اس نے بمشکل ہونٹوں تک آئی ہنسی روک کر کہا۔

"کیا کروں، وہ نہیں تو کسی اور تو نہیں تو کچھ نہیں۔" وہ اچانک جذبات کی رو میں بہہ کر گنگنانے لگا۔

تیرے نام سے ہی سجی ہوئی میری زندگی کی کتاب ہے

تجھے دیکھنا ہی یقین ہے تیرے بعد سارا سراب ہے

وہ اس کی دلکش آواز میں کھو گئی تھی۔

"صبا!" علی جہانگیر نے پہلی بار اس کے نام کو مختصر کیا تو وہ چونک کر بولی۔

"جی۔"

"آپ کو دیکھے ہوئے، آپ سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے بلکہ لگتا ہے زمانے بیت گئے۔ کچھ میرے حال پر رحم کریں۔ ابھی آجائیں۔" اس کے لہجے کی بے قراری دل میں ہلچل مچا گئی۔

"بہت مشکل ہے۔"

"ناممکن تو نہیں ہے ناں، کوشش کریں پلیز۔" اس کے عاجزانہ اصرار پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"ہیلو صبا، کیا ہوا؟" کچھ انتظار کے بعد اس نے پکار کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، آئی مین میں کوشش کرتی ہوں اگر کامیاب ہو گئی تو گھر سے نکلنے سے پہلے آپ کو فون کر دوں گی۔" اس نے جلدی سے کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور وہیں سے کچن کا رخ کیا۔

کچھ دیر کے بعد جب چائے لے کر نبیل کے کمرے میں آئی تو وہ بڑے آرام سے سو رہے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ہرگز انہیں نہ اٹھاتی لیکن یہ مجبوری تھی۔ علی جہانگیر کی خواہش کو رد کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا، تب ہی چائے کا کپ سائیڈ کارنر پر رکھ کر پہلے انہیں پکارا پھر آہستہ سے ان کا کندھا ہلایا تو وہ آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے۔

"آپ کو سونا تھا تو چائے کیوں بنوائی؟"

"نہیں، مجھے سونا نہیں تھا۔" وہ اٹھ بیٹھے۔ "لاؤ چائے کہاں ہے؟"

"لیجئے۔" اس نے کپ اٹھا کر انہیں تھمایا پھر ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ کو کہیں جانا؟"

"ہوں۔"

"مجھے بھی لے چلیں۔ میرا مطلب ہے میں لائبریری جاؤں گی۔ آپ مجھے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔" انہوں نے صاف منع کر دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے واپسی میں دیر ہو سکتی ہے پھر تم کس کے ساتھ آؤ گی۔ ویسے بھی تمہیں ابھی امتحان کی تیاری کرنی ہے، لائبریری کی کتابوں کا کیا کرو گی؟"

نبیل کی بات ٹھیک تھی۔ وہ مایوس سی ہو کر ان کے پاس سے چلی آئی اور ان کے کہیں جانے کا انتظار کرنے لگی تاکہ علی جہانگیر کو فون کر کے بتا سکے کہ وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئی ہے۔



تین روزہ سیمینار کے بعد آسیہ کو اب فراغت ملی تھی تو اس نے سب سے پہلے مدیحہ سے واپس چلنے کی بات کی لیکن اس کی اپنی ضد تھی۔

"مجھے نہیں جانا ممّا، میں یہیں رہوں گی۔"

"یہاں رہنے کی کیا تک ہے؟ وہاں تمہارے امتحان ہونے والے ہیں۔ صبا تمہارا ایڈمٹ کارڈ بھی لے



آئی ہے۔ پچیس تاریخ سے پیپر شروع ہیں۔" آسیہ نے حتی الامکان اپنے لہجے پر کنٹرول رکھ کر کہا۔

"میں کوئی امتحان نہیں دے رہی۔ مجھے یہاں ایڈمیشن لینا ہے اور میں نے صبا کو فون بھی کیا تھا کہ میری مارکس شیٹ بھیج دے، کیوں نہیں بھیجی اس نے؟ یہاں ایڈمیشن ہو رہے ہیں۔ ڈیٹ نکل گئی تو میرا ایک نہیں دو سال ضائع ہو جائیں گے۔" مدیحہ کا انداز حتمی تھا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" آسیہ چڑ گئی۔

"نہیں ممّا! اگر ماموں جی اور مامی جی بھی یہ کہہ دیں کہ ان کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہے تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" مدیحہ جانے اپنے دل میں کیا ٹھان چکی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کی پروا نہ ہو، خود اپنی بھی نہیں کہ اس کے ساتھ جو ہوتا ہے ہو جائے۔

آسیہ کتنی دیر سناٹے میں آ کر اسے دیکھتی رہی پھر سنبھل کر نرمی سے بولی تو اس کے لہجے میں عاجزی در آئی تھی۔

"بیٹا! تم ایسا کیوں کر رہی ہو، کیوں مجھے دکھ دیتی ہو؟"

"میں دکھ نہیں دے رہی ممّا، آپ سمجھیں۔ میرے وہاں ہونے سے آپ زیادہ پریشان تھیں بلکہ سب پریشان تھے۔"

"تم پریشان کر رہی تھیں؟" آسیہ نے زور دے کر کہا۔

"ہاں اور میں اب بھی اگر گئی تو پہلے سے زیادہ کروں گی کیونکہ مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔ جو میرے اندر ہے میں وہی ظاہر کروں گی۔ میرے اندر نفرت ہے سب کے لئے۔ میں محبت ظاہر نہیں کر سکتی۔ آپ اگر اس گھر میں سکون چاہتی ہیں تو مجھے یہیں رہنے دیں۔ بے شک یہاں ہاسٹل میں ڈال دیں اگر یہ خدشہ ہے کہ میں مامی جی کو تنگ کروں گی......"

جس طرح آسیہ کی نرمی میں عاجزی در آئی تھی، اسی طرح اس کی ہٹ دھرمی میں محسوس کی جانے والی آزردگی تھی اور آسیہ ماں تھی جو بچوں کے احساسات ان سے زیادہ سمجھتی ہے۔ اس کی آزردگی پر تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میری جان! مجھے تمہاری طرف سے کوئی خدشہ نہیں۔ میں تو صرف تمہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔"

"صبا ہے ناں ممّا آپ کے پاس۔ بظاہر تو کوئی فرق نہیں ہے ہم دونوں میں۔"

اس کی بے وقوفی کی حد تک سادگی آسیہ کو حیران کر گئی۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس پر اپنی ٹھوڑی ٹکائی ہوئی کہنے لگی۔

"ایک بار میمونہ بھابھی نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بیٹی مدحو بہت بے وقوف ہے۔ تو میں مذاق سمجھ کر ہنستی تھی۔ کاش وہ مذاق ہی ہوتا لیکن تم نے تو حد کر دی بیٹا۔ صبا صبا ہے، تم تم ہو۔ میرے دل میں تم دونوں کے لئے محبت الگ نہیں ایک جیسی ہے۔ تم نے تو وہ بات کی کہ سوئی تمہیں چبھے اور پٹی میں صبا کی انگلی میں باندھ دوں، ہاں۔" وہ اسے اپنے سینے میں بھینچ کر ذرا سی ہنسی۔ تب ہی سیما بھی آ گئیں اور اس منظر سے لطف اندوز ہو کر بولیں۔

"واہ، یہاں محبتیں لٹائی جا رہی ہیں۔ کچھ میری جھولی میں بھی ڈال دو۔"

"کچھ کیوں، بہت ہیں آپ کے لئے بھی۔ یہ تو وہ خزانہ ہے جتنا لٹاؤ اتنا بڑھتا ہے۔ کیوں مدحو؟" اس

نے سیما بھابھی سے کہہ کر مدیحہ کا چہرہ ہاتھوں میں لیا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"پتا نہیں مما! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

"اپنے دل کو محبتوں سے آباد کرو گی تو سمجھو گی۔ نفرتیں انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہیں اور اکیلا بھی۔"

آسیہ نے اس کی پیشانی چومی پھر سیما بھابھی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"کیا جادو کر دیا ہے آپ نے میری بیٹی پر؟ یہ میرے ساتھ جانا ہی نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک تو ہے، میرے پاس رہے گی مدحو۔ تم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرو۔" سیما بھابھی نے اس کی حمایت کر دی۔

"زبردستی کی بات نہیں ہے بھابھی؟ وہاں اس کے امتحان ہونے والے ہیں۔ خوامخواہ سال ضائع کرنے کا فائدہ۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا ایک سال سے۔ اس کی عمر نہیں نکل جائے گی۔ بس تم اس کی مارکس شیٹ وغیرہ بھیج دو۔ یہ یہاں ایڈمیشن لے گی۔ ویسے تمہیں اس کے یہاں رہنے پر اعتراض کیوں ہے؟" سیما بھابھی نے آخر میں اسے ٹوکا۔

"اب میں کیا کہوں۔ جب آپ لوگ پہلے ہی طے کر چکے ہیں۔" وہ بجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "او کے بیٹا! تم یہاں رہو لیکن دل لگا کر پڑھنا۔ کم از کم گریجویشن تو کر لو۔"

"صرف گریجویشن ہی نہیں مما! میں آپ کو اور بھی بہت کچھ کر کے دکھاؤں گی۔" مدیحہ نے خوش ہو کر کہا تو وہ اس کا گال تھپک کر سیما بھابھی کو اشارہ کرتی ہوئی شکیل بھائی کے کمرے میں آ گئی۔

شکیل بھائی کمبل میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھا تو ریموٹ کنٹرول اٹھا کر وہیں سے ٹی وی بند کرتے ہوئے بولے۔

"آؤ بیٹا! تمہارے سیمینارز کا سلسلہ ختم ہوا یا نہیں؟"

"ہو گیا۔" وہ آرام سے صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں بھی اوپر سمیٹ لی تھیں۔

"سردی ہے، یہاں کمبل میں آ جاؤ۔" شکیل بھائی نے دوسرے کمبل کی طرف اشارہ کیا۔

"بس ٹھیک ہے، آرام سے ہوں۔ آپ ٹی وی دیکھ رہے تھے؟"

"ہاں بس کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ تم سناؤ کوئی نئی تازہ۔"

"نئی تازہ بھی ہے۔ بھابھی کو آنے دیں اور آپ مجھے یہ بتائیں، مدحو آپ کے لئے پرابلم تو نہیں ہے؟" اسے ابھی تک مدیحہ کی طرف سے اطمینان نہیں رہا تھا۔

"بالکل نہیں۔ وہ تو بہت اچھی بچی ہے۔ میرا خیال ہے تم نے اس پر بے جا سختی کی ہے۔ جب ہی وہ تمہارے ساتھ ضد کرتی ہے۔ یہاں تو بالکل ٹھیک ہے اور اسے یہیں رہنے دو۔ وہ یہاں ایڈمیشن کی بات کر رہی ہے۔ ٹھیک ہے، یہیں پڑھنے دو۔" شکیل بھائی نے مدیحہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں بھائی! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اس لڑکی نے تو مجھے "

"اوں ہوں، تم اب اس کی فکر نہیں کرو۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ تم صرف صبا کا سوچو۔"

شکیل بھائی نے ٹوک کر کہا تو وہ خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگی۔ تبھی سیما بھابھی چائے لے کر آ گئیں



وہ اسے سوچتے دیکھ کر میاں سے پوچھنے لگیں۔

"کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں۔ ہاں آسیہ! تم کوئی نئی تازہ سنا رہی تھیں۔" شکیل بھائی نے بیوی کو جواب دے کر اسے متوجہ کیا تو اس نے پہلے ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھایا پھر سیما بھابھی کے بیٹھنے پر کہنے لگی۔

"مجھے صبا کے بارے میں مشورہ کرنا تھا۔ اس کے لئے ایک پرپوزل آیا ہے۔ لڑکا ماشاء اللہ ہر لحاظ سے اچھا ہے لیکن بالکل غیر لوگ ہیں۔ اس لیے میں کچھ ڈر رہی ہوں۔"

"یہ سب قسمت کی باتیں ہیں۔ قسمت اچھی ہو تو غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔ نہیں تو اپنوں کو غیر ہونے میں دیر نہیں لگتی۔" سیما بھابھی کا اشارہ احمر کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن ادھر وہ لوگ شادی بھی جلدی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اگر اچھا رشتہ ہے تو کر دو، منع نہیں کرو۔ لڑکیوں کی عمر ذرا زیادہ ہو جائے تو اچھے رشتوں کا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ ویسے کیا کرتا ہے لڑکا؟"

شکیل بھائی نے فوراً مشورے کے ساتھ پوچھا تو وہ تفصیل سے علی جہانگیر کے بارے میں بتانے لگی۔

❁....❁....❁

پانچویں دن آسیہ واپس آئی تو اسے اکیلے دیکھ کر صباحت نے پہلا سوال مدیحہ کے بارے میں کیا۔

"مدحو نہیں آئی مما؟"

"نہیں بیٹا! وہ وہاں خوش تھی پھر تمہارے ماموں جی اور مامی جی کا بھی اصرار تھا کہ اسے وہیں رہنے دوں، اس لیے میں مجبور ہو گئی۔ تم کل ہی اس کی مارکس شیٹ وغیرہ بھجوا دینا۔" آسیہ نے بتا کر آخر میں تاکید کی تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو کیا اب وہ ہمیشہ وہیں رہے گی۔"

"ہمیشہ کیوں، بی اے کر کے آ جائے گی۔" آسیہ نے یوں کہا جیسے یہ دو سال نہیں دو دن کی بات ہو۔

"اتنا عرصہ، اف نہیں مما! میرا اس کے بغیر دل نہیں لگتا۔ آپ بس اسے فوراً واپس بلائیں۔"

"میں کیا کروں، جب وہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ تم کوشش کر کے دیکھو شاید تمہاری بات مان لے۔" آسیہ نے خود کو معذور ظاہر کر کے بات اس پر ڈال دی۔

"مجھے تو وہ پہلے ہی جواب دے چکی ہے بلکہ دھمکیاں بھی دے رہی تھی۔"

"بس تو تم بھی کچھ مت کہو۔ وہ اگر خوش ہے تو ٹھیک ہے۔" آسیہ نے بات ختم کر دی پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔ "میرا کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟"

"جی آج دوپہر میں ایک خاتون کا فون آیا تھا۔ پوچھ رہی تھیں آپ کب آئیں گی؟" وہ روانی میں بتا کر نظریں چرا گئی تو آسیہ کے ذہن میں پہلا خیال عارفہ بیگم کا آیا اور اسے تصدیق کرنے کی بجائے اپنے آپ سے بولی۔

"عارفہ بیگم کا ہو گا۔ خیر تم بتاؤ امتحان کی تیاری ہو گئی ہے ناں؟"

"جی!"

"شاباش۔" آسیہ اس کا گال تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر اگلے روز اس کے کلینک جانے سے پہلے عارفہ بیگم آن موجود ہوئیں اور مسلسل اس کے ہامی بھرنے پر اصرار کرتی رہیں۔ بڑی مشکل سے وہ انہیں آئندہ پر ٹال سکی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اب وہ خود ہی انہیں فون کرے گی اور اس کے لئے انہیں صباحت کے امتحان ختم ہونے تک انتظار کرنا پڑے گا جبکہ خود اسے شاہ سکندر کے فون کا انتظار تھا جو کام اس نے عدیل بھائی کے لئے سوچا تھا وہ شاہ سکندر نے اپنے ذمہ لے لیا تھا تو اس خیال میں اب اسے اس سلسلے میں کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ شاہ سکندر نے اس کے ساتھ اچھا کیا یا برا، اپنی بیٹی کے لئے تو اچھا ہی سوچیں گے۔

انسان ہمیشہ سے تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ جو بات ہونی ہوتی ہے اس کے لئے پہلے سے تمام حالات و واقعات جیسے ترتیب سے لکھ دیے جاتے ہیں۔ اتنے برسوں سے پہلے تو کبھی شاہ سکندر سے اس طرح سامنا نہیں ہوا تھا۔ عین اس وقت کیوں جب بیٹی کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ اس نے اس اتفاق کو سوچا بھی تو مثبت انداز سے اور ان ہی پر بھروسا بھی کر لیا کہ وہ باپ ہیں، انہیں زیادہ حق ہے اور وہ زیادہ بہتر مشورہ دے سکتے ہیں اور اس بہتر مشورے کے لئے اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تیسرے دن جب وہ مریضوں سے فارغ ہو کر آخر میں ایمرجنسی وارڈ کے راؤنڈ پر نکل رہی تھی کہ شاہ سکندر کا فون آ گیا۔

"یس ڈاکٹر آسیہ اسپیکنگ۔" اس نے دروازے سے واپس پلٹ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

"کیسی ہیں ڈاکٹر صاحبہ آپ؟" شاہ سکندر نے بظاہر رسمی انداز میں پوچھا لیکن ان کے لہجے میں وہی گمبھیرتا تھی جو پہلے اندر ہلچل مچاتی تھی اور اب دل ڈوبنے لگتا تھا۔

"جی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بہت سنبھل کر بولی تو کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی کیونکہ ادھر انتظار کر رہے تھے کہ وہ بھی ان کا احوال پوچھے گی، رسماً ہی سہی پھر اس کی طرف سے مایوس ہو کر ہی بولے تھے۔

"آپ کا ایک کام تھا میرے ذمہ اور اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ کیا آپ میری فراہم کردہ معلومات پر یقین کریں گی۔"

"یقین کرنا میری مجبوری ہے سکندر حیات! کیونکہ دنیا کا کوئی باپ کم از کم اپنی بیٹی کا برا نہیں سوچ سکتا۔" اس نے بہت سہولت سے جتا دیا۔

"آپ ہمیشہ سے بہت ذہین ہیں آسیہ! لیکن افسوس اپنے معاملے میں آپ نے اپنا ذہن استعمال نہیں کیا تھا اگر ذرا سی سمجھداری سے کام لیتیں تو......"

"پلیز۔" وہ ٹوک کر بولی۔ "آپ مجھے علی جہانگیر کے بارے میں بتائیں۔"

"اچھا لڑکا ہے۔" وہ فوراً شروع ہو گئے۔ "خاندان بھی اچھا ہے۔ میں دبئی میں اس کے باپ سے بھی مل آیا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں گی تو میں یہی کہوں گا کہ اپنی بیٹی کیلئے میں جتنا اچھا سوچ سکتا تھا علی جہانگیر اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہی از ویری اسٹرونگ بوائے۔ آج وہ جس مقام پر ہے اس میں زیادہ اس کی اپنی محنت کا دخل ہے۔ خدا کے بعد خود پر بھروسا کرنے والے اسی طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ انشاء اللہ مزید ترقی کرے گا۔ میں آپ کو فورس تو نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس سے اچھا پرپوزل اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ جو پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ ان کے خاموش ہونے پر پرسوچ انداز میں بولی:

"اس کا مطلب ہے مجھے ہامی بھر لینی چاہیے۔"

"بہتر تو یہی ہے آگے آپ کی مرضی۔"



"او کے بہت بہت شکریہ۔"

"کس بات کا؟" شاہ سکندر نے فوراً پوچھا لیکن اس نے بڑے آرام سے ریسیور رکھ دیا اور راؤنڈ پر نکل گئی۔ وہ کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ بس ایک کھٹک تھی کہ وہ اتنی جلدی صبا کی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کم از کم وہ بی اے کر لیتی پھر عارفہ بیگم نے اپنی پہلی آمد پر ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں فوراً شادی کرنی ہے کیونکہ انہیں واپس اپنے میاں کے پاس دبئی جانا ہے اور انہوں نے مزید اپنی کچھ مجبوریاں بتائی تھیں۔

اس رات آسیہ دیر تک اماں جی، ابا جی، جلیل بھائی اور بھابھی کے ساتھ بیٹھی ان سے مشورہ کرتی رہی پھر سب کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ اگر وہ اس رشتے پر مطمئن ہے تو پھر اسے شادی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک صبا کے بی اے کرنے کی بات ہے تو وہ شادی کے بعد بھی کر سکتی ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یوں اس طرف سے بھی مطمئن ہو کر اس نے صباحت کے امتحانوں تک خاموشی اختیار کر لی اور جس روز آخری پیپر سے فارغ ہوئی، اس شام آسیہ نے عارفہ بیگم کو فون کر کے اگلے روز رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی اور علی جہانگیر کو بھی ساتھ آنے کو کہا تھا۔



علی جہانگیر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے بہت خاموشی سے وہ سارے لوازمات دیکھ رہا تھا جو عارفہ بیگم کرم دین سے کہہ کر گاڑی میں رکھوا رہی تھیں۔ ایک دو بار اس نے ٹوکا بھی کہ انہوں نے صرف کھانے پر بلایا ہے اور کچھ نہیں کہا پھر یہ سب لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جس پر عارفہ بیگم نے یہ کہہ کر اسے خاموش کرا دیا کہ تمہیں کیا پتا، کھانے پر یوں ہی نہیں بلایا۔

خدا خدا کر کے یہ مرحلہ تمام ہوا تو اس نے شکر کرتے ہوئے جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور رابعہ کو قدرے تحکم سے بیٹھنے کو کہا وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"آپ کو بہت جلدی ہے۔"

"تم دیکھو آٹھ بج رہے ہیں۔ تم کیا چاہتی ہو، عین کھانے کے وقت پہنچیں۔" اس نے ناراضگی سے کہہ کر عارفہ بیگم کو دیکھا اور ان کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

رابعہ کافی خوش تھی۔ تمام راستہ اس سے مذاق کرتی رہی جبکہ عارفہ بیگم کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ آیا اب وہ اس رشتے پر خوش ہیں یا بابا جان کی وجہ سے مجبور ہیں اور اگر مجبور تھیں تب بھی آسیہ اور اس کے تمام گھر والوں سے ملتے ہوئیں انہیں کہیں ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔ اس کے برعکس جیسے ان کی دلی مراد بر آئی ہو۔

"ہمارے صبر کا بہت امتحان لے لیا آپ نے۔" کھانے کے بعد عارفہ بیگم نے آسیہ کے سامنے باقاعدہ اپنا دوپٹہ پھیلا دیا۔ "اب تو خوشی ہماری جھولی میں ڈال دیں۔"

"مجھ سے نہیں۔ اماں جی اور ابا جی سے کہیں۔" آسیہ نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو دیکھتے ہوئے کہا تو عارفہ بیگم نے فوراً اپنا رخ ان کی طرف موڑ لیا۔

"آپ کی امانت ہے۔"

ابا جی اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئے کیونکہ انہیں وہ وقت یاد آ گیا تھا جب انہوں نے یہی الفاظ آسیہ کے لئے کہے تھے۔ اس وقت سامنے شاہ جہانگیر تھے اور اب انہیں کیا خبر تھی کہ اس جگہ ان کا بیٹا براجمان ہے۔

سارے میں مبارک سلامت کا شور۔ پھر عارفہ بیگم گاڑی میں سے مٹھائی اور دیگر سامان نکلوا لائیں۔ ابھی خاصی ہلچل سی مچل گئی تھی اور جانے وہ کس کونے میں چھپی تھی جسے دیکھنے کو علی جہانگیر کا بے تاب دل بری طرح

مچل رہا تھا۔

"بھائی! میں صبا کے پاس جا رہی ہوں، کوئی پیغام؟" رابعہ نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھا کر سرگوشی میں اسے اطلاع دینے کے ساتھ پوچھا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا کیونکہ اس کے ساتھ ہی خلیل بھائی بیٹھے تھے۔

رابعہ، سونیا اور ثوبیہ کے ساتھ اوپر آ گئی اور مٹھائی کی پلیٹ صباحت کے آگے کرتی ہوئی شوخی سے بولی۔

"جناب! آپ بھی منہ میٹھا کر لیں۔ کیا یاد کریں گی۔"

"کہ آپ کو سب سے آخر میں مٹھائی ملی۔" ثوبیہ نے فوراً لقمہ لگایا تو رابعہ کچھ خجل سی ہو کر بولی۔

"یہ واقعی زیادتی ہے۔ سب سے پہلا حق تو ان کا تھا۔"

"گویا سب سے پہلے حق کی حق تلفی ہو گئی۔ اب اس کا ازالہ کون کرے گا۔"

"علی بھائی۔" رابعہ فوراً بولی۔ "بلاؤں انہیں۔"

"ارے واہ، آپ تو کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی ہیں۔ صرف مٹھائی کھلا کر آپ کے علی بھائی سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے۔" سونیا نے کہا۔

"تو پھر انہیں یہیں لے چلتے ہیں۔"

ادھر ان کی نوک جھونک جاری تھی اور نیچے عارفہ بیگم جلدی شادی پر اصرار کر رہی تھیں اور آسیہ اس پر آمادہ تو تھی لیکن تیاری کی مہلت ضرور چاہتی تھی جس کے لئے عارفہ بیگم کو دو تین مہینے بھی بہت لگ رہے تھے۔

"کیا تیاری کرنی ہے آپ کو؟ زیور، کپڑا، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس میری کچھ مجبوریاں ہیں جو میں اتنی جلدی کر رہی ہوں۔ دبئی میں علی کے والد کو کھانے وغیرہ کی پرابلم ہے۔ میں صرف رابعہ کی شادی کر کے وہاں جاؤں تو یہاں علی اکیلا ہو جائے گا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں اس کا گھر بھی بسا کر جاؤں۔ زیادہ سے زیادہ دو مہینے لے لیں آپ۔"

عارفہ بیگم نے نئے سرے سے اپنی مجبوریاں گنوا کر فت سے کہا تو آسیہ شش و پنج میں کبھی اماں جی اور ابا جی کو دیکھتی، کبھی خلیل بھائی اور میمونہ بھابھی کو۔ آخر میں قریب بیٹھے نبیل سے سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

"تم کیا کہتے ہو بیٹا؟"

"میں کیا کہوں، ابا جی سے پوچھیں۔" نبیل یہی کہہ سکتے تھے۔

آسیہ نے ابا جی کو دیکھا لیکن وہ متوجہ نہیں تھے جبکہ عارفہ بیگم اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں اور اس کا جواب سننے کے لئے بڑی بے تاب نظر آ رہی تھیں۔ تب وہ ہامی بھرتی ہوئی بولی۔

"ٹھیک ہے دو مہینے بعد لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ صبا نے ابھی تھرڈ ایئر کا امتحان دیا ہے۔ ایک سال ہے آپ اسے بی اے ضرور کرا دیجئے گا اگر آپ کے ساتھ مجبوری نہ ہوتی تو میں اس کے بی اے کرنے کے بعد ہی اس کی شادی کرتی۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ علی اسے بی اے کیا ایم اے بھی کرائے گا۔" عارفہ بیگم خوش ہو کر بولیں اور اسی وقت تاریخ طے کر کے ہی اٹھی تھیں۔

پھر آتے ہی علی جہانگیر نے سب سے پہلے شاہ سکندر کے نمبر ڈائل کیے تھے کیونکہ صبح انہوں نے بہت تاکید کی تھی کہ آج آسیہ کے ساتھ جو معاملہ طے ہو وہ سب سے پہلے انہیں بتائے۔ یہ تاکید بابا جان کی طرف سے بھی تھی لیکن انہوں نے سب سے پہلے شرط نہیں رکھی تھی اور اگر رکھتے تب بھی شاید وہ پہلے شاہ سکندر ہی سے رابطہ کرتا۔



"یس! شاہ سکندر حیات۔" ان کے انداز میں بے دھیانی تھی۔

"السلام علیکم چچا جان۔" اس نے سلام کیا تو اس بار جیسے وہ پوری جان سے متوجہ ہوئے پھر بھی سلام کا جواب دینا بھول گئے اور بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں! کہو بیٹا کیا رہا؟"

"سب طے ہو گیا چچا جان۔ آنٹی مین ڈاکٹر آسیہ نے نہ صرف رشتے پر ہامی بھر لی ہے بلکہ امی کے بہت اصرار پر شادی کی تاریخ بھی دے دی ہے۔" علی جہانگیر نے خوش خبری سنا کر انہیں حیران کر دیا۔

"واقعی۔ کب، کب ہے شادی؟"

"اپریل کے پہلے ہفتے میں۔"

"ویری گڈ۔ بابا جان کو بتا دیا تم نے؟"

"جی نہیں، آپ نے کہا تھا سب سے پہلے آپ کو بتاؤں۔ اب بابا جان کو آپ بتائیں گے یا میں۔" اس نے پوچھا تو شاہ سکندر یہ ذمہ داری اس پر ڈال کر کہنے لگے۔

"تم، تم ہی بتانا اور اس سے پہلے میری ایک بات سن لو بیٹا کہ شادی کے بعد تم اپنے گھریلو معاملات میں بابا جان بلکہ کسی کو بھی دخل اندازمت ہونے دینا ورنہ بہت ڈسٹرب ہو جاؤ گے۔"

علی جہانگیر کے اندر یکلخت سناٹا چھا گیا۔ کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی شاہ سکندر نے بلکہ شاید اسے خبردار کیا تھا اور یہی بات اسے بری طرح محسوس ہوئی تھی۔ گویا اب تک اس کی حیثیت صرف کٹھ پتلی کی سی تھی۔ وہ اپنی محبت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ بابا جان کی حکمت عملی سے اپنی منزل تک پہنچا تھا۔ یہ بات جب اس لڑکی کو معلوم ہو گی کہ اسے دھوکے سے حاصل کیا ہے تو وہ اس کی محبت پر کب یقین کرے گی؟ کبھی نہیں۔ ساری زندگی وہ اس کے اعتبار کو ترستا رہے گا۔

"او گاڈ!" وہ ریسیور رکھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اس کا ذہن بڑی طرح منتشر ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ معاً فون کی بیل پر اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے لیکن اسے ریسیور اٹھانے کا خیال نہیں آیا۔ کچھ دیر بجنے کے بعد فون خاموش ہو گیا۔ تب بھی اسے احساس نہیں ہوا۔ عجیب موڑ تھا۔ جب منزل دو گام رہ گئی تھی۔ تب وہ طے شدہ راستوں میں الجھ رہا تھا۔

"بھائی!" رابعہ نے اس کا دروازہ دھکیل کر اسے پکارا تو وہ ایسی ہی الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہائیں! میرا تو خیال تھا آپ خوشی سے جھوم رہے ہوں گے لیکن آپ تو ایسے لگ رہے ہیں جیسے کوئی افسوس ناک خبر سن لی ہو۔" رابعہ نے اس کے افسردہ چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ خاموش رہا۔

"خیر تو ہے بھائی، کیا ہوا ہے؟" رابعہ قدرے متوحش ہو گئی۔

"کچھ نہیں، فی الحال تم جاؤ یہاں سے۔ میں سو رہا ہوں۔" وہ کوٹ اتارتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ تو بتا دیں آپ نے فون کیوں نہیں اٹھایا؟ ادھر بابا جان بات کر رہے ہیں۔" رابعہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا لیکن وہ ان سنی کرتا ہوا ڈریسنگ روم میں بند ہو گیا۔



سونیا، ثوبیہ اور عمرا بھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے اور اس نے سکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ نبیل آ گئے۔ گو کہ انہوں نے ان تینوں کی طرح اسے تنگ نہیں کرنا تھا پھر بھی ان کی آمد سے وہ اندر ہی اندر پریشان ہو گئی۔ کچھ فطری شرم تھی جو اس کا سر آپ ہی آپ جھک گیا

''وہ میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ تم نے کھانا کھایا یا نہیں؟'' نبیل نے اس کی جھجک سمجھتے ہوئے قصداً بے خبری کا سا انداز اختیار کیا تا کہ وہ آرام سے بات کر سکے۔

''وہ، بوا نے زبردستی کھلا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت مجھے بھوک بھی نہیں تھی۔ آپ نے کھا لیا؟'' اس نے جواب کے ساتھ پوچھا تو نبیل بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ہاں اور چائے بھی پی لی۔ تمہاری چھٹی ہو گئی۔ اس وقت چائے نہیں بنانی پڑے گی تمہیں۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں چائے بنانے سے کتراتی ہوں۔'' اس نے شاکی نظروں سے دیکھا تو وہ ہنس پڑے۔

''نہیں خیر تم کسی کام سے نہیں کتراتیں، وہ تو۔''

''مدحو ہے جو اپنا کام بھی نہیں کرتی۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''ہاں، عجیب لڑکی ہے وہ بھی۔ اب دیکھو وہاں جا کر رہ گئی۔ پھوپھو نے بھی اجازت دے دی اسے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی اسے بھیجنے کا مشورہ نہ دیتا۔'' نبیل کو اب افسوس ہو رہا تھا۔

''آپ نے تو کہا تھا وہ زیادہ عرصہ کہیں نہیں رہ سکتی۔'' اس نے یاد دلایا۔

''ہاں نہیں رہ سکتی۔ ابھی بھی وہ خوشی سے وہاں نہیں رکی ہو گی۔'' نبیل نے یقین سے کہا۔

''بہر حال میں اسے بہت مس کرتی ہوں۔''

''خیر تمہیں تو عادت ڈال لینی چاہیے اس کے بغیر رہنے کی۔ کیونکہ تم خود یہاں کچھ وقت کی مہمان ہو۔'' نبیل کے سیدھے سادے انداز کے باوجود وہ بوکھلا سی ہو گئی اور ان کے پاس سے اٹھنے کا بہانا سوچنے لگی۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اس کے کمرے میں بیٹھے تھے، اس لیے فوری پر کوئی بہانا سمجھ میں نہیں آیا تو بات بدلتی ہوئی کہنے لگی۔

''آج ثمرہ کا فون آیا تھا، نبیل بھائی وہ کہہ رہی تھی، کچھ وقت نکال کر اسے پڑھا دیا کریں۔''

''ہاں عدیل چاچو نے بھی کہا تھا مجھ سے اور میں اب تک اپنے وقت کی سیٹنگ نہیں کر پایا۔ کوشش کروں گا کہ۔'' فون کی بیل سے ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

''اس وقت مدحو ہو گی۔'' وہ کہتی ہوئی بھاگ کر لاؤنج میں آ گئی اور ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف واقعی مدحو تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگی۔

''بہت کمینی ہو تم۔ بتایا ہی نہیں کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔''

''میں کیا بتاتی؟ مجھے خود ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ مما نے میری شادی طے کر دی ہے۔'' اس نے مدحو کی نا سمجھی کے خیال سے خود کو بے خبر ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''بکواس، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ابھی رشتہ آیا اور ابھی شادی طے ہو گئی۔ آخر کچھ سلسلہ تو چلا ہو گا۔'' مدحو نے فوراً ٹوک کر جتایا تو وہ اندر ہی اندر خائف ہو کر بولی۔

''ہاں سلسلہ تو کافی دنوں سے چل رہا تھا لیکن مجھے یہ کب معلوم تھا کہ مما ہاں بھی بھر لیں گی؟''



''تم سے پوچھے بغیر تو ہاں نہیں بھری ہو گی۔'' مدحیہ شاکی تھی۔

''جی نہیں! مما نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ نہ کسی کے ذریعے سے میری رائے پوچھی، خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ تم کب آ رہی ہو؟'' اس نے اپنی صفائی دینے کے بعد پوچھا تو مدحیہ لاپروائی سے بولی۔

''ظاہر ہے تمہاری شادی پر ہی آؤں گی۔ ماموں جی اور مامی جی کے ساتھ۔''

''ہائے نہیں مدحو ایسے نہیں کرو۔ ماموں جی اور مامی جی تو عین وقت پر آئیں گے، جبکہ میں اس وقت بڑی شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہی ہوں۔ تم جلدی آ جاؤ پلیز۔''

اس کی منت کا مدحیہ پر کوئی اثر نہیں ہوا

''کیسے آ جاؤں۔ یہاں میری کلاسز شروع ہو گئی ہیں اور ہاں تمہارے پیپر کیسے ہوئے؟''

''ٹھیک ہو گئے ہیں۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''چلو تمہیں کون سا آگے پڑھنا ہے۔ آرام سے گھر داری کرنا۔ ویسے کرتے کیا ہیں موصوف بلکہ پہلے یہ بتاؤ ہیں کیسے؟'' مدحیہ اچانک مشتاق ہو گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتا، خود آ کر دیکھ لو۔'' اس کا لہجہ ہنوز تھا۔

''کیا مطلب، کیا تم نے دیکھا بھی نہیں۔''

''نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''پاگل تو نہیں ہو گئیں۔ بغیر دیکھے شادی کرو گی اور یہ مما اتنی دقیانوسی کب سے ہو گئیں جو تم سے پوچھا نہیں دکھایا۔ اپنے آپ فیصلہ کر لیا اور تم نے مان بھی لیا۔ آخر ایسی کیا مجبوری ہے تمہارے ساتھ۔'' مدحیہ اس کی سعادت مندی سے چڑ گئی تھی۔

''کوئی مجبوری نہیں۔ مجھے مما پر پورا بھروسا ہے۔''

''پھر تو تمہارا اللہ ہی حافظ ہے۔'' مدحیہ کی استہزائیہ ہنسی اسے سخت گراں گزری۔

''بہت بدتمیز ہو تم۔ میں خواہ مخواہ تمہیں مس کرتی ہوں حالانکہ تمہارے بغیر یہاں بڑا سکون ہے۔ کوئی ٹینشن نہیں۔ سب بہت خوش ہیں۔ پتا ہے ابھی یہاں.....'' اس کی بات جاری تھی کہ ادھر سے مدحیہ نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ ریسیور پٹخ کر بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو نبیل ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔

''کیا کہہ رہی تھی مدحو؟''

''اسے دل جلانے کے سوا اور آتا ہی کیا ہے بھلا.....!'' اس نے سلگ کر سر جھٹکا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ دلوں سے کھیلتی ہے۔''

نبیل جانے کہاں کھو گئے تھے۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر چائے بنانے کا کہہ کر وہیں سے واپس پلٹ گئی تھی۔



بابا جان کو اپنے جذبات چھپانے میں ہمیشہ سے کمال حاصل تھا لیکن اس وقت جانے انہوں نے کوشش نہیں کی تھی یا ناکام ہو گئے تھے جو فون پر عارفہ بیگم سے آسیہ کی رضامندی کے ساتھ شادی کی تاریخ دینے کا سن کر وہ

خوشی سے بے قابو ہو گئے تھے اور ہال کمرے میں آ کر اتنی اونچی آواز میں شاہ جہانگیر کو پکارا کہ ان کے ساتھ ادھر سے بی بی جان بھی گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔

اور ادھر مہر النساء تھی۔ پہلی کے بعد دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی وہیں ریلنگ تھام کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"مبارک ہو جہانگیر! تمہارے بیٹے کی بات پکی ہو گئی۔" بابا جان کی آواز میں غیر معمولی گونج تھی۔

"سارے میں مٹھائی تقسیم کراؤ یونس کی ماں۔ علی کی شادی طے ہو گئی۔ ہم بڑی شان سے اس کی بارات لے کر جائیں گے اور دلہن کو رخصت کرا کر پہلے یہیں اسی حویلی میں لے کر آئیں گے۔ بہت چھپا لیا ڈاکٹرنی نے اسے ہم سے۔ اب ہماری باری ہے۔"

"ہونہہ!" مہر النساء نے نخوت و تنفر سے سر جھٹکا تھا

بی بی جان جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھ رہی تھیں۔

شاہ جہانگیر نے آگے آ کر بابا جان کا بازو تھام لیا اور دھیرج سے کہنے لگے۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے بابا جان! لیکن اس طرح تو بنی بات بگڑ سکتی ہے۔ عین وقت پر اگر آسیہ نے انکار کر دیا تو۔" وہ ایک دم خاموش ہو گئے۔

بابا جان نے ان کی بات سمجھ کر چند لمحوں کے لئے خاموشی اختیار کر لی پھر کھنکار کر پہلے گلا صاف کیا اس کے بعد کہنے لگے۔

"شادی کے سارے انتظامات وہیں سے ہوں گے۔ اور بارات بھی یہاں سے جائے گی پھر ہم علی کے گھر رک کر انتظار کریں گے جب ادھر نکاح ہو جائے گا تب ہم خود جا کر دلہن کو رخصت کرا لائیں گے۔"

"میرا خیال ہے بابا جان۔" شاہ جہانگیر غالباً کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔

"نہیں، نہیں جہانگیر! ہمارے علی کی شادی ہو اور ہم شریک نہ ہوں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے پھر ہم نے سکندر سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی بیٹی کو ہم شاہ علی جہانگیر کے ساتھ رخصت کرا کر لائیں گے۔" بابا جان کے منہ سے پہلی بات نکل چکی تھی، وہ اس سے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" شاہ جہانگیر نے ان کی ضد سمجھ کر ہتھیار ڈال دیے۔

"سکندر جہاں ہے اسے بھی اطلاع کرو۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔"

بابا جان کو ایکدم شاہ سکندر کا خیال آیا تھا اور سیڑھیوں پر کھڑی مہر النساء چیخ کر بولی۔

"شاہ کی صرف ایک بیٹی ہے الماس اور کوئی نہیں۔"



بابا جان کو مہر النساء کی بات سے زیادہ اس کا چیخ کر بولنا ناگوار گزرا تھا اور یہ تھی بھی انہونی۔ بھلا ان کے سامنے کب کسی نے اونچی آواز میں بات کی تھی۔

مہر النساء کی اتنی جرات پر بی بی جان پریشان ہو گئیں۔ شاہ جہانگیر الگ بوکھلا گئے تھے پھر بھی اس سے پہلے کہ بابا جان، مہر النساء کی بدتمیزی پر اسے سخت الفاظ سے کچھ کہتے، وہ بول پڑے۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ مہر النساء! تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کیوں نہیں! میں ہر اس معاملے سے تعلق رکھوں گی جس میں شاہ کا نام آئے گا۔" مہر النساء بابا جان کے کڑے تیور دیکھنے کے باوجود اپنی جگہ جم کر کھڑی تھی۔



"ہمیں طیش مت دلاؤ مہر النساء! ورنہ ہم ابھی اسی وقت تمہارا شاہ سے تعلق توڑ دیں گے اور اس کے لئے ہمیں کچھ زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔" بابا جان نے ایک ہی وار میں اس بپھری ہوئی عورت کے پیر اکھاڑ دیے تھے۔ کہ اس بار وہ بولی تو اس کی آواز میں وہ تنفر نہیں تھا۔

"پھر بھی اس طوائف کی بیٹی یہاں نہیں آئے گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ دو سیڑھیاں پھلانگ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"پاگل ہے......" شاہ جہانگیر نے اس انداز سے کہا کہ بابا جان اس کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔

"مسئلہ تو نہیں بنے گی؟" بابا جان نے پرسوچ انداز میں شاہ جہانگیر کو دیکھا۔

"نہیں! آپ چھوڑیں اسے اور بی بی جان کو سارا پروگرام سمجھائیں کیونکہ یہاں کے سارے انتظام تو انہیں ہی کرنے ہیں۔" شاہ جہانگیر نے خوبصورتی سے ان کا دھیان بٹا دیا تھا۔



علی جہانگیر جتنا سوچتا اسی قدر الجھ رہا تھا۔ اسے محبت میں دھاندلی کسی طور مناسب نہیں لگ رہی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ صباحت کو اعتماد میں لے کر اس پر اپنا اصل ظاہر کر دے اور اس نہج پر اس نے سوچا بھی لیکن صباحت کی بزدلی سے خائف تھا کہ وہ کبھی اس کے لئے نہیں لڑ سکے گی۔ اس تمام عرصے میں وہ اسے اتنا تو جان گیا تھا کہ محبت سے دستبرداری میں خواہ اس کی جان کیوں نہ چلی جائے، وہ اپنے بڑوں کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے اسے ہم نوا بنانے کا وہ بس سوچ کر رہ گیا اور خود اس کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا اور اس طرح شادی کر کے اس کی نظروں میں بے اعتبار ہونا بھی کھل رہا تھا۔ عجیب کشمکش و پیچ میں تھا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی پر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بس خاموشی سے عارفہ بیگم کو فون پر بابا جان کی ہدایات سنتے اور پھر ان پر عمل کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جس پر رابعہ نے کئی بار اسے ٹوکا کہ وہ اپنی دلی تمنا پوری ہونے پر بجائے خوش ہونے کے پریشان نظر آتا ہے اور وہ اسے آفیشل پرابلم سے منسوب کر کے ٹال گیا تھا لیکن وہ شاید مطمئن نہیں ہوئی تھی جب ہی اس وقت اسے جھٹلا رہی تھی۔

"غلط کہہ رہے ہیں آپ۔ آفس کی پرابلم سے آپ کبھی اس طرح پریشان نہیں ہوئے۔ ضرور کوئی اور بات ہے اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں صبا سے پوچھوں گی۔"

"اس سے کیا پوچھو گی؟" اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ کی پریشانی کا سبب، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور جانتی ہوگی یا پھر وہی ہے۔" رابعہ کے اپنے دانست قیاس پر وہ ایک لمحہ کو ٹھٹک گیا پھر فوراً سر جھٹک کر بولا۔

"پاگل ہو تم، وہ تو خود اس بات سے پریشان ہو گی کہ اتنے دنوں سے میں نے اسے فون نہیں کیا۔"

"کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ ذہن آفس کے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ ادھر سے اطمینان ہو گا تب اس سے بات کروں گا ورنہ وہ بھی تمہاری طرح الٹے سیدھے قیاس کرنے بیٹھ جائے گی۔" اس نے خوبصورتی سے بات بنائی۔

"یہ تو ہے۔" رابعہ تائید کرتے ہوئے بولی۔ "ویسے وہ آپ کے فون نہ کرنے پر بھی قیاس کر رہی ہو گی اور اس سے پہلے کہ بدگمان ہو آپ اسے اپنی مصروفیات کو داستان بنا کر یقین دلائیں کہ اتنی ٹینشن میں بھی آپ کو اس کا خیال رہتا ہے اور ہاں یہ بھی کہیے گا کہ۔"

"شٹ اپ!" وہ اندر ہی اندر جزبز ہو رہا تھا جب ہی ٹوک دیا۔ تو رابعہ چڑ کر بولی۔

"میں واقعی پاگل ہوں، خواہ مخواہ آپ کا خیال کرتی ہوں۔"

"ہاں بہت خیال کرتی ہو، اس وقت بھی احسان کر دو کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ اس کے چڑنے کا نوٹس نہ لیتے ہوئے بولا۔

"آپ کی مرضی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے رک کر کہنے لگی۔ "ویسے میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ میں نے ڈاکٹر آسیہ سے صباحت کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت لے لی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک دم متوجہ ہوا تھا۔

"مطلب یہ کہ..... خیر چھوڑیں اس وقت آپ تنہائی چاہتے ہیں لہٰذا شب بخیر۔" رابعہ اس پر احسان کرتی ہوئی جانے لگی کہ وہ ایک ہی جست میں دروازے پر آ کر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا بات ہے۔ صباحت کو کہاں لے جانے کی اجازت لی ہے تم نے؟"

"آپ کو کیا" آپ اپنی آفیشل پرابلم حل کرتے رہیں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔" رابعہ نے کورا جواب دیا تو وہ سامنے سے ہٹتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے جاؤ تم۔"

"جاؤں؟" رابعہ نے دروازہ کھول کر اسے یوں دیکھا جیسے وہ اس کی خوشامد کرے گا لیکن وہ بڑے آرام سے اپنے بیڈ پر جا بیٹھا کیونکہ جانتا تھا کہ جو بھی بات ہے کہے بغیر اسے نیند نہیں آئے گی اور واقعی وہ جھنجلاتی ہوئی پلٹ کر اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"کتنے خراب ہیں بھائی آپ، ذرا بھی منتیں نہیں کر سکتے۔ آخر میں نے بھی تو آپ کیلئے ڈاکٹر آسیہ کی اتنی منتیں کی ہیں تب کہیں جا کر انہوں نے ہامی بھری تھی۔"

"کس بات کی؟" اس نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"صباحت کو ہمارے ساتھ بھیجنے کی تاکہ ہم شادی کی شاپنگ اس کی پسند سے کر سکیں اور پتا ہے کل کا دن طے ہوا ہے۔"

رابعہ پروگرام بتاتے ہوئے کچھ پرجوش سی ہو گئی تھی۔ "میں چار بجے اسے لیتی ہوئی طارق روڈ پہنچ جاؤں گی پھر آپ بھی وہیں آ جائیے گا اور ہاں امی کو اس بات کا بالکل پتا نہیں چلنا چاہیے کیونکہ آپ جانتے ہیں وہ ذرا۔"

"ہاں اور اگر ڈاکٹر آسیہ نے امی سے پوچھ لیا تب؟" وہ اس کی بات سمجھ کر بولا۔

"تب کی تب دیکھی جائے گی بلکہ آپ ہی سنبھال لیے گا۔ میرا کام آپ کو صباحت سے ملوانا ہے کیونکہ اس روز آپ ہی کہہ رہے تھے کہ شادی سے پہلے آپ ایک بار اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ کہا تھا ناں آپ نے؟" آخر میں رابعہ نے زور دے کر اس سے تصدیق چاہی۔

"ہوں۔" اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر رابعہ کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا کیونکہ اس کا ذہن ایک بار پھر اس بات میں الجھ گیا تھا کہ اسے اپنا اصل ظاہر کرنا چاہیے یا نہیں۔ ہر دو صورتوں میں اس کے لئے خسارہ ہی خسارہ تھا اور پھر جس خسارے کی تلافی ممکن ہو سکتی ہے وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

❁ ❁ ❁

اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے رابعہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔



"میرا خیال ہے، میں تم دونوں کے ساتھ اچھی نہیں لگوں گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"ان سے پوچھو۔" رابعہ کے اشارے پر اس نے فوراً گردن موڑی اور علی جہانگیر کو دیکھ کر گھبرا کر رابعہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"سرپرائز چلو جاؤ۔" رابعہ نے ہنستے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ دھکیل دیا۔ تو وہ آہستہ سے بولی۔

"تم بھی چلو ناں۔"

"ارے تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے پہلی بار علی بھائی کا سامنا ہوا ہو۔" رابعہ نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا۔ تب ہی علی جہانگیر قریب آ کر بولا۔

"آیئے صباحت اور ہاں رابعہ! تم گھر جاؤ۔ انہیں میں۔"

"نہیں پلیز۔" وہ مزید گھبرا کر فوراً بول پڑی۔

"ڈونٹ وری، تمہاری مما سے میں نے پوچھ لیا تھا۔" رابعہ نے اسے اطمینان دلایا۔ تب وہ اتر کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

علی جہانگیر، رابعہ سے بات کرنے کے بعد ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا پھر سیدھا ہو کر اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

"آیئے۔"

وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔ گو کہ پہلی بار اس کے ساتھ نہیں تھی لیکن کچھ عرصے بعد جس بندھن میں بندھنے والی تھی اس کا حجاب تھا جو اس کی نظریں علی جہانگیر کے قدموں سے اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں اور آس پاس کا تو بالکل ہوش نہیں تھا۔ پتا نہیں کس طرف جا رہا تھا وہ۔ اس نے جان کر بھی کیا کرنا تھا اور پھر جہاں وہ رکا اس کے قدم بھی وہیں جم گئے۔

"بیٹھیں۔" علی جہانگیر نے کہا تب اس نے چونک کر سر اٹھایا اور چاروں اور نظر ڈالتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" علی جہانگیر نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ بڑا محتاط انداز تھا' ہمیشہ سے مختلف۔ نہ لہجے میں شوخی تھی نہ نظروں میں وارفتگی اور براہ راست اسے دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" وہ اس کے بدلے انداز محسوس کرتی ہوئی بولی۔

"کیا لیں گی، چائے یا؟"

"کچھ نہیں۔" اس کے فوراً منع کرنے پر وہ نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ اپنے رویے کا احساس بھی ہو گیا، جب ہی مسکرا کر بولا۔

"کیوں، میرا ساتھ بھی نہیں دیں گی۔ آئی مین میں، چائے پینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پئیں، میں آپ کو تو منع نہیں کر رہی۔" وہ ٹیبل کی چکنی سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی ہوئی بولی۔

"یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ میں چائے پیوں اور آپ ناراض ناراض سی بیٹھی رہیں۔ اب دوست کہہ دیجیے گا کہ آپ ناراض نہیں ہیں۔"

"نہیں ہوں۔"

"میری طرف دیکھ کر کہیں۔" علی جہانگیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ادھر ادھر پھسلتی انگلی کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان جکڑ لیا تو وہ گھبرا کر بولی۔

"کیا کر رہے ہیں، چھوڑیں پلیز۔"

"پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔ کتنا پیار کرتی ہو مجھ سے؟" وہ ایک دم آپ سے تم پر آ کر اسے جانے کس امتحان میں ڈال گیا۔

"پتا نہیں۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"چلو یہ بتا دو، میری خاطر کیا کر سکتی ہو۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" وہ الجھ کر بس ایک نظر اسے دیکھ سکی۔

"میں چاہتا تو نہیں ہوں لیکن چاہوں کہ میری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دو تو چھوڑ دو گی؟" وہ اسے پرکھ رہا تھا۔

وہ کچھ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔

"جواب دو ہاں یا ناں۔" اس نے انگلی کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اصرار کیا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"علی پلیز آپ ایسی باتیں نہیں کریں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ارے۔!" وہ قصداً ہنس پڑا۔ "بے وقوف لڑکی اتم سے مذاق بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ مذاق نہیں کر رہے بلکہ شاید مجھے آزمانا چاہتے ہیں۔ ہے ناں یہ ہی بات۔" اس نے دکھ سے کہا۔

"نہیں نہیں صبا! ایسی بات نہیں ہے۔" وہ عاجز آ کر بولا۔ "بس چھوڑو اس موضوع کو۔ چلو کچھ شاپنگ کر لیں لیکن اپنا موڈ ٹھیک کرو۔"

"ایک بات بتائیں، کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے پیرنٹس میں علیحدگی ہو چکی ہے؟" وہ اس کی بات یکسر نظر انداز کر گئی اور جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔

"ہاں، کیوں؟" وہ جواب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اور شاید اس لیے آپ میری طرف سے یہ یقین چاہتے ہیں کہ کبھی زندگی میں ایسا کوئی موڑ آیا تو۔"

"اوہ صبا! میں ایسا کوئی موڑ نہیں آنے دوں گا۔" وہ کچھ کر فوراً بول پڑا۔ "جو کسی دوراہے پر کھڑے ہو کر تمہارے لیے انتخاب مشکل ہو جائے۔ نہیں، ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔ مجھے تمہارے پیرنٹس کی علیحدگی سے کوئی مطلب نہیں اور نہ میں سبب جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے میرے مذاق کو سنجیدگی سے لیا۔"

وہ سر جھکا کر آنکھوں میں آئی نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔ جانے کیوں دل سہم گیا تھا۔

"صبا! میری طرف دیکھو۔" اس نے بے چین ہو کر پکارا تو وہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں گھر جاؤں گی۔" وہ وہ مجھے بیچ میں کٹتی ہوئی ریستوران سے نکل آئی اور پرس میں سے رومال نکال کر بہت احتیاط سے اپنی آنکھیں صاف کیں پھر اس کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھی کہ وہ آ گیا اور آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گاڑی کے پاس لے آیا۔

"میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔" گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہی وہ اسے مخاطب کیے بغیر کہنے لگا۔ "کیا



نہیں میں نے کہنے میں غلطی کی یا تم نے سمجھنے میں۔ بہر حال کتنی عجیب بات ہے کہ اس موڑ پر بجائے خوش ہونے کے تم مجھ سے خفا کی ہو رہی ہو۔"

"نہیں علی! میں خفا کی نہیں ہوں۔"

"خفا تو ہو؟"

"نہیں۔"

وہ گاڑی سائیڈ میں روک کر اسے دیکھنے لگا تو وہ نروس ہو گئی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں بالکل خفا نہیں ہوں۔ میرا یقین کریں۔"

"ایسے کیسے یقین کر لوں۔ میری طرف دیکھ کر کہو گی تب تو یقین آئے گا۔"

وہ پھر اسی بات پر بضد ہوا تو اس بار اس نے بے اختیار اسے دیکھا تھا بس ایک پل پھر اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

علی جہانگیر نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے سیدھی سڑک پر ڈال دی اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔

"سنو تم کبھی اپنے فادر سے ملی ہو؟"

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

"ملنا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

وہ خاموش رہی تو قدرے توقف سے اپنے آپ کہنے لگا۔

"ویسے میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہو گی بلکہ اگر تم کہو گی تو میں خود تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا۔"

وہ پھر ان سنی کر کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ جانے کیوں اسے الجھن ہونے لگی تھی اور کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ وہ خود اپنے باپ کے بارے میں خواہ کچھ بھی سوچے یا کہے لیکن تیسرے شخص کے منہ سے ہمدردی بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی اور اسے روک بھی نہیں سکتی تھی کہ جانے وہ کیا سمجھے اور وہ اس کے منہ موڑنے سے ہی سمجھ کر خاموش ہو گیا تھا۔



اس کی شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ تیاریوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا اور آسیہ کو کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ سب ہی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کپڑوں کی تیاری میں ممونہ بھابھی، سونیا اور اماں بی تھیں اور باہر کے کاموں میں تنگل اور عمر بھی پیش پیش تھا اور یہ صرف اس کی محبت تھی جواب سب اس کے لیے اپنے ضروری کام بھی بھول گئے تھے۔ ہر شام عدیل بھائی بھی یاسمین اور دونوں بچیوں کے ساتھ آ جاتے تو اور رونق ہو جاتی تھی لیکن اسے جس کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ جس سے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ حالانکہ جانتی تھی کہ ابھی بھی وہ آئے گی تو دل جلانے والی باتیں ہی کرے گی اور شاید وہ اس کی عادی ہو چکی تھی۔ جب ہی صبح شام فون کر کے اس کی منتیں کر رہی تھی اور اس وقت تو رونے بھی لگی تھی۔

"مدحوا کیا تمہیں ذرا بھی مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"یہ کیا بات ہوئی میں آجاؤں تو محبت اور نہ آؤں تو۔ چ چ۔ تم ہمیشہ سے ایسی ہی احمقانہ سوچ رکھتی ہو۔" مدحیہ نے الٹا اسکا مذاق اڑایا۔

"تو تم نہیں آؤ گی۔"

"کیوں نہیں آؤں گی۔ ابھی تو پورا ایک ہفتہ پڑا ہے۔ شکیل ماموں نے دو دن پہلے کی سیٹس کنفرم کروالی ہیں اور ظاہر ہے میں بھی ان ہی کے ساتھ آؤں گی۔"

"کیا ضرورت ہے جب بھی آنے کی۔" اس نے پٹخ کر ریسیور پٹخ دیا اور آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو نبیل پہلے سے موجود تھے، دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"اس بار پھوپھو کی ساری آمدنی ٹیلی فون کے بل میں چلی جائے گی۔ اسے تو خیر احساس نہیں ہے، تم ہی کچھ خیال کرلو۔"

"میں خیال کرلوں، ہمیشہ مجھ ہی سے یہ توقع کیوں کی جاتی ہے اور اسے صرف احساس نہیں ہے، کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی۔ "اسی لیے تو وہ اتنی شیر ہوگئی ہے اور وہی صحیح ہے۔ ٹھیک ہی مجھے احمق کہتی ہے۔ میں ہوں احمق۔"

"صبا۔!" نبیل نے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔ "اتنا غصہ..... میں نے تو یوں ہی ایک بات کی تھی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

نبیل سمجھ گئے۔ اصل میں اسے مدحیہ کا نہ آنا رلا رہا ہے اور وہ کیا کر سکتے تھے؟ ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسے بہت پہلے لے آتے۔ اس کے معاملے میں تو وہ بھی بے بس تھے۔

"مت روؤ، تم جانتی ہو۔ مجھے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ۔" انہوں نے اس کا رخ واش روم کی طرف موڑ دیا تھا۔

پھر رات میں ڈھولک کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ پہلے بچے اور جب اباجی اور خلیل بھائی تنگ آنے لگے تو سب اوپر آگئے تھے۔ وہ ثمرہ اور روبی کے بہت اصرار پر سب کے ساتھ آکر بیٹھی تھی کہ عمر آ دھمکا کر بولا۔

"ہائے صبا! تم چلی جاؤ تو میرا کیا ہوگا؟ میں بہت روؤں گا ایمان سے۔"

اور اس کا تو یوں بھی آج کل ذرا ذرا سی بات پر دل بھر آتا تھا۔ اس روانی سے آنسو چھلکے اور ایسی ہچکی بندھی کہ سب چپ کراتے کراتے تھک گئے، ساتھ ساتھ عمر کو بھی لتاڑ رہے تھے کہ اس نے کیوں ایسی بات کی۔

"تم لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ رہے ہو اور اسے بھی چپ کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جی بھر کر رونے دو اسے، اچھا ہے سارے آنسو یہیں بہا لے، آگے بہت خوش رہے گی۔" عمر سب کی سن سن کر آخر بول پڑا۔

"خوش تو انشاء اللہ رہے گی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ۔" سونیا پھر شروع ہونے لگی تھی کہ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"بس خدا کے لئے یہ لعنت ملامت کا سلسلہ ختم کریں اور ڈھولک سنبھالیں۔"

"ایک تو مدحو پتا نہیں کب آئے گی، سب سے اچھی ڈھولک وہی بجاتی ہے۔" ثوبیہ نے ڈھولک اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا تو وہ رونے کے درمیان چل کر بولی۔

"نہیں آئے گی وہ۔"



"کیا مطلب، مدحو شادی میں نہیں آئے گی۔" ثمرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

وہ سر جھٹک کر رہ گئی تو ثمرہ کے ساتھ روبی بھی نبیل کی طرف گھوم کر ان سے پوچھنے لگی

"سچ نبیل بھائی! مدحو نہیں آئے گی؟"

"آئے گی کیوں نہیں۔ اس کے بغیر بھلا شادی ہو سکتی ہے۔" نبیل نے صباحت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ویسے اب تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔ کوئی سالگرہ تو نہیں ہے جواب نہیں تو اگلی بار سہی۔ شادی ہے جو زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ کیوں نبیل بھائی؟" عمر نے کہہ کر نبیل سے تصدیق چاہی تو وہ ان سنی کر کے اٹھتے ہوئے بولے۔

"میرا خیال ہے۔ سونا چاہیے چلو تم لوگ بھی اٹھو، بہت رات ہوگئی ہے۔"

"ہائے نہیں نبیل بھائی! ابھی ہم ڈھولک بجائیں گے۔" روبی نے لجاجت سے کہا۔

"کل بکل بجالینا، چلو اٹھو۔" نبیل نے سب کو اٹھایا، آخر میں صباحت کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر آئے تھے۔

پھر اگلے دن سے وہ سب کے بلانے پر بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔ رات دیر تک ڈھولک کے ساتھ ہنسی مذاق کی آوازیں اسے سونے نہیں دیتی تھیں اور یہ نہیں تھا کہ اسے کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ متضاد کیفیات میں گھر کر اس کا دل کچھ سہم سا گیا تھا۔ جتنی کبھی پالینے کی خوشی تھی اس گھر سے جانے کا غم، کبھی مدحیہ پر غصہ اور زیادہ یہ کہ اس کے جانے کے بعد آسیہ اکیلی ہو جائے گی۔ ان ساری باتوں کی وجہ سے وہ الگ تھلگ پڑی جانے کیا کچھ سوچتی رہتی اور مدحیہ پر تو اسے غصہ تھا کہ اپنے کہنے کے مطابق جب وہ دو دن پہلے آئی تو اسے دیکھتے ہی اس نے منہ موڑ لیا جس پر مدحیہ بجائے اسے منانے کے الٹا ناراض ہو کر بولی۔

"اسی لیے بلا رہی تھیں تم مجھے کہ میں تمہارے نخرے اٹھاؤں، خوشامدیں کروں۔ مجھ سے ایسی توقع مت رکھو۔"

"پاگل ہوں میں جو تم سے کوئی توقع رکھوں گی۔ جانتی نہیں ہوں کیا میں تمہیں؟ اور تم نے کیوں زحمت کی آنے کی تمہارے بغیر۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا تھا میرے بغیر" مدحیہ فوراً ٹوک گئی۔ "تم سے تین بار ہاں میں ہی کہلواؤں گی۔"

"ہونہہ!" اس نے سر جھٹک کر منہ موڑا تو مدحیہ نے لپک کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا ہونہہ، میرے بغیر کرتیں شادی؟ بتاؤ، میں تمہیں، ہم سے لڑا ہوں گی اور کیا نام ہے اس کا علی جہانگیر کو بھی سمجھیں۔"

"اف ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔" وہ اس کے ہاتھ سے اپنی گردن چھڑاتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے منہ موڑو گی تو ایسے ہی کروں گی۔" مدحیہ ہنستی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

"بہت بری ہو تم۔" اس کا سارا غصہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔

✿.....✿.....✿

"شاہ! مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔" مہر النساء بہت جھنجھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

شاہ سکندر نے پہلے الماس کو کمرے سے جانے کا اشارہ کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے

"ہاں، کیا برداشت نہیں ہو رہا؟"

اس لڑکی کے سواگت کے لئے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے؟ آپ دیکھ نہیں رہے۔ بابا جان نے سب کو اسی کام

سے انکار کیا ہے۔ یوں جیسے کہیں کہ مہارانی آنے والی ہو۔ حویلی میں پہلی شادی تو نہیں ہے یہ اور نہ ہی پہلی بہو آرہی ہے۔ اس سے پہلے یونس بھائی بھائی کے بیٹے کی شادی ہوئی تو اس کی دلہن کے لئے تو اتنے اہتمام نہیں کیے گئے تھے۔"

"یہاں معاملہ ذرا دوسرا ہے مہر النساء! اور دل کا بھی۔ یعنی بابا جان کے سب سے چہیتے پوتے کی شادی ہے اور آنے والی صرف بہو ہی نہیں بیٹی بھی ہے۔ یعنی بابا جان اسی کی تلافی کر رہے ہیں۔" شاہ سکندر نے سمجھاتے ہوئے دھیرج سے کہا۔

"ہونہہ تلافی، بابا جان کر رہے ہیں اور آپ کیا کریں گے؟" مہر النساء کے لہجے میں تمسخر کے ساتھ طنز بھی سمٹ آیا تھا۔

"دیکھو مہر النساء! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم اس بچی کے لئے دل میں بغض مت رکھو۔ اس کے آنے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ زیادہ دن یہاں نہیں رہے گی۔ علی اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"ابھی کیوں نہیں، یہ سارے انتظام وہیں شہر میں ہوتے۔ یہاں لانے کی ضرورت کیا ہے؟"

"بس بابا جان کا شوق ہے۔"

"شوق نہیں شاہ! وہ مجھے اذیت دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے۔ بابا جان نے ہمیشہ تمہیں اہمیت دی ہے۔ کبھی تمہاری حق تلفی نہیں ہونے دی، یہاں تک کہ تمہاری بدتمیزیوں کو بھی برداشت کیا ہے انہوں نے اور تم ان کی اتنی سی خوشی برداشت نہیں کر پا رہیں یاد رکھو بابا جان ایک حد تک ہی ڈھیل دیتے ہیں۔" شاہ سکندر حتی الامکان ضبط کر رہے تھے پھر بھی آخر میں متنبہ کر گئے۔

"کیا کریں گے وہ 'نکال باہر کریں گے مجھے حویلی سے' نہیں شاہ! اب یہ ممکن نہیں ہے' میری اولاد جوان ہو چکی ہے اور آپ یہ سن لیں کہ آغا بھی اس لڑکی کے یہاں آنے کے حق میں نہیں ہے۔" مہر النساء نے جواباً انہیں خبردار کیا تو ان کی پیشانی پر بے شمار لکیریں کھنچ گئیں۔

"آغا، کیا کہتا ہے وہ؟"

"یہی کہ کسی رکھیل کی اولاد ان کی برابری نہیں کر سکتی۔" مہر النساء نے اس بار کچھ آرام سے کہہ کر بے نیازی دکھائی تو وہ بری طرح سلگ کر بولے تھے۔

"وہ رکھیل کی اولاد ہے اور آغا، آغا کس کی اولاد ہے؟"

"میری۔" مہر النساء نے گردن اکڑا لی تھی۔

"ہاں صرف تمہاری۔" ان کا وار کاری تھا۔

مہر النساء چیخ پڑی "کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"جو چاہے سمجھو۔" شاہ سکندر سر جھٹک کر جانے لگے کہ مہر النساء ان کے سامنے آ گئی۔

"ایک بات بتائیں شاہ! وہ ڈاکٹرنی اپنا حشر بھول گئی جو بیٹی کو یہاں بھیج رہی ہے۔"

"وہ نہیں بھیج رہی' ہم لا رہے ہیں۔" شاہ سکندر بے اختیار کہہ گئے۔

"بات تو ایک ہی ہے۔ وہ بھیجے یا آپ لائیں اس نے اعتبار کیسے کیا یا آپ نے کوئی بھاری ضمانت دی ہے، زمین جائیداد یا اپنا آپ۔" مہر النساء طنز کے ساتھ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"تم ان باتوں میں کیوں الجھ رہی ہو مہر النساء! اب میں کہہ چکا ہوں کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا تو میرا یقین کرلو۔" شاہ سکندر نے نرمی سے کہہ کر اسے سامنے سے ہٹایا اور کمرے سے نکل گئے۔





صبح سے ایک افراتفری مچی تھی۔ حالانکہ سارا دن پڑا تھا لیکن ناشتے کے بعد سے ہی سب کو اپنی اپنی تیاری کی فکر ہو گئی تھی۔ مدیحہ کے لیے آسیہ نے بہت چاؤ سے مہندی کلر کا کرتا اور تنگ پاجامہ بنایا تھا۔ جسے اب وہ رجیکٹ کیے کھڑی تھی۔

"آخر کیا خرابی ہے اس میں؟" صباحت نے اس کے سوٹ کے ساتھ کا جھلملاتا دوپٹہ بیڈ پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"بس مجھے نہیں اچھا لگ رہا مما کو اور کوئی کلر نہیں ملا تھا اور یہ تنگ پاجامہ تمہیں پتا ہے مجھے کتنا برا لگتا ہے۔" مدیحہ نے بیڈ پر پھیلا دوپٹہ کھینچ کر اس کا گولہ سا بنا کر اچھال دیا۔

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنی ایمرجنسی میں تو کوئی تمہیں تمہاری پسند کے کپڑے سی کر نہیں دے گا۔ اسی لیے میں تمہیں جلدی بلا رہی تھی تاکہ سہولت سے اپنی تیاری کر سکو، لیکن تمہیں تو سب کیا کرایا ملنا چاہیے۔ اب پہنو بھی۔"

"ہرگز نہیں' یہ تم اپنے جہیز میں رکھ دو، چار دن بعد تمہاری نند کی مہندی ہو گی تو اس میں پہن لینا۔" مدیحہ نے منہ پھلا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"فی الحال تو تم اسے میری مہندی میں پہنو۔ چار دن بعد میں پہن لوں گی۔"

"بس تم ہی پہننا۔ مجھے کوئی اور انتظام کر کے دو ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔" مدیحہ کی ہٹ دھرمی پر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یا اللہ کیا چیز ہو تم، اتنے کم وقت میں کہاں سے انتظام کر کے دوں؟ پیچھے سب لوگ تیار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اچھا ایسا کرو۔ ریڈی میڈ لے آؤ لیکن جاؤ گی کس کے ساتھ؟" صباحت مشورہ دے کر خود ہی الجھن میں پڑ گئی۔

مدیحہ یوں بیٹھی رہی جیسے یہ سرے سے اس کا مسئلہ ہی نہ ہو۔

"عمر سے کہو لے جائے تمہیں، یہیں حیدری مارکیٹ سے جیسا سوٹ چاہو گی مل جائے گا۔" صباحت مصلحتاً اس کے رویے کو نظر انداز کر رہی تھی۔

"ہاں، پیسے تمہارا باپ دے گا۔"

"باپ کو چھوڑو۔ میں دے رہی ہوں اپنی ساری جمع پونجی۔" صباحت نے ہنستے ہوئے وارڈروب کھولی تو مدیحہ فوراً بولی۔

"چار پانچ سو کا سوٹ میں نہیں لوں گی۔"

صباحت کچھ نہیں بولی۔ آرام سے کپڑوں کی تہوں میں سے پیسے نکال کر گنے پھر پلٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھتی ہوئی بولی۔

"لو پورے ڈھائی ہزار ہیں۔ زبردست سوٹ آئے گا اور دیکھو عمر نہ مانے تو ثوبیہ کو لے جانا۔"

"اور اگر وہ بھی نہ مانی تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔"

مدیحہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو اس نے یوں سر ہلایا جیسے وہ اسے کبھی نہیں سمجھا سکتی پھر اس کے وہ کپڑے جو وہ پھینک کر گئی تھی۔ احتیاط سے تہ کر کے الماری میں رکھے اس کے بعد بچے کی افراتفری دیکھنے کے خیال

سے ذرا سی کھڑکی کھولی تھی کہ ادھر سے شور کی آواز پر فوراً کھڑکی بند کر کے دروازے میں آئی تو مدیحہ کو سونیا اور عمر کے سہارے آتے دیکھ کر چیخ پڑی۔

"کیا ہوا مدحو؟"

"کچھ نہیں ہوا، ہٹو سامنے سے۔" عمر نے قدرے تیز ہو کر کہا۔

مدیحہ کے منہ سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بہت تکلیف میں ہو۔

وہ سینے پر ہاتھ رکھے ایک طرف ہٹ کر دیکھنے لگی۔ جب سونیا نے آرام سے مدیحہ کو بیڈ پر لٹا دیا تب وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور قریب بیٹھ کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"کیا ہوا مدحو؟"

"سیڑھیوں سے پھسل گئی ہیں محترمہ، پیر میں موچ آ گئی ہے۔ پھوپھو کہاں ہیں؟" عمر نے بتا کر پوچھا تو سونیا جلدی سے بولی۔

"پھوپھو نیچے ہی ہیں، جاؤ بلا لاؤ۔"

عمر چلا گیا تو وہ اٹھ کر مدیحہ کا پیر دیکھنے لگی پھر آہستہ سے انگلی سے چھوا تو وہ چیخ پڑی۔

"ہاتھ نہیں لگانا۔"

وہ اچھل کر پیچھے ہٹی تو سونیا نے اسے تھام لیا۔

"تم بیٹھو آرام سے، پھوپھو آ کر دیکھ لیں گی۔"

"ان کے دیکھنے سے کیا اسے تکلیف نہیں ہوگی اور تمہیں ضرورت کیا تھی سیڑھیاں پھلانگنے کی۔ آرام سے نہیں اتر سکتی تھیں؟" وہ روہانسی ہو کر مدیحہ پر بگڑنے لگی۔

"اف وہ میں نے کہا ناں۔ تم ادھر بیٹھو۔" سونیا اسے کھینچ کر دوسری طرف لے آئی۔

کچھ دیر بعد آسیہ آئی تو مدیحہ کی موچ چیک کرنے سے بینڈیج تک اس نے سکون اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد وہ بھی اسے سخت سست کہنے سے باز نہیں رہ سکی تھی۔

مدیحہ آنکھوں پر بازو رکھے چپ چاپ سنتی رہی۔ آخر صباحت کو اس پر رحم آ گیا۔

"بس کریں ممّا! اب بیچاری جان بوجھ کر تو نہیں گری۔"

آسیہ نے ذرا سا سر جھٹکا پھر گھڑی دیکھ کر سونیا کو جلدی تیار ہونے کا کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو مدیحہ آنکھوں سے بازو ہٹا کر روتی آواز میں بولی۔

"سونیا جی! میں کیسے جاؤں گی؟"

"تم کہاں جا سکتی ہو؟ بس آرام کرو اور دیکھو پیر کو زیادہ ہلانا جلانا نہیں ورنہ شادی کے دن بھی ایسے ہی پڑی رہو گی۔" سونیا نے دھیرج سے تنبیہہ بھی کی تو وہ خفگی سے بولی۔

"اس سے تو اچھا تھا۔ میں آتی ہی نا۔"

"ارے نہیں زیادہ چوٹ نہیں ہے۔ صبح تک انشاء اللہ سوجن اتر جائے گی پھر تم چل سکو گی۔" سونیا نے اسے تسلی دی پھر صباحت کو اس کا خیال رکھنے کا کہتی ہوئی چلی گئی۔

"چلو میں بور ہونے سے بچ گئی۔" صباحت نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تاکہ اسے ملال نہ ہو پھر مزید اس کا دھیان بٹانے کی خاطر ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں تو کچھ دیر میں واقعی وہ بہل گئی تھی۔



پھر اگلے روز مدیحہ کے پیر کی سوجن تو اتر گئی لیکن چلنے میں اسے کچھ تکلیف ہو رہی تھی جس سے آسیہ نے اسے مزید آرام کرنے کا کہہ دیا تاکہ اگلے دن تک وہ بالکل ٹھیک ہو کر بارات کا استقبال کر سکے اور اسے بھی لنگڑا کر چلنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے اس نے بلاچوں وچرا آسیہ کی بات مان لی اور جب صباحت کو مہندی کی رسم کے لیے نیچے لے جایا گیا تب بھی وہ آرام سے لیٹی رہی۔ نیچے سے گانے اور ڈھولک کی آوازیں اوپر تک آ رہی تھیں۔ کسی وقت وہ کان لگا کر سننے لگتی پھر اچانک ذہن کہیں اور بھٹک جاتا۔ صباحت کے جانے کا خیال آیا تو پھر وہ اس نہج پر سوچنے لگی کہ اب بس وہ یہاں ایک ہی رات کی مہمان ہے اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے نئے سفر پر روانہ ہو جائے گی۔

کتنی عجیب بات ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے ہم سفر کو نہیں دیکھا۔ وہ دروازے پر دستک کی آواز سے چونک کر ادھر دیکھتی ہوئی بولی۔

"کون ہے؟ آ جاؤ۔"

دروازہ کھلنے کے ساتھ نبیل اندر آتے ہوئے بولے۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"میری طبیعت خراب کب تھی؟" اس نے یوں ہی لیٹے لیٹے کہا، یعنی ذرا سا سر اونچا کرنے کی زحمت بھی نہیں کی تو نبیل قدرے تحمل سے ہو کر بولے۔

"وہ میرا مطلب ہے تمہارا پیر؟"

"ہاں چلنے میں کچھ تکلیف ہو رہی ہے۔"

"کہو تو میں تمہیں نیچے چھوڑ آؤں۔" نبیل نے اس کا خیال کر کے کہا۔

"آپ، نہیں نہیں۔ صبا کے سسرال والے سمجھیں گے اس کے دونوں بہن بھائی لنگ۔" اس نے اپنی زبان تالو کے ساتھ چپکا لی تو ایک پل میں ضبط کی جانے کن منزلوں سے گزر کر نبیل اس کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں کہیں ایسا نہ ہو وہ صبا میں بھی کوئی عیب تلاش کرنے بیٹھ جائیں۔"

وہ اس جواب پر کچھ حیران ہوئی لیکن بولی کچھ نہیں۔ تو قدرے توقف سے نبیل پوچھنے لگے۔

"تم نے کیا مستقل اسلام آباد رہنے کا سوچ لیا ہے؟"

"نہیں۔ گریجویشن کے بعد دیکھیں کیا کرتی ہوں۔" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"تمہیں پھوپھو کا خیال کرنا چاہیے۔ صبا کے جانے سے وہ اکیلی ہو جائیں گی۔"

"آپ بھی تو ہیں، آپ کیوں نہیں خیال کر لیتے؟"

"میں؟" انہوں نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"کیوں آپ کا فرض نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

"اگر سمجھتے ہیں تو شادی کر کے ممّا کو ابھی سی بہو لا دیجئے۔"

"اچھی سی۔" وہ ذرا سا ہنسے۔ "مجھ سے تو کوئی عام سی بھی شادی پر آمادہ نہیں ہوگی۔"

"کیوں؟" اس نے پہلے بے دھیانی میں کہا پھر خود ہی چور سی بن گئی۔ غالباً اپنی کہی بات یاد آ گئی تھی اور نبیل جو اس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ مسکراتے ہوئے وہیں سے پلٹ گئے۔

❀ ❀ ❀

پانچ بجے آسیہ خود صباحت اور مدیحہ کو بیوٹی پارلر چھوڑ آئی تھی۔ اس کے بعد انہیں لانے کی ذمہ داری نبیل اور سیما بھابھی کو سونپ کر وہ اس طرف سے مطمئن ہو گئی تھی۔

پھر سات بجے کے قریب وہ سب کے ساتھ میرج ہال پہنچ گئی۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تو وہ کچھ دیر میمونہ بھابھی، خلیل بھائی اور شکیل بھائی کے ساتھ گیٹ پر کھڑی ہوئی تھی پھر اندر چلی آئی اور لڑکیوں کو بارات کے استقبال کے لیے گیٹ پر جانے کا کہہ کر اماں جی کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

"بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے اماں جی۔"

"تھکن سے، صبح سے دیکھ رہی ہوں ایک ایک کے ساتھ مغز ماری کر رہی ہو اور یہ لڑکیاں نہیں آئیں ابھی تک؟" اماں جی نے اس کے قدرے ستے ہوئے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آتی ہوں گی بلکہ وہ آ رہی ہیں۔" وہ مووی کیمرے کی تیز روشنی میں صباحت کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ایک طرف سیما بھابھی اور دوسری طرف مدیحہ تھی جو صباحت سے زیادہ اپنا شرارہ سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔

آسیہ ان کے پیچھے ڈریسنگ روم میں آئی اور دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔

"مدیحہ بیٹا! تم سونیا وغیرہ کے پاس جاؤ۔ بارات آنے والی ہو گی۔"

"جب آئے گی چلی جاؤں گی۔" مدیحہ لاپروائی سے کہہ کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

"بھابھی! آپ یہاں بیٹھیں گی یا میمونہ بھابھی کو بھیج دوں؟" اس نے صباحت کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے سیما بھابھی سے پوچھا۔

"نہیں میں ہوں یہاں، تم البتہ باہر جاؤ۔ میرا خیال ہے بارات آ گئی ہے۔ شور ہو رہا ہے۔"

سیما بھابھی نے دروازے کی طرف کان لگاتے ہوئے کہا۔ تو وہ بہت عجلت میں مدیحہ کو ساتھ آنے کا کہتی ہوئی ڈریسنگ روم سے نکل کر گیٹ کی طرف آئی تو سب سے پہلے عارفہ بیگم سے سامنا ہو گیا۔ ان سے مل کر اس نے دوسری خواتین کی طرف بڑھنا چاہا لیکن عارفہ بیگم نے بڑی خوبصورتی سے اسے باتوں میں لگا کر اپنے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا تھا پھر کچھ دیر وہ ان کے ساتھ بیٹھی۔ جب نکاح کے لیے شکیل بھائی اور خلیل بھائی کو ڈریسنگ روم کی طرف جاتے دیکھا تب عارفہ بیگم سے معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور پہلے میمونہ بھابھی کے پاس رک کر ان سے اس پیکٹ کی بابت پوچھا جس میں دولہا کے لیے گھڑی، قلم اور انگوٹھی وغیرہ تھی اور ان کے بتانے پر عمر کو بلا کر گاڑی میں سے وہ پیکٹ نکال لانے کو کہا پھر ڈریسنگ روم کی طرف آئی تو دروازے ہی میں رک گئی کیونکہ ایک تو اندر جگہ کم تھی دوسرے اچانک دل سہم سا گیا تھا۔ غالباً اس تمام عرصے میں اب یہ خیال آیا تھا کہ وہ جو سب سے زیادہ اس کی اپنی تھی وہ پرائی ہو رہی ہے اور اس خیال نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔ جس سے سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا اور ابھی یہ دھند چھٹی نہیں تھی کہ سماعتوں میں اتر کر نکاح خواں کی آواز ذہن کے کسی بند دریچے پر جا لگی تھی۔

"شاہ علی جہانگیر ولد شاہ جہانگیر حیات کے ساتھ تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟"

"نہیں۔" آسیہ نے پورا زور لگا کر چیخنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے اسے بڑی زور کا چکر آیا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کا ہاتھ دروازے پر یوں لگا کہ شکیل بھائی نے چونک کر دیکھا اور فوراً بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"حوصلہ بیٹا! حوصلہ۔"

وہ ساری توانائیاں صرف کر کے بھی حلق سے کوئی آواز نہیں نکال سکی۔ البتہ آنکھیں لبالب بھر گئی تھیں اور



بہت ملتجی انداز میں نفی میں سر ہلایا تو شکیل بھائی اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے ڈریسنگ روم سے باہر لے آئے اور دونوں بازوؤں کے حلقے میں لیا تو اس کا پورا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔

معاً سارے میں مبارک سلامت کی آوازیں گونجنے لگیں پھر قریب سے گزرتے خلیل بھائی کی آواز آئی۔

"اچھا نہیں ہوا۔"

"اتنا بڑا دھوکا!" سیما بھابھی، میاں سے کہہ رہی تھیں۔

"بس خاموش رہو۔" شکیل بھائی نے انہیں ٹوکا تب وہ پورا زور لگا کر ان کے بازوؤں سے نکل کر بولی۔

"میں خاموش نہیں رہوں گی، ہرگز نہیں۔ جا کر کہہ دیں سب سے، جس طرح آئے ہیں اسی طرح لوٹ جائیں ورنہ میں۔"

"آسیہ! آسیہ بیٹا! ہوش سے کام لو۔" شکیل بھائی ٹوک کر بولے۔

"ابھی تو ہوش میں آئی ہوں بھائی۔" وہ رو پڑی۔

"مما! مما کیا ہوا؟" مدیحہ بھاگ کر اس کے پاس آئی تھی کہ اسی پل فائرنگ کی آواز سے پوری فضا گونج اٹھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ماموں جی؟" مدیحہ نے سہم کر شکیل کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولے۔

"خوشی کا اظہار ہو رہا ہے۔"

"او گاڈ! میں دیکھوں۔" مدیحہ بھاگتی ہوئی لان میں اتر گئی۔

"ان کی خوشی کبھی پوری نہیں ہو گی بھابھی۔" آسیہ نے روتے ہوئے کہا۔ تب ہی عارفہ بیگم آ گئیں اور فاتحانہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولیں۔

"مبارک ہو، کہاں ہے دلہن؟ باہر لے آئیں اسے۔"

آسیہ بمشکل خود پر ضبط کرنے کے بعد بولی۔

"مجھے افسوس ہے، آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں، جا کر کہہ دیجئے اپنے خسر نامدار سے کہ وہ آسیہ صلاح الدین کے سامنے ناک بھی رگڑیں گے تب بھی وہ اپنی بیٹی نہیں دے گی۔"

"بیٹی تو ہماری ہو گی ڈاکٹر صاحبہ! اب نہ دینے کا کیا سوال؟" عارفہ بیگم نے اس کے کندھے سے پیچھے ڈریسنگ روم کے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو آسیہ نے جلدی سے کھینچ کر دروازہ بند کر دیا اور اس کے ساتھ ٹک کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے کوئی اندر جانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

"امی... وہ...." رابعہ بھاگی ہوئی آئی تھی۔ اور جانے کیا کہنا چاہتی تھی کہ آسیہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی پھر آنکھوں سے عارفہ بیگم کو کچھ اشارہ کیا تو وہ واپس پلٹتی ہوئی بولیں۔

"میں مردوں سے بات کرتی ہوں دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔"

"ہونہہ!" آسیہ نے تنفر سے سر جھٹکا پھر ذرا سا دروازہ کھول کر سر اندر کر کے صباحت سے بولی۔

"صبا! بیٹا! دروازہ اندر سے بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں نہیں کھولنا۔"

"کیوں مما!" صباحت کو کسی گڑبڑ کا احساس پریشان کر رہا تھا۔

"بس بیٹا! تم دروازہ بند کر لو۔" اس نے جلدی سے کہہ کر دروازہ اپنی طرف کھینچا پھر کسی سوچ میں کھڑے

شکیل بھائی کا بازو تھام کر بولی۔

"چلیں بھائی! مہمانوں کو رخصت کریں۔"

شکیل بھائی نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہری سانس کھینچ کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"کچھ نہیں کہیے گا بھائی۔ صبا میری دہلیز پر سسک سسک کر مر جائے مجھے یہ گوارا ہے لیکن شاہ پور کے کسی رئیس کی گالی نہیں بننے دوں گی اسے۔"

شکیل بھائی نے ہونٹ بھینچ کر ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چل پڑے۔ ابھی وہ دونوں لان میں اترے تھے کہ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے فضا گونج گئی اس کے ساتھ ہی آگے پیچھے کئی گاڑیاں گیٹ پر آن رکیں اور ایک ساتھ سب کے دروازے کھلنے لگے۔

شکیل بھائی اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

وہ قدرے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بارات کے ساتھ آئے مہمان اٹھ کر باہر جا رہے تھے۔ جس سے وہ اطمینان سے ہو کر اباجی کی طرف بڑھی تھی کہ دو لمبے چوڑے جوان رائفلیں لیے ہوئے اس کے سامنے آ گئے۔

"دلہن کہاں ہے؟"

"شٹ اپ۔" وہ زور سے چیخی تو اس کی آواز سن کر مدیحہ بھاگتی ہوئی آ گئی۔ اور اس پر اتنی رائفلیں دیکھ کر سہم کر بولی۔

"ان سے بات نہیں کریں مما! یہ ڈاکو ہیں۔"

"تیمور بھائی یہی ہے دلہن۔" عقب سے رابعہ نے اونچی آواز میں کہا۔ تو ان میں سے ایک نے فوراً بڑھ کر مدیحہ کی کلائی تھام لی اور اس سے پہلے کہ آسیہ کچھ سمجھتی اس نے جھٹکے سے مدیحہ کو کھینچ کر اس کے منہ پر رومال رکھ دیا اور فوراً کندھے پر لاد کر گیٹ پار کر گیا۔

"مدحو!" آسیہ ایک دم حواس باختہ ہو کر چیخی۔ اباجی! بھائی روکیں انہیں۔"

"آسیہ! آسیہ ہوش کرو۔" عدیل بھائی نے بھاگ کر اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑا تو وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

اتنی افراتفری میں کوئی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ شکیل بھائی اپنے مہمانوں سے معذرت کر کے انہیں رخصت کر رہے تھے۔

شکیل بھائی ابھی بھی مصلحت کا دامن تھامے ہوئے تھے اور اس دھوکا دہی پر بجائے علی جہانگیر پر برہم ہونے کے بہت ضبط سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ اب صباحت آپ کی امانت ہے لیکن اس وقت رخصتی ممکن نہیں ہے، اس کے لیے آپ کو مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔" پھر وہ علی جہانگیر کے ساتھ اس کی گاڑی تک گئے تھے اور جب واپس آئے تو عدیل کے بازوؤں میں جھولتی آسیہ کو دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگے۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں بھائی! میں تو اس کی چیخ سن کر۔" اباجی کے آنے سے عدیل کی بات ادھوری رہ گئی۔

"چلو بیٹا اب جو بھی طے کرنا ہے، گھر چل کر کرو۔" اباجی نے کہا۔

"جی اباجی! آپ اماں جی اور بچیوں کو لے کر چلیں۔ ہم بھی آ رہے ہیں۔"



شکیل بھائی کہتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے آسیہ کے سامنے کھڑے ہوئے تاکہ اباجی کی اس پر نظر نہ پڑے۔



دستک کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا پھر قریب جا کر آہستہ آواز میں پوچھا۔

"کون؟"

"میں ہوں نبیل دروازہ کھولو بیٹا۔" نبیل کی آواز سن کر اس نے کچھ دیر سوچا پھر دروازے کا لاک کھول کر اس طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ نبیل اندر داخل ہوئے اور اسے اکیلے دیکھ کر پوچھا۔

"اور کوئی نہیں ہے یہاں۔"

وہ ایک دم پلٹ کر ان کے بازو سے لگ گئی۔

"نبیل بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' مما کہاں ہیں اور یہ اتنی گولیاں کیوں چل رہی تھیں کیا کوئی؟"

"کچھ نہیں ہوا، چلو میرے ساتھ۔" نبیل نے ٹوک کر کہا۔

"کہاں؟"

"یہ سامان تمہارا ہے، یہ بھی لے لو۔" نبیل اس کا کہاں نظر انداز کر گئے۔

"لیکن مما نے تو کہا تھا۔ میں ان کے علاوہ کسی کی۔"

"اوہو! تم چلو تو۔" نبیل قصداً جھنجھلائے پھر خود ہی پیکٹ اور جیولری بکس اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بولے "فی الحال کوئی سوال مت کرو کیونکہ میں جواب نہیں دوں گا بس اتنا سن لو کہ ہم گھر جا رہے ہیں۔"

اس کے ہونٹ ذرا سے نیم وا ہوئے لیکن کچھ بول نہیں سکی۔ اس لیے نہیں کہ نبیل نے منع کیا تھا بلکہ جھجک گئی تھی۔ پھر سر جھکا کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

ڈرائنگ روم سے باہر اب ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر الجھنے لگی لیکن سر اونچا کر کے ادھر ادھر نہیں دیکھا اور اسی طرح گاڑی میں بیٹھ گئی جب نبیل اس کے برابر بیٹھے تب اس سے مزید صبر نہیں ہو سکا۔ ان کی طرف دیکھ کر عاجزی سے بولی۔

"سچ بتائیں نبیل بھائی! گھر میں سب ٹھیک ہیں ناں۔"

نبیل نے ذرا سا اثبات میں سر ہلایا پھر ایک بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا یوں جیسے چھوٹی سی سہمی ہوئی بچی کو سہارا دیا جائے اور وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی مزید عروسی جوڑے نے اسے پابند کر دیا تھا جو گھر میں داخل ہو کر وہ کسی سے فوراً کوئی سوال نہیں کر سکی اور سیدھی اوپر چلی آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ بھاگتے قدموں کی آواز سن کر رک کر انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد سونیا آ گئی۔

"میں نے سوچا تمہاری مدد کر دوں۔" سونیا نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تو اس نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"سونیا آپی! کیا ہوا ہے، اتنی خاموشی کیوں ہے، مما اور مدحو کہاں ہے؟"

"نیچے ہیں سب، چلو تم پہلے کپڑے تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھو لو۔" سونیا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دوپٹے میں سے پنیں نکالنے لگی۔ اس کے بعد زیور اتار کر الماری میں رکھنے کے ساتھ اس کے لیے ایک سوٹ بھی نکال لیا۔ اور اسے تھما کر بولی۔

"تو یہ سمن لو اور ہاں بھوک لگی ہو تو بتاؤ میں کچھ کھانے کو لے آتی ہوں۔"

"نہیں بھوک نہیں ہے۔" وہ کہتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد نکلی تو سونیا کو موجود نہ پا کر وہ روہانسی ہو گئی۔ دل چاہا چیخ چیخ کر سب کو پکارے اور پوچھے کہ اسے اتنا بے خبر کیوں رکھا جا رہا ہے۔ ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو اس سے چھپائی جا رہی ہے؟

"میرے خدا! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" بہت بے دلی سے اس نے عروسی شرارہ بیڈ پر پھینکا اور خود بھی ڈھے گئی تو ایک دم سے اسے علی جہانگیر کا خیال آیا۔

"علی۔ علی جہانگیر تو ٹھیک ہیں ناں؟" وہ فوراً اٹھی تھی کہ سونیا ٹرے میں چائے کے ساتھ سنیکس وغیرہ لے کر آ گئی۔

"میں نے سوچا تم جب تک چینج کرو گی میں چائے بنا لوں گی۔" سونیا نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی پھر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں جانتی ہوں تم بہت الجھ رہی ہو اور پریشان بھی ہو۔"

"سونیا آپی پلیز۔" وہ ٹوک کر بولی "جو بھی کہنا ہے سیدھے صاف لفظوں میں کہہ دیں میں سب سن لوں گی۔"

"سن تو لو گی لیکن خیر اصل بات یہ ہے کہ پھوپھو تمہاری شادی علی جہانگیر کے ساتھ نہیں کرنا چاہتیں۔" سونیا نے جیسے ایک دم بتانے کا فیصلہ کر کے یوں کہا جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

"کیوں؟ میرا مطلب ہے۔" اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" سونیا فوراً بولی۔ "وہ جو علی جہانگیر ہے ناں وہ شاہ سکندر کا بھتیجا ہے اور یہ بات انہوں نے پہلے سے نہیں بتائی تھی ورنہ پھوپھو پہلے ہی انکار کر دیتیں، یعنی اپنی اصلیت چھپا کر وہ تمہیں حاصل کرنا چاہ رہے تھے دھوکے سے۔"

"دھوکے سے۔" اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی لگی تھی۔

"ہاں تو یہ دھوکا نہیں ہے؟" سونیا چائے کا کپ لیتی ہوئی بولی۔

وہ اچانک گم صم سی ہو گئی۔

"اگر ابھی بھی ان کی اصلیت نہ کھلتی تو تم تو پہنچ چکی تھیں شاہ پور۔" سونیا اس کی کیفیت سے بے خبر کہے گئی۔ "اور وہاں اللہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوتا۔ بہر حال اس وقت تمہیں بہت ہمت سے کام لینا ہے خصوصاً پھوپھو کے سامنے انہیں یقین دلاؤ کہ تم انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ مجھے تمہارے یہاں آ جانے سے بات ختم نہیں ہو گی کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور اس کے بل پر وہ تمہیں لے جانے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"اُف نہیں۔" وہ جانے کس خیال سے سہم کر رونے لگی۔

"ارے۔۔۔!" سونیا نے چائے کا کپ رکھ کر اس کے گرد دونوں بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔ "یہ کیا حماقت کر رہی ہو۔ چلو اٹھو نیچے چلتے ہیں۔ پتا نہیں پھوپھو کو ہوش آیا کہ نہیں۔"

"کیا؟" وہ ہاتھ نیچے گرا کر چیخی۔ "مما کو کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں۔ عدیل چاچو ہم میں سے کسی کو کمرے میں جانے ہی نہیں دے رہے تم چلو شاید تمہیں جانے دیں۔" سونیا نے کہا تو اس نے فوراً اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اور مدحو کہاں ہے؟"



"مدحو اسے تو میں نے نہیں دیکھا شاید پھوپھو کے پاس ہو گی۔"

"چلیں۔" اس کے ذہن سے ہر بات نکل گئی۔ صرف آسیہ کا خیال تھا جو سونیا کے ٹوکنے کی پروا کیے بغیر وہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔

ابا جی کے کمرے کے باہر میمونہ بھابھی، ریما بھابھی اور اماں جی بیٹھی تھیں جب کہ دروازے کے پاس عدیل اور نبیل کھڑے تھے اور وہ جو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نظر آئی تھی بس ایک لحظہ کو ٹھٹکی۔۔۔ پھر ایک دم آگے بڑھ کر بولی۔

"مجھے مت روکیے گا نبیل بھائی! میں مما کو دیکھوں گی۔"

"دیکھ لینا بیٹا! دیکھ لینا ذرا صبر کرو۔" نبیل سے پہلے عدیل نے کہا تو وہ مچل کر بولی۔

"نہیں ماموں جی! میں صبر نہیں کر سکتی مجھے اندر جانے دیں۔"

"جانے دو۔ شاید اسے دیکھ کر۔" میمونہ بھابھی اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئیں تو عدیل کچھ دیر کو ان کی طرف متوجہ ہوئے پھر احتیاط سے دروازہ کھول کر آہستہ آواز میں اس سے بولے۔

"مما کو پریشان نہیں کرنا بیٹا۔"

"نہیں۔" وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی لیکن آسیہ کو دیکھتے ہی بے اختیار اسے پکارا۔

"مما۔۔۔!"

آسیہ بالکل سیدھی ساکت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کی آواز پر بھی اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی البتہ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"مما!" وہ آسیہ کے قریب جا بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس پر جھک کر دھیرے سے بولی۔

"میں آپ کے پاس ہوں مما۔"

آسیہ نے ذرا سی پلکیں جھپکیں تو آنکھوں کا پانی روانی سے کناروں سے بہنے لگا۔

"مما پلیز! روئیں نہیں میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں عاجزی کے ساتھ بے پناہ دکھ تھا۔

آسیہ نے آنکھیں بند کر لیں اور بہت کوشش کے بعد اس کے ہونٹوں سے سسکی کی صورت نکلا تھا۔

"مدحو۔"

"تم تو بہت بہادر ہو بیٹا۔" ابا جی سرہانے بیٹھ کر آسیہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ "ہمت سے کام لو تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو گا۔ جاؤ بیٹا مدحو کو بلاؤ۔"

وہ اٹھنے لگی تھی کہ آسیہ نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں سے لگا کر بولی۔

"مدحو نہیں ہے ابا جی! مدحو نہیں ہے۔ وہ لے گئے اسے۔"

"کون؟" ابا جی سے زیادہ خلیل بھائی اور شکیل بھائی چونکے تھے۔

"مدحو کو لے گئے۔ نہیں مما! میں بلا لائی ہوں اسے۔" وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر مدحیہ کو دیکھنے بھاگی تھی۔

✿ ✿ ✿

مدیحہ نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولی تھیں۔

بڑا خوابناک ماحول تھا۔ جہازی سائز مسہری چاروں طرف سے گلاب کی لڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس کا ذہن کیونکہ ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا اس لیے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟ تب ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ کتنی دیر تک پلکیں جھپک جھپک کر خود پر تنے گلابوں کے سائبان کو دیکھے گی پھر غالباً تھک کر دوبارہ آنکھیں بند کی تھیں کہ اس کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

شادی، افراتفری' فائرنگ اور پھر...... اس کے سینے میں دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سانسیں بھی تیز ہو گئی تھیں۔ جیسے میلوں بھاگتی آئی ہو۔

"میرے خدا۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور اگلے پل چادروں اور جھولتی لڑیوں کو بے دردی سے توڑنے لگی جس سے کتنی لڑیاں اس کے وجود سے لپٹ گئی تھی۔ کچھ بازوؤں میں الجھ گئیں جس سے اس کی جھنجلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"نان سینس۔ آگ لگادوں گی میں سب کو۔" وہ بری طرح تلملا کر بڑبڑائی کہ دروازہ کھلنے کے ساتھ علی جہانگیر اندر داخل ہو کر بولا۔

"السلام علیکم۔"

وہ اپنے وجود کو لڑیوں سے آزاد کرانے کی سعی بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"او گاڈ' یہ تو کوئی اکھاڑا ہے گا......" علی جہانگیر نے سارے میں بکھرے پھولوں کو دیکھتے ہوئے قدرے شگفتہ انداز میں اس قدر کہا تھا کہ وہ تیز ہو کر بولی۔

"کون ہیں آپ؟"

"میں۔" وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا جیسے مجھے نہیں جانتیں۔ وہ لڑیوں سمیت مسہری سے اتر کر اس کے مقابل آ کر بولی۔

"جی میں آپ ہی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"کم آن صبا، میں مانتا ہوں کہ یہ سب......"

"او تو آپ علی جہانگیر ہیں۔" وہ ایک دم سمجھ کر خاصے تمسخرانہ انداز میں اس کے گرد چکر کاٹ کر پھر اس کے مقابل آ کر بولی۔ "چچ چچ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ کچھ ٹھٹھک کر دیکھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ میں صباحت نہیں ہوں اور نہ ہی اس کی طرح معصوم، مسکین اور بزدل ہوں، سمجھے آپ۔" اس نے چبا چبا کر کہا تو علی جہانگیر پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ اسے یوں ہی چھوڑ کر ٹہلنے کے انداز میں دروازے تک آئی اور اسے پورا کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ طویل راہداری تھی اور اس سے آگے غالباً زینہ اور بس یہیں تک روشنی تھی، اس کے بعد گھپ اندھیرا تھا۔

"سنیں، یہ کون سی جگہ ہے؟" اس نے پلٹ کر پوچھا۔

علی جہانگیر ایکدم پلٹا اور اسے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھ کر خاصا متعجب سا ہو کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔



"یہ کیا حرکت ہے سب لوگ کیا کہیں گے؟"

"مجھے لوگوں کے کہنے کی کبھی پروا نہیں رہی۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر راہداری میں نکلی تھی کہ علی جہانگیر ایک ہی جست میں اس تک پہنچ کر اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

"صبا اندر آؤ۔"

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔ میں نے کہا نہیں' میں صبا نہیں ہوں۔" وہ جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑا کر زور سے چیخی۔

"صبا تو بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی ہوگی۔ اس بزدل کو رونے کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے؟ ہونہہ۔"

علی جہانگیر نے پہلی بار ٹھٹھک کر اسے سرتاپا دیکھا۔ وہی آنکھیں' وہی ہونٹ' وہی سراپا' کوئی فرق نہیں تھا پھر بھی وہ اس کا یقین کر گیا۔

"تم واقعی صبا نہیں ہو۔" پھر انگوٹھے سے دائیں جانب اشارہ کر کے بولا۔ "ادھر چلی جاؤ۔ بابا جان ابھی لاؤنج میں بیٹھے ہیں۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے ان سے کہو۔"

"کون بابا جان' آپ کے فادر۔" وہ اس کے اشارے کی سمت دیکھ کر پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"گرینڈ فادر' شاہ حیات محمد۔" وہ اس کا ردعمل دیکھنے کی خاطر اس پر نظریں جما کر بولا۔

وہ ایکدم اچھل پڑی۔

"شاہ حیات محمد۔ یہ...... یہ شاہ پور ہے' یعنی میں۔"

"جی آپ شاہ پور میں ہیں۔" وہ کہہ کر واپس کمرے کے اندر چلا گیا۔

تو وہ کچھ دیر اس کے پیچھے دیکھتی رہی پھر جیسے خواب کے عالم میں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ریلنگ کے پاس آ کر نیچے دیکھنے لگی۔ وسیع و عریض لاؤنج تیز روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ درمیان میں ایرانی قالین کے چاروں اطراف صوفوں پر جانے کون کون براجمان تھا؟ کسی شناسا چہرے کی تلاش میں اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی شاہ سکندر پر جا ٹھہریں تو اس کے دل میں ایک لہر سی اٹھی تھی اور دوسرے پل وہ سیڑھیاں اتر کر ان سب کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔

"ہیں" بابا جان نے تعجب سے اسے یوں دیکھا جیسے یہ کہاں سے آ گئی۔

"میں نے سوچا' آپ لوگ اپنی جیت کی خوشی منا رہے ہوں گے۔ میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔" وہ کہہ کر زور سے ہنسی اور پھر ایک ایک کو دیکھ کر ہنستی چلی گئی۔ اس کی ہنسی میں واضح تمسخر تھا۔

شاہ جہانگیر نے بوکھلا کر شاہ سکندر کو دیکھا لیکن وہ اپنی جگہ پریشان ہو کر بابا جان کو دیکھ رہے تھے۔ جن کا چہرہ غصے اور توہین کے احساس سے سرخ ہو گیا تھا پھر وہ ایکدم اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر دھاڑے۔

"خاموش۔"

مدیحہ کی ہنسی وہیں تھم گئی' لیکن وہ خائف نہیں ہوئی بلکہ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"تو آپ ہیں شاہ حیات محمد' میرے باپ کے باپ۔"

"صبا!" شاہ سکندر نے سرزنش کے انداز میں ٹوکا تھا کہ وہ چیخ کر بولی۔

"صبا نہیں ہوں میں لیکن آپ کیا جانیں گے کبھی دیکھا ہو تب تو......"

"آرام سے بیٹا، آرام سے۔" شاہ جہانگیر نے صورت حال سنبھالنے کی سعی کی۔

"آرام سے۔" وہ طنزآمیز تلخی سے گویا ہوئی۔ "باپ دادا، بیٹی کو اغوا کر کے لے آئے ہیں اور یہ بھی نہیں

جانتے کہ وہ کون ہے۔ مدیحہ ہوں میں مدیحہ سکندر۔"

"مدیحہ۔" شاہ سکندر کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔

"آس! ہماری بیٹی ہوئی تو ہم اس کا نام مدیحہ رکھیں گے۔"

"مدیحہ اچھا نام ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے انداز میں کہہ کر پھر شوخی سے پوچھا تھا۔ "ویسے کون ہے مدیحہ؟"

"کیا مطلب، تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔"

"میرے خدا۔" انہوں نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کو زرا سا جھٹکا دے کر مدیحہ کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی اسی زہر خند سے بول رہی تھی۔

"آپ نے مما کو دھوکا دے دیا لیکن اس سے بڑا دھوکا آپ نے خود کھایا ہے۔ صباحت میری بہن ہے، جڑواں بہن۔ بنانے والے نے صرف ہماری شکلیں ایک جیسی بنائی ہیں، مقدر ایک جیسے نہیں لکھے۔" آخر میں جانے کس خیال سے اس کے لہجے میں آزردگی سمٹ آئی تھی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" بابا جان اس کا یقین کرنے کو تیار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"ٹھیک بابا جان۔" شاہ سکندر نے آگے بڑھ کر مدیحہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میری بیٹی جھوٹ نہیں کہہ سکتی۔"

مدیحہ نے چونک کر شاہ سکندر کو دیکھا اور اپنے کندھے پر ان کے ہاتھ کے لمس کو یوں محسوس کیا جیسے بہت سے اسی احساس کو ترس رہی ہو۔

"تمہیں کیا پتا، تم تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ آسیہ کے پاس تمہاری بیٹی ہے یا بیٹا۔" بابا جان نے کہا تو وہ انہیں جھٹلانے کی بجائے سہولت سے بولے۔

"اب تو جان گیا ہوں کہ ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں، صباحت اور مدیحہ۔ آپ یقین نہ کریں تب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ علی کہاں ہے، علی کو بلاؤ۔ وہ زیادہ جانتا ہے، اس کے گھر میں ہم نے پہلی بار اس بچی کو دیکھا تھا۔"

بابا جان غالباً اپنی بے خبری اور ناکامی پر تلملا رہے تھے۔

علی جہانگیر ریلنگ پر دونوں ہاتھ جمائے بظاہر ان سب کو دیکھ رہا تھا، لیکن اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ جب بابا جان نے اسے بلانے کو کہا تو وہ اپنے نام پر چونک کر متوجہ ہوا اور شاہ جہانگیر کے اشارے پر سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو بابا جان نے فوراً پوچھا۔

"تم بتاؤ علی، یہ صباحت ہے۔"

"نہیں۔" اس نے اتنے یقین سے کہہ کر غیر یقینی کی فضا میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔

بابا جان نے یوں ہونٹ بھینچے جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو پھر اسی طرح اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تو شاہ سکندر مدیحہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔

"آپ میرے ساتھ آؤ بیٹا۔"

"ایک منٹ، پہلے سب تعارف تو کرا دیں۔" وہ کن انکھیوں سے خاموش بیٹھی خواتین کو دیکھتے ہوئے



بولی۔

"ہاں۔" شاہ سکندر نے رک کر سب سے پہلے بی بی جان کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بی بی جان ہیں، آپ کی دادی۔"

"بس، باقی سب کے بارے میں، میں دادی سے پوچھ لوں گی اور صبح کیونکہ ابھی مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے جھک کر بی بی جان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"اجازت ہے بی بی جان۔"

بی بی جان کے اندر فطری محبت انگڑائیاں لے رہی تھی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے یا نہیں۔

"شب بخیر۔" وہ انہیں شش و پنج میں چھوڑ کر شاہ سکندر کے ساتھ چل پڑی۔



وہ سب کی نیندیں اڑا کر خود بڑی بے خبر سوئی تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ایسی ہی تھی۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو خود تو محبت کرنا نہیں جانتے لیکن اپنے لیے سب کی محبت چاہتے ہیں اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ توجہ حاصل کرنے کے لیے دوسرے طریقے اختیار کر کے سب کو اپنی ذات میں الجھا دیتے ہیں۔ اس سے جانے ان کے کون سے جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے اپنی نظروں میں اپنی اہمیت بڑھ جاتی ہو۔ بہر حال اس رات وہ صرف اپنی ہی نہیں حویلی کے اور بھی کتنے لوگوں کی نیند سوئی تھی کہ اگلے دن دوپہر میں بھی شاہ سکندر کے اٹھانے پر اٹھی تھی۔

"بیٹا اتنی دیر تک پیٹ خالی نہیں رہنا چاہیے۔ کچھ کھا لو پھر بے شک سو جاؤ۔" شاہ سکندر نے اس کے آنکھیں کھولتے ہی کہا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر نظروں کا زاویہ بدلا تو سامنے وال کلاک پر نظر پڑی۔ ایک بج رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

"اف دوپہر ہو گئی۔ کیا سب لوگ اسی وقت اٹھتے ہیں۔"

"نہیں، یہاں صبح جلدی ہوتی ہے۔ آپ ناشتا کرو گی یا کھانا؟"

"پہلے تو منہ ہاتھ دھوؤں گی، اس کے بعد دیکھیں کیا موڈ بنتا ہے۔" وہ اپنا شرارہ سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اتر کر کھڑی ہوئی تو ایک دم سے کپڑے بھاری بھاری لگنے لگے۔ جس پر الجھتے ہوئے بولی۔

"اب میں پہنوں گی کیا۔ ان میں تو الجھن ہو رہی ہے۔"

شاہ سکندر فوراً جواب نہیں دے سکے۔ غالباً فوری انتظام سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اس نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالی پھر واش روم کا رخ کیا۔ رات وہ صبا کے ساتھ بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے جانے کیا کچھ یاد آیا۔ پھر ان ہی سوچوں کی گرفت میں رہ کر اس نے پہلے میک اپ صاف کیا پھر منہ دھویا، اس کے بعد بالوں میں برش کر کے نکلی تو بیڈ پر تین چار سوٹ رکھے تھے۔ باقاعدہ پیک کیے ہوئے۔ جنہیں دیکھ کر بھی اس نے قصداً نظر انداز کر دیا اور اپنا دوپٹا اٹھا کر شانے پر ڈال رہی تھی کہ الماس مزید دو سوٹ لے کر آ گئی۔

"پاپا، دیکھیں یہ کیسے۔" الماس دروازے سے داخل ہونے کے ساتھ بولنے لگی تھی لیکن اسے دیکھتے ہی خاموش ہو گئی۔

اس نے اپنی مصروفیت ترک کر کے بے اختیار سر اونچا کیا اور الماس کے دونوں ہاتھوں میں ہینگر دیکھ کر نخوت سے بولی۔

"میں اترن نہیں پہنتی۔"

"تمہاری مرضی۔" الماس نے جواباً ناگواری کے اظہار کے ساتھ دونوں ہینگر بیڈ پر اچھال دیے اور واپس جانے لگی کہ شاہ سکندر اسے پکار کر بولے۔

"الماس! یہ تمہاری بڑی بہن ہے' مدحیہ۔"

الماس کچھ نہیں بولی لیکن انداز ایسا تھا جیسے میں کیا کروں؟

"اور مدحیہ بیٹا!

یہ میری چھوٹی بہن ہے۔"

وہ فوراً کہہ کر ذرا سا ہنسی پھر شاہ سکندر کو دیکھ کر بولی۔ "مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ہاں چلو' بی بی جان کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔" شاہ سکندر کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے تو وہ ان کے پیچھے چلتی ہوئی الماس کے قریب رک کر بولی۔

"تم بھی چلو۔" اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں بابا جان کے علاوہ سب موجود تھے۔ اس نے داخل ہوتے ہی سب پر اچٹتی نظر ڈالی تھی پھر بیٹھتے ہی یوں کھانے میں مصروف ہو گئی جیسے ہمیشہ سے یہیں رہتی آ رہی ہو۔ یعنی کوئی تکلیف نہیں' نہ غیریت۔ حالانکہ سب کے درمیان وہ خود کو اجنبی محسوس کر رہی تھی' حتیٰ کہ قریب بیٹھے شاہ سکندر بھی اپنے نہیں لگ رہے تھے پھر بھی اس نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا' نہ ہی خود کو مہمان پوز کیا تھا اور سب سے پہلے کھانا ختم کر کے کھڑی ہو گئی اور کھانا سرو کرتی ملازمہ کو دیکھ کر بولی۔

"مجھے فوراً چائے چاہیے۔"

"فوراً۔" جانے کس نے کہا تھا۔ اس کے ساتھ دبی دبی ہنسی۔ جسے وہ نظر انداز کرتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھی اور گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی' طویل کوریڈور سے آگے جاپا ڈرائیو وے تھا اس کے بعد لان جس کی آخری حد نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تو یہ ہے میرے باپ' دادا کا گھر۔" وہ اپنے آپ سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹہلنے کے انداز میں جو پہلی راہداری نظر آئی اس میں داخل ہو گئی۔ دائیں ہاتھ پہ بند دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ وسیع ڈرائنگ روم تھا جس کی سجاوٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ فوراً دروازہ بند کر کے آگے چل پڑی۔ آخر میں بائیں جانب ایک دروازہ' وہ بھی بند تھا۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ دھکیلا تو سامنے مسہری پر بابا جان نیم دراز تھے۔ جو دروازہ کھلنے کی آواز پر ہی متوجہ ہو گئے تھے اور اسے دیکھ کر ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ جس سے وہ چند ثانیے کو ٹھٹھکی' پھر آرام سے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"آپ کھانے پر نہیں آئے؟"

"تمہیں اتنی تمیز نہیں ہے کہ بڑوں کو پہلے سلام کیا جاتا ہے اور اندر آنے سے پہلے بھی اجازت لی جاتی ہے۔ یہ ہمارا کمرہ ہے۔ یہاں ہم جسے بلاتے ہیں وہی آتا ہے۔ خود سے آنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا۔ یہ ہم تمہیں پہلی اور آخری بار سمجھا رہے ہیں۔ آئندہ خیال رکھنا۔" بابا جان نے اس کی بدتمیزی کو ٹوک کر جتایا۔



"سوری' میں نے سلام نہیں کیا' یہ میری غلطی ہے۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں جانتی یعنی اس حویلی کے روپ آداب اور اصول۔ نہ ہی وہ مجھ پر لاگو ہوتے ہیں۔ کیونکہ میں یہاں رہتی نہیں اور نہ ہی رہنے کا ارادہ ہے۔" وہ لاپرواہی سے کہتی ہوئی بڑے آرام دہ انداز میں صوفے میں دھنس گئی۔

"تم بدتمیز ہی نہیں' گستاخ بھی ہو۔ تمہاری ماں نے۔"

"میری ماں کا نام نہیں لیجیے گا۔" وہ فوراً بول پڑی۔ "ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔"

"فضل دین۔" بابا جان کا ضبط جواب دینے لگا تو فضل دین کو پکار کر بولے۔ "سکندر کو بھیجو ہمارے پاس۔"

"شاہ سکندر کیا کر لیں گے؟" اس نے سوچا اور تحمل سے اخبار اٹھا کر گھٹنوں پر پھیلاتی ہوئی انہیں سنا کر بولی۔

"دیکھو شاید میرے اغوا کی خبر چھپی ہو؟ کہ شادی ہال سے دلہن کا اغوا۔"

بابا جان انتہائی قہر آلود نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

چند لمحوں بعد شاہ سکندر کمرے میں داخل ہوتے ہی بولے۔

"السلام علیکم بابا جان۔"

بابا جان نے اس پر سے نظریں ہٹا کر شاہ سکندر کو دیکھا اور سلام کا جواب دیے بغیر اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔

"اپنی بیٹی کو سب سے پہلے یہاں کے آداب سکھاؤ۔"

"آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی بابا جان۔" شاہ سکندر اس کی نشست کا انداز دیکھ کر ہی سمجھے کہ بابا جان کو اس کا بے تکلفی سے بیٹھنا ناگوار گزر رہا ہے۔ اس لیے بڑے آرام سے بولے تھے۔

"آہستہ آہستہ' یعنی تب تک ہم اس کی بدتمیزیاں اور گستاخیاں برداشت کرتے رہیں۔ ہرگز نہیں۔ لے جاؤ اسے یہاں سے اور سمجھا دو کہ اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آئے جب تک ہمارے سامنے مؤدب کھڑے ہونا نہ سیکھ لے۔" بابا جان نے اتنے غصے سے کہا کہ شاہ سکندر خائف سے ہو گئے لیکن وہ ہنوز اسی لاپرواہ سے انداز میں اخبار پھینک کر اٹھتے ہوئے بولی۔

"مؤدب یعنی ہاتھ باندھ کر۔ سوری یہ تو میں قیامت تک نہیں سیکھ سکتی' البتہ صبا۔"

"مدحیہ! میرے ساتھ آؤ بیٹا۔" شاہ سکندر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑے۔

"جاؤں دادا حضور۔" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"ہوں اور سنو' فون کر کے اپنی ماں سے پوچھو کہ ہم دلہن رخصت کرانے کب آئیں؟" بابا جان نے تمسخرانہ انداز میں اجازت دینے کے ساتھ کہا۔

"ہاہاہا۔" وہ بے ساختہ ہنسی اور فوراً ہونٹوں پر ہاتھ بھی رکھ لیا لیکن شاہ سکندر اسے کھینچتے ہوئے باہر لے آئے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"سوری' مجھے ان کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔" وہ بمشکل اپنی ہنسی روک کر کہنے لگی۔ "یعنی وہ ابھی بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مما دلہن رخصت کر دیں گی۔ وہ نہیں جانتے لیکن آپ تو جانتے ہوں گے مما کو اور صبا کو میں جانتی ہوں۔ مما کی مرضی کے بغیر تو وہ ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔"

''اور آپ؟'' شاہ سکندر غیر ارادی طور پر پوری جان سے متوجہ ہو گئے تھے۔

''میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔'' وہ گردن اکڑا کر بولی۔

''اچھی بات ہے۔ اب آپ بی بی جان کے پاس جاؤ میں کسی کو بھیج کر آپ کے لیے کپڑے وغیرہ منگواتا ہوں۔ ویسے جو الماس لے کر آئی تھی وہ بھی نئے تھے۔'' انہوں نے چلتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو اس کے بعد میں جتاتی کہ میں نے اس کی چیز لے لی۔''

شاہ سکندر کچھ نہیں بولے اور اسے لاؤنج میں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

وہ یوں ہی ان کے پیچھے دیکھنے لگی تھی کہ گلاس وال سے نظر کوریڈور میں کھڑے علی جہانگیر پر پڑی اور پھر وہ بے دھیانی میں اسے ہی دیکھے گئی۔ سفید کاٹن کے کلف لگے شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد اور نمایاں ہو گیا تھا اور جانے اس کی رنگت تھی ہی ایسی یا سنہری دھوپ کا عکس تھا جو اس کے چہرے کو جاذب نظر بنا رہا تھا۔

''صبا تم ہمیشہ سے۔'' وہ جانے کیا سوچے جا رہی تھی کہ اس پل علی جہانگیر نہ صرف متوجہ ہوا بلکہ اس کے پاس آ گیا تھا۔

''ہیلو'' خاصا دوستانہ انداز تھا۔

وہ نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

''آپ ناراض ہیں؟'' علی جہانگیر نے پوچھا۔

''پتا نہیں، ابھی تک میں سمجھ نہیں سکی کہ مجھے کس بات کا اظہار کرنا چاہیے۔ ناراضی، خوشی، دکھ، افسوس۔''

''بس۔'' وہ ٹوک کر بولا۔ ''جب سمجھ جائیں تو بتا ضرور دیجیے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس کے ہونٹوں سے اپنے آپ گہری سانس خارج ہوئی پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ''اتنی خاموشی کیوں ہے۔ سب لوگ کہاں ہیں؟''

''اپنے اپنے کمروں میں۔'' علی جہانگیر نے سرسری انداز میں بتایا اور اس کے خاموش رہنے پر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

''سنیں، آپ اپنے گھر فون نہیں کریں گی؟''

''اپنے گھر میں تو کھڑی ہوں۔'' وہ سمجھ کر بھی انجان بنی۔

''میرا مطلب ہے اپنی مما کو۔''

''کیوں کروں، یہ بتانے کے لیے کہ میں یہاں خیریت سے ہوں۔ وہ میری فکر نہ کریں اور مزید صبا کو رخصت کرنے کا سوچیں۔ سوری، مما نہ تو میری کسی بات کا یقین کریں گی اور نہ ہی عمل، اس لیے فی الحال میرا ان سے رابطہ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔''

''میری بات کرا دیں صبا سے۔'' وہ کسی طرح اپنے لہجے کی بے قراری چھپا نہیں سکا۔

''سوری اگین، میں جب تک مما سے یہ معلوم نہ کر لوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں تب تک میں کچھ نہیں کر سکتی اور مما کو فون بھی جب میرا دل چاہے گا، کروں گی۔ اوکے۔'' وہ بغیر کسی مروت لحاظ کے صاف منع کر کے آگے چل پڑی تھی۔



آسیہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی اور ہر ایک کی بات کے جواب میں اس کی بس ایک ہی تکرار تھی''



مجھے مدحو لا دیں۔ وہ ظالم اسے مار ڈالیں گے۔''

''تم یہ کیوں بھولتی ہو بیٹا کہ وہاں اس کا باپ بھی موجود ہے اور وہ خواہ کتنا بھی ظالم کیوں نہ ہو بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دے گا۔'' شکیل بھائی اس کی تکرار سے عاجز آ کر بولے تھے۔

''اور کیا تم ناحق پریشان ہو رہی ہو۔'' شکیل بھائی تائید کرتے ہوئے کہنے لگے۔ ''مدحو کو تم جانتی نہیں ہو وہ کسی سے خائف ہونے والی نہیں ہے۔ زیادتی تو کیا تیز لہجہ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''اسی بات سے تو ڈر لگ رہا ہے مجھے۔ جذبات میں جانے کیا کر بیٹھے۔ بس آپ کسی طرح اسے بلائیں۔''

''تم کیا چاہتی ہو ہم ان کے در پر جائیں نہیں۔'' عدیل کو اپنا ایک بار جانا یاد تھا۔ اس لیے سختی سے منع کیا۔

''یہاں سے کوئی نہیں جائے گا۔ تم انتظار کرو مدحو خود آئے گی یا فون کرے گی تو تم خود اس سے بات کر لینا۔''

''رات گزر گئی، دن گزر گیا۔ اب تک اس کا فون آ جانا چاہیے تھا اور نہ آنے کا مطلب۔'' آسیہ کی تشویش [illegible] تھی۔

''کوئی مطلب نہیں ہے۔'' شکیل بھائی نے ٹوک دیا۔

''ہاں بیٹا، تم حوصلے سے کام لو۔ ابھی تو تمہیں صباحت کا معاملہ نمٹانا ہے۔ یوں ہمت ہار دو گی تو یہ بچی ادھر کی رہے گی نہ ادھر کی۔'' اباجی نے دھیرج سے اسے صباحت کا احساس دلایا۔

''صبا کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں۔ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ اصل زیادتی اس کے ساتھ ہوئی ہے اور وہی بے چاری شرمندگی محسوس کر رہی ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سب ہوا جبکہ اس کا کوئی قصور نہیں۔ زیادہ وہ تمہارے لیے پریشان ہے۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو تب تو اسے سمجھا سکو گی۔''

شکیل بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ اب تک صرف مدحیہ کے لیے پریشان تھی۔ صباحت کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ اب جو اباجی اور شکیل بھائی نے احساس دلایا تو وہ اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

شکیل بھائی نے سب کو چلنے کا اشارہ کیا تو ایک ایک کر کے سب اٹھ گئے۔

''مدحو کی فکر نہیں کرو بیٹا، وہ اپنے باپ کے پاس ہے۔'' اباجی نے جاتے جاتے کہا تو اس کا ذہن ایک بار پھر منتشر ہو گیا تھا۔

''اس کے باپ پر ہی تو بھروسہ کیا تھا میں نے۔'' اس نے بیڈ کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے دکھ سے سوچا۔

''اف کس قدر گرا ہوا شخص ہے شاہ سکندر حیات۔ بیٹی کے معاملے میں بھی فریب دے گیا۔ غلطی میری ہے، میں نے اس کا یقین کیوں کیا؟ عدیل بھائی سے کہتی تو شاید اسی وقت علی جہانگیر کا اصل سامنے آ جاتا۔ یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچتی اور اب تو مجھے ایک نہیں دونوں بیٹیوں کے لیے لڑنا ہے۔''

''پھوپھو۔'' شکیل نے دروازے تک آ کر اسے پکارا تو وہ اپنی سوچوں سے نکل کر بولی۔

''کیا بات ہے بیٹا؟ آؤ۔''

''آپ نے کھانا نہیں کھایا۔'' نبیل نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''بھوک لگے گی تو کھا لوں گی۔ تم نے اور صبا نے کھایا؟'' آسیہ نے حتی الامکان خود کو نارمل ظاہر کرنے کی سعی کی۔

''جی۔'' نبیل اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئے تو قدرے توقف سے وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

''کوئی فون تو نہیں آیا۔؟''

''مدحو کا؟'' نبیل نے بے اختیار کہا تھا۔

''ہاں' اسے فون تو کرنا چاہیے تھا۔''

''آپ کو پتا تو ہے پھوپھو! وہ کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتی اور یہاں تو سمجھیں اس کی ایک آرزو پوری ہوگئی۔ ہمیشہ کہتی تھی۔ شاہ سکندر کے پاس چلی جاؤں گی۔'' نبیل جانے کس خیال میں کھو کر بول رہے تھے۔

آسیہ کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

''ویسے آپ فکر نہیں کریں' وہ زیادہ دن وہاں نہیں رہے گی۔ آ جائے گی جلدی۔ آپ بس صبا کا سوچیں لیکن اس کے لیے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو جو فیصلہ کرنا ہو' کر لیجیے اس کے بعد ہر کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ جیسا کہ آپ چاہیں گی وہی ہوگا۔'' نبیل کے مضبوط لہجے پر وہ کتنی دیر انہیں دیکھتی رہی پھر مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔''

''ایک بات اور۔'' نبیل اچانک کسی خیال کے تحت بولے تھے۔ ''کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے صبا سے ضرور پوچھ لیجیے گا۔''

''صبا سے۔'' آسیہ نہ صرف چونکی بلکہ کچھ ٹھٹھک بھی گئی تھی۔

''جی پھوپھو' کیونکہ وہ آپ کی کسی بات سے اختلاف کرتی ہے' نہ احتجاج۔ ابھی بھی آپ جو سوچیں گی' کریں گی۔ وہ کچھ نہیں بولے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ۔'' نبیل ایک دم خاموش ہو گئے۔

''تمہارا مطلب ہے۔ وہ علی جہانگیر کے ساتھ۔''

''میرا ایسا کوئی مطلب نہیں ہے پھوپھو۔'' نبیل فوراً بول پڑے۔ ''میں تو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہیں وہ خود کو غیر اہم نہ سمجھنے لگے کہ اس کی زندگی کے معاملے یوں طے ہوتے ہیں کہ اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ ویسے اس سے پوچھنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

''ہوں۔'' آسیہ پر سوچ انداز میں سر ہلانے لگی تھی۔



گزشتہ رات بھی اس کی آنکھوں میں کٹی تھی اور اب بھی وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی' لیکن نیند آ کے نہیں دی۔ آخر اس نے بستر چھوڑ دیا اور لائٹ آن کر کے میگزین لے کر بیٹھ گئی۔ لیکن بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ جن باتوں کو وہ گزشتہ دو روز سے مسلسل ذہن سے جھٹک رہی ہے ان سے مزید پہلو تہی ممکن نہیں ہے۔

''میرے خدا' کیا ضروری تھا کہ جو کچھ مما کے ساتھ ہوا وہ میرے ساتھ بھی ہو۔'' وہ بہت تھک کر پھر آ کر اپنی جگہ پر لیٹی تھی کہ اس کی نظروں کے سامنے فلم سی چل پڑی تھی۔



علی جہانگیر سے پہلی ملاقات سے لے کر آخری ملاقات تک۔ وہ اس کی ایک ایک بات' ایک ایک انداز سوچتی رہی اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ باقاعدہ پلان کے تحت اس کی زندگی میں آیا اور شاہ سکندر کی طرح اس نے بھی محبت کا فریب دے کر اسے حاصل کرنا چاہا اور یہ ایسی تلخ حقیقت تھی یا اس کی سوچ بہر حال بے حد دکھ دینے والی تھی کہ اس سارے قصے میں اس کا بہت نقصان ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنے دل کی بستی میں بڑی محبت اور چاہت سے اس کے نام کے بیج بوئے تھے اور پھر پوری ایمانداری سے ان کی آبیاری کی تھی اور اب جب کہ ساری بستی پھولوں سے بچ گئی تھی تو وہ تاوان مانگ رہا تھا۔

''تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو؟''

''میں چاہتا تو نہیں ہوں لیکن اگر چاہوں کہ میری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دو تو چھوڑ دو گی؟''

''نہیں۔'' اس کی آنکھیں یکبارگی آنسوؤں سے لبریز ہو کر کناروں سے چھلک گئیں۔ ''تم چاہو گے تب بھی نہیں کیونکہ تم جانتے ہی نہیں کہ محبت کیا ہے؟ تم نے صرف محبت کا ڈھونگ رچایا' فریب دیا مجھے اور چاہتے ہو کہ تمہاری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دوں۔ میری دنیا ہے ہی کتنی۔ مما' نبیل بھائی اور مدحو جنہیں اپنی طرف سے دکھ دینے کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا اور کیا ستم ظریفی ہے کہ میری ذات ہی دکھ اور پریشانی کا باعث بن گئی اور اس کے ذمہ دار تم ہو علی جہانگیر تم۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کبھی نہیں۔'' اس نے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

اور اس نے تو اس وقت جب علی جہانگیر اس کی زندگی میں آیا تھا' سوچ لیا تھا کہ اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار صرف آسیہ کو ہے اور ابھی بھی اس نے یہی سوچ کر خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا اور اسے امید تو نہیں تھی کہ اس سلسلے میں آسیہ اس سے کوئی سوال جواب کرے گی پھر بھی وہ خود کو ایسی کسی صورت حال کے لیے تیار کرنے لگی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے کسی بھی انداز سے علی جہانگیر کے ساتھ اس کی وابستگی ظاہر ہوتے محسوس کر کے آسیہ کو فیصلہ کرنے میں مشکل ہو۔

پھر صبح جب وہ سو کر اٹھی تو آسیہ موجود نہیں تھی۔ اس نے بوا سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آج شکیل بھائی اور سیما بھابھی واپس اسلام آباد جا رہے ہیں اور اسی لیے آسیہ اٹھتے ہی نیچے چلی گئی تھی۔ دل تو اس کا بھی چاہا کہ وہ ماموں' ممانی سے ملے جائے لیکن سب کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی۔ گو کہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اسے قصوروار سمجھ رہا تھا لیکن جن نظروں سے سب دیکھتے تھے اس سے وہ اپنے آپ میں کٹنے لگی تھی۔ اس لیے وہ چاہنے کے باوجود نہیں گئی اور ہلکا سا ناشتا کر کے زبردستی خود کو جھاڑ پونچھ میں مصروف کر لیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بوا کی مدد کے ارادے سے کچن کی طرف جا رہی تھی کہ فون کی بیل پر بہت تیزی سے پلٹ کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا کیونکہ اسے خیال مدحیہ کا آیا تھا اور اس نے بے اختیار اسے ہی پکارا۔

''ہیلو مدحو۔''

''میں ہوں صبا علی۔'' علی جہانگیر کی آواز سنتے ہی اس کے اندر ناگواری کے احساس بے پناہ تنفر بھر گیا۔

''سوری' رانگ نمبر۔'' اس نے فوراً ریسیور پٹخ دیا اور کتنی دیر وہیں کھڑی خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی کیونکہ اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا کہ اتنا بڑا دھوکا دینے کے بعد علی جہانگیر نے اسے فون کرنے کی جرات کیسے کی۔ کیا سمجھتا ہے اب وہ اس پر!